

لا رطب و لا يابس الا في كتاب مبين  
ہر خشک و تر کا علم اس کتاب مبین میں موجود ہے۔

# البيان تفسير قلب القرآن

مصنف

علامہ مفتی شیخ محمد شفیق (کودمیت)

ایک اہل عربی، اسلامیات و فاضل بحیث و شریف

صدر مدرس جامعہ اسلامیہ جدیدہ نعیمیہ

چلوانی دہلی پراکاش

داتا دربار مارکیٹ لاہور

Ph 042-7324948  
Mob 0321-4300441

مکتبہ جمال کرم



Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

## جملہ حقوق محفوظ ہیں

93155

نام کتاب: \_\_\_\_\_ البیان فی تفسیر قلب القرآن

نام مصنف: \_\_\_\_\_ علامہ مفتی شیخ محمد شفیع

کمپوزنگ: \_\_\_\_\_ حافظ محمد یاسین

ناشر: \_\_\_\_\_ محمد مسعود تابش (میرپور A.K)

نظر ثانی: \_\_\_\_\_ حافظ وقاری علامہ غلام حسین سیفی

قیمت: \_\_\_\_\_

ملنے کے پتے

مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور

042-7324948

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

فہرست مضامین		
صفحہ نمبر	عنوانات	
16	انتساب	○
17	عرض مصنف	○
19	تقریظ	○
20	خطبہ	○
29	تعارف سورۃ یس	○
29	نام	○
29	نزول کا زمانہ	○
29	سورت مذکور کا جدا گانہ انداز	○
29	بنیادی مضامین	○
30	اثبات بعث و نشور	○
31	مناظر و موثرات کا بیان	○
31	سرمایہ دارانہ ذہنیت کی عکاسی	○
32	رسول اللہ ﷺ کو تسلی و تشفی	○
33	فضائل سورۃ یس	○
36	سورۃ یس آیات ۱۲ تا ۱۴	○
37	یس کی مختلف تفسیریں	○
38	حروف مقطعات کی بحث	○
41	حروف مقطعات سے آغاز کرنے کی حکمت	○

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>



61	آثار معنوی	○
62	بدعت کا لغوی اور شرعی مفہوم	○
66	آثار قدم	○
69	سورۃ یس ایات ۳۲ تا ۱۳	○
71	کیا مرسلین عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے؟	○
72	رسولوں کی بشریت پر اعتراض اور اس کا جواب	○
76	کیا نبی عام بشر کی طرح ہے؟	○
79	حضور کو عام بشر کہنے کا حکم	○
80	آیت میں موجود احتمالات اور معنی آیت	○
81	رسولوں کی یقین دہانی اور کفار کا انکار	○
82	کفار کا انبیاء پر اتہام	○
83	تطیر کا معنی اور بدشگونی کا حکم	○
85	فال پکڑنے کا ثبوت	○
86	فال اور تطیر میں فرق	○
88	قرآن سے فال پکڑنا	○
89	ہر شخص کے گلے میں اس کا اعمال نامہ ہوگا	○
93	مرد حر کا نعرہ مستانہ	○
94	وہ مرد پاکباز کون تھا؟	○
95	اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے	○
	فطرت کی نسبت اپنی طرف کرنے اور رجوع کی نسبت	○
96	کفار کی طرف کرنے کی وجہ	

96	کفار کے عقیدہ بد کی تردید	○
97	مسئلہ شفاعت کی وضاحت	○
101	حق کی قوت و بے باکی	○
102	مژدہ جانفزا	○
103	دخول جنت کا مطلب	○
104	دعوت حق اور جذبہ خیر خواہی	○
108	تبلیغ کے راہنماء اصول	○
108	حکمت کے ساتھ تبلیغ کرنا	○
109	موعظہ حسنہ	○
109	مجادلہ بطریق احسن	○
109	لوگوں کی تین اقسام	○
110	نرم بات چیت	○
111	دین کو آسان بنا کر پیش کرنا	○
112	عدم اکراہ	○
113	مبلغ کی بے غرضی و دلسوزی	○
114	تدریج کا عمل	○
115	مبلغ کے اوصاف	○
115	صحیح العقیدہ ہونا	○
116	حق کی بصیرت	○
117	باعمل شخصیت	○
118	جذبہ ایثار و قربانی	○

119	باوقار شخصیت	○
120	قلبی تڑپ	○
121	تعصب سے بالاتر ہونا	○
122	صبر و استقامت	○
122	خدا کی نصرت و تائید پر ایمان	○
123	پاکیزہ کردار	○
124	تبلیغ کے مواقع تلاش کرنا	○
126	عصر حاضر کے مبلغین کا طریقہ اور اس کا اثر	○
127	ولی اللہ کی شہادت اور غضب الہی	○
127	معجزہ و کرامت کی تعریف	○
128	معجزہ و کرامت میں فرق	○
128	بدر و جنین میں نزول ملائکہ کی حکمت	○
129	کفار کا انبیاء کا استہزاء و تمسخر اڑانا	○
130	گزشتہ امتوں کی ہلاکت اور درس عبرت	○
131	سورۃ یس ایات ۳۳ تا ۵۰	○
133	تکوینی دلائل سے توحید پر استدلال	○
133	مردہ زمین کے احیاء سے استدلال	○
134	موت کا معنی و مفہوم	○
137	کھجور کی اہمیت قرآن میں	○
138	کھجور کی اہمیت حدیث میں	○
140	کھجور کی اہمیت جدید طب میں	○

141	کھجور کی مؤمن کے ساتھ مشابہت	○
143	شکر کا معنی	○
144	شکر کی فضیلت قرآن میں	○
145	شکر کی فضیلت حدیث میں	○
147	شکر مزید نعمتوں کے حصول کا ذریعہ	○
148	حدیث کی روشنی میں شکر مزید نعمتوں کے حصول کا ذریعہ	○
149	ناشکری زوال نعمت کا سبب	○
150	بندوں کا ناشکر اخدا کا ناشکرا	○
151	اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر بجالایا نہیں جاسکتا	○
151	سبحن کا معنی	○
152	نباتات کے اندر تذکیر و تانیث	○
153	نباتات میں عمل لوانق	○
154	حضور ﷺ کا کھجور کی پیوند کاری سے ممانعت	○
155	احادیث پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب	○
156	جمادات اور مادہ میں بھی زواج کا عمل کار فرما ہے	○
156	گردش لیل و نہار سے توحید پر استدلال	○
160	گردش لیل و نہار کو بطور دلیل پیش کرنے کی حکمت	○
161	تسخیر شمس سے استدلال	○
161	اسم زمان کی صورت میں معنی	○
164	زیر عرش سجود شمس پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب	○
165	مفتی شفیع دیوبندی کا جواب	○

166	علامہ غلام رسول سعیدی کا جواب	○
167	چاند کے گھٹنے بڑھنے سے توحید پر استدلال	○
168	شمسی تقویم	○
169	قمری تقویم	○
170	فلک کے معنی	○
171	فلاسفہ اور قدیم طبعیین کے نزدیک فلک کی تعریف	○
172	علماء اسلام کے نزدیک فلک کی تعریف	○
174	جدید تحقیقات نظریہ قرآن کی مؤید	○
176	سمندری جہازوں سے توحید پر استدلال	○
176	ذریعہ کا معنی اور مفہوم	○
177	فلک سے کونسی کشتی مراد ہے؟	○
178	من مثله سے جدید ذرائع نقل و حمل کا ثبوت	○
179	سمندری جہازوں سے سفر اللہ کی رحمت سے ممکن ہے	○
180	دعوت نظر و فکر اور کفار کا حق سے اعراض	○
181	انفاق کا حکم اور کفار کا استہزاء	○
183	سرمایہ دارانہ ذہنیت کی عکاسی	○
184	انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت قرآن میں	○
185	انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت حدیث میں	○
187	بخل کے حرکات	○
188	مال کی محبت	○
189	فقر کا خوف	○



192	بخل کی مذمت قرآن میں	○
193	بخل کی مذمت حدیث میں	○
196	انفاق فی سبیل اللہ کے آداب	○
196	رضائے الہی کا حصول	○
198	خلوص نیت	○
200	پسندیدہ مال کا خرچ کرنا	○
202	احسان جتلانے اور دل آزاری کی ممانعت	○
205	میانہ روی اختیار کرنا	○
208	سائل سے نرمی کا سلوک کرنا	○
209	کفار کا قیامت کا استہزاء اور اس کا جواب	○
210	قرب قیامت کی نشانیاں	○
211	امام مہدی علیہ السلام کا خروج	○
214	دجال کا خروج	○
216	حیاتِ خضر	○
217	دجال مکہ و مدینہ میں داخل نہ ہوگا	○
219	دجال کی ہلاکت	○
219	نزول عیسیٰ علیہ السلام	○
224	خروج یا جوج و ماجوج	○
224	قرآن میں یا جوج ماجوج کا ذکر	○
228	سورج کا مغرب سے طلوع ہونا	○
232	سورج کے مغرب سے طلوع کرنے کی حکمت	○

233	خروج دلبۃ الارض	○
233	وقتِ خروج اور جائے خروج	○
236	شکل و ماہیت	○
237	خروج نار	○
239	نخہ اولیٰ	○
241	نخوں کی تعداد	○
242	تین نخوں کے قائلین کے دلائل	○
244	دو نخوں کے قائلین کے دلائل	○
247	سورۃ یس ایات ۵۱ تا ۶۷	○
249	نخہ، موت و حیات دونوں کا سبب ہوگا	○
249	آیت کی لغوی تشریح	○
250	معنی آیت	○
250	ایک شبہ کا ازالہ	○
251	دو نخوں کے درمیان وقفہ	○
252	وقوع قیامت اور کفار کا داویدا	○
253	عذاب قبر کا ثبوت قرآن سے	○
253	عذاب قبر کا ثبوت حدیث سے	○
256	احادیث سے عذاب قبر پر استدلال	○
258	عذاب قبر کی نفی پر دلالت کرنے والی آیات کا صحیح مفہوم	○
259	عذاب قبر کی نفی پر عقلی دلائل کا جواب	○
260	عذاب قبر روح کو ہوگا یا روح مع الجسد کو	○

261	اموات قبروں میں دنیا والوں کے لئے دعائیں کرتے ہیں	○
263	سماع موتی کا ثبوت قرآن سے	○
268	سماع موتی کا ثبوت حدیث سے	○
276	سماع موتی کے عدم جواز پر دلائل کا جواب	○
282	وقوع قیامت اور کفار کی حسرت میں اضافہ	○
284	قیامت کا اچانک وقوع پذیر ہونا	○
284	کیفیت نشور	○
286	شفاعت کبریٰ	○
291	یوم حساب کی کیفیت	○
292	دیدار الہی	○
294	پل صراط	○
295	شفاعت برائے دخول جنت	○
296	جنت کے اوصاف	○
298	جنت کے بازار	○
299	دخول نار کی کیفیت	○
301	سب سے آخری جنتی	○
301	جہنم کی کیفیت	○
302	اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت	○
303	قیامت عدل و انصاف کا دن ہوگا	○
304	شغل کا معنی و مفہوم	○
307	مومنوں کی عظمت شان اور ان پر انعامات الہی	○

307	ازواج کی تخصیص کی وجہ	○
308	ظل کا معنی اور مفہوم آیت	○
310	اریکہ کا معنی و مفہوم	○
311	سب سے بڑی نعمت دیدار الہی اور سلام الہی ہوگا	○
313	کفار کی سوء منزلت اور مسلمانوں سے الگ ہونا	○
315	مشرکین کی تبلیت اور لا جواب کرنا	○
316	ایک شبہ کا ازالہ	○
317	عہد حالی	○
317	عہد مقالی	○
320	شیطان کی عبادت کا معنی	○
322	آیت کا مدعا	○
222	اعضاء و جوارح کی گواہی	○
326	اللہ تعالیٰ کی قدرت	○
329	سورۃ یس آیات ۶۸ تا ۸۳	○
331	تنکیس کا معنی و مفہوم	○
331	انسانی زندگی کے مختلف مدارج سے توحید پر استدلال	○
333	انبیاء و علماء ارزل العمر نہیں ہوتے	○
334	شعر کا لغوی و اصطلاحی مفہوم	○
335	کیا رسول اللہ شاعر ہیں؟	○
337	قرآن شعر نہیں ہے	○
338	شاعری اور نبوت دو الگ اصناف ہیں	○

338	شاعر اور نبی کے کلام کا امتیازی فرق	○
340	شاعری رسول کے شایان شان نہیں ہے	○
341	حضور ﷺ کے موزوں و مقفی کلام کی توجیہ	○
343	حضور ﷺ کا بطور تمثیل اشعار پڑھنا	○
346	حضور ﷺ کا اشعار سننا	○
351	صحابہ کرام کے اشعار	○
353	اشعار کا حکم	○
355	قرآن کتاب رشد و ہدایت	○
356	نزول قرآن کا مقصد	○
357	توحید پر مشاہداتی دلائل	○
358	ملکیت میں اصل اللہ تعالیٰ کی دین ہے	○
359	کفران نعمت اور کفر و شرک	○
363	من دونہ کا مصداق کون ہے؟	○
364	تدعون بمعنی تعبدون ہے	○
365	من دون اللہ کا مصداق اصحاب قبور نہیں	○
367	من دون اللہ سے اصحاب قبور مراد لینا صحیح نہیں	○
368	مومن بتوں کو سب و شتم کیا کرتے تھے	○
369	بت اور ان کے عابد قیامت کے روز ایک دوسرے پر لعنت کریں گے	○
371	مکہ میں قبر پرستی کا رواج نہ تھا	○
371	کفار اور ان کے معبود جہنم کا ایندھن ہوں گے	○
373	کیا وہ، سواع، یعوث، یعوق و نسر قوم نوح کے صالحین تھے؟	○



377	عرب لات مناة اور عزی کی عبادت کرتے تھے	○
382	عرب در حقیقت شیطین کی عبادت کرتے تھے	○
	اولئک الذین یدعون یتغون الی ربهم الوسیلہ سے	○
385	مراد عیسیٰ و عزیز علیہما السلام نہیں ہیں	
388	حضور کی دلجوئی اور عظمت رسول	○
389	ابتدائے آفرینش سے بعثت پر استدلال	○
390	سبب نزول	○
392	تخلیق انسانی سے بعثت پر استدلال	○
392	منکرین بعثت کی دو اقسام	○
396	ضدین کے ایک دوسرے سے خروج سے استدلال	○
397	زمین و آسمان کی تخلیق سے بعثت پر استدلال	○
399	کن فیکون کا معنی	○
400	اللہ تعالیٰ کا کلام اصوات و حروف کا محتاج نہیں ہے	○
402	حضور کا لفظ کن پر تصرف	○
403	آصف برخیا کا کن پر تصرف	○
404	اولیاء اللہ کا ”کن“ پر تصرف	○
405	سبحن کا معنی و مفہوم	○
406	تسبیح کا معنی	○
407	اللہ تعالیٰ سبحن ہے	○
408	تسبیح و تحمید کی فضیلت	○
411	ماخذ و مراجع	○
	☆☆☆	

## انتساب

اپنے پیر و مرشد ضیاء الامت جناب جسٹس  
پیر محمد کرم شاہ الازہری کے نام جن کی علمی، ادبی اور  
روحانی ضیاء پاشیوں سے ہزاروں بندگان خدا مستفید ہوئے۔  
اپنے والدین کریمین کے نام جن کی علم دوستی، تربیت، خلوص، اور  
دعاہائے نیم شبی کی بدولت بندہ ناچیز قلم و قرطاس اٹھانے کے قابل ہوا۔  
گر قبول افتدز ہے عز و شرف

شیخ محمد شفیق

## عرض مصنف

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس ذات نے ہمیں اشرف المخلوقات میں پیدا فرمایا، اپنے محبوب نبی آخر الزمان رحمت دو عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں پیدا فرما کر ہم پر احسان عظیم فرمایا، اس پر مستزاد یہ کہ ہمیں دین متین کی سمجھ بوجھ عطا فرما کر اس کی خدمت کی حتی المقدور توفیق عطا فرمائی، ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ مجھ جیسا کوتاہ ہمت و بے بضاعت اس کار عظیم کا متحمل نہیں ہو سکتا، علمائے اعلام نے اپنی اپنی زندگیاں اس کے اسرار و رموز کی پردہ کشائی کرنے، اس میں موجود دقائق، علوم و حکم اور معارف کو سمجھنے اور اپنے اپنے فنی ذوق کے مطابق ان پر روشنی ڈالنے میں صرف کیوں اس کے باوجود وہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور حق کیوں کرا دیا ہو سکتا ہے خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

”و لو أن ما فی الأرض من شجرة أقلام و البحر یمد من بعده سبعة أبحر ما

نفدت کلمات اللہ ان اللہ سمیع علیم“

اور اگر زمین میں موجود سارے درخت قلمیں بن جائیں اور سارے سمندر سیاہی اور اس کے بعد سات سمندر مزید، تو بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے بے شک اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہے بندہ ناچیز کو اس کار عظیم کا مکلف استاذ العلماء مفتی خالد محمود خالد عم فیوضہم مہتمم ادارہ معارف القرآن کراچی نے ایک نیک دل خاتون کی ایما پر بنایا، بندہ ناچیز کو اپنی علمی کم مانگی بلکہ بے بضاعتی کے باوجود سر تسلیم خم کرنا پڑا، قبلہ مفتی صاحب نے کمال شفقت کرتے ہوئے نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ رہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دیا، الابریری بھی میرے حوالے کی اور مطلوبہ

کتب کی عدم موجودگی کی صورت میں خرید فرمادیں، فجزا ہم اللہ خیر جزاء۔

اس کتاب کی تیاری اور اس کے منصہء شہود پر آنے میں میرے ساتھ جن دیگر افراد نے تعاون کیا ان میں میرے نہایت ہی مہربان اور مخلص بھائی جناب علامہ مولانا عبد الحمید نورانی، مولانا عبد الرحمن صدیقی نورانی، مولانا فخر الدین، برادر محترم مولانا وسیم شوکت صاحب ہیں جنہوں نے نہ صرف کئی ایک کتب فراہم کیں بلکہ میرے حوصلوں کو بھی جلا بخشی، میں ان سب کا مشکور ہوں، جناب برادر صغیر الحافظ والقاری علامہ غلام حسین سیفی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے بالخصوص اس کتاب کو منصہء شہود پر لانے کے لئے بے پناہ کوششیں کیں، میں جناب ڈاکٹر محمد صحبت خان کو ہائی صاحب اور جناب علامہ مولانا عبدالستار السعیدی عم فیوضہم کا بھی بے حد ممنون احسان ہوں جنہوں نے تقاریظ لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی، اور جناب الحاج محمد الیاس اور جناب الحاج محمد رفیق صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ رضویہ چکسواری آزاد کشمیر کا بھی شکر گزار ہوں بالخصوص عزیزم محمد مقصود تابش کا جس کے مالی تعاون سے یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہوئی، اس موقع پر اگر میں اپنے محترم و محترم، و مربی و محسنی برادر اکبر جناب علامہ والقاری عبدالرؤف آزاد کا شکر یہ ادا نہ کروں تو بہت بڑی زیادتی ہوگی جنہوں نے میری تربیت کی، علوم دینیہ کے حصول کی طرف مائل کیا، ہر موقع پر میری حوصلہ افزائی کی اور مجھے اس مقام تک پہنچانے میں ان کا سب سے زیادہ حصہ ہے فجزا ہم اللہ أحسن الجزاء۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ذات پاک میری اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے ذریعہ نجات اور میرے اور میرے والدین و اساتذہ کیلئے صدقہء جاریہ بنائے اور مجھے دین اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العلمین



## تقریظ

از علامہ مولانا ڈاکٹر محمد صحبت خان کوہاٹی مدیر ماہنامہ کاروان قمر کراچی

باسمہ الکریم

سورہ یسین اس اعتبار سے کلام رب العلمین کی سب سے ممتاز سورت ہے کہ اسے جان دو عالم ﷺ نے قلب القرآن کا لقب عطا فرمایا، پھر اس کے اجر و ثواب کو اس شان سے بڑھایا کہ فرمایا: ”من قرأ یس کتب الله بقرأتها قرآنہ القرآن عشر مرات“ جس نے ”یس“ کی تلاوت کی اس کی قرأت سے اللہ تعالیٰ دس بار قرآن پاک کے پڑھنے کا ثواب لکھ دیتا ہے

سورہ یس بیماروں کے لئے شفا، دردمندوں کے لئے دوا، قریب المرگ لوگوں کے لئے آسانی کا وسیلہ اور تلاوت کرنے والوں کے لئے اجر و ثواب کا ذخیرہ ہے

اس منفرد، ممتاز، اجر و ثواب سے بھرپور، معانی و معارف سے معمور سورت کے تعارف، اس کے مختلف ناموں کی پہچان اس میں بیان شدہ مضامین، اس کا معنی و مفہوم، اس کی تفسیر و تشریح اور اس کے متعلقات کی تعبیر و تفصیل پر مشتمل ہمارے عزیز شفیق العلماء، حضرت مولانا شیخ محمد شفیق کشمیری مدظلہ العالی نے پیش نظر کتاب ”البيان فی تفسیر قلب القرآن“ تالیف فرمائی اور خواہش ظاہر کی کہ یہ خطا کار اس پر کوئی تبصرہ کرے ان شاء اللہ جب یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئے گی تو ہم بصد شوق ”ماہنامہ کاروان قمر“ میں اس پر تبصرہ کریں گے اس کی افادیت کو اجاگر کرنے کے لئے اشتہار دیں گے اور اس پیام محبت کو عام کرنے میں اپنا حصہ ملائیں گے شائد اس طرح کچھ حق ادا ہو پائے، ورنہ اس علمی شاہکار پر ہم جیسا بے علم اور اس سے زیادہ بے عمل بھلا کیا رائے دے سکتا ہے، سچ اور حق تو یہ ہے کہ فاضل مولف نے جن بلند



پایہ کتب تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ سے استفادہ کیا ہے ان میں سے بیشتر کی تو ہم نے آج تک زیارت بھی نہیں کی، ان کا مطالعہ تو بہت دور کی بات ہے اللہم زد فزد

یہ کتاب ہمارے استاذ ذی شان علامہ مفتی خالد محمود خالد صاحب دامت فیوضہم کے حکم پر کسی سعادت مند خاتون کی تحریک پر لکھی گئی، کریم مولا سورہء یسین کی برکتوں سے انھیں مالا مال فرمائے۔ آمین

مولانا محمد شفیق میرے قریبی دوست مولانا عبدالرؤف آزاد کے برادر صغیر ہیں یہ ان کا صدقہ جاریہ بھی ہیں، ملک کی ممتاز دینی درسگاہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف سرگودھا کے فاضل ہیں اور اس میں مولانا آزاد کی محنتیں امنگیں، کاوشیں اور خدمتیں شامل ہیں انھیں اپنے عظیم بھائی کی ہر نیکی کا اجر مل رہا ہے اور ان شاء اللہ ملتا رہے گا، میں اس عظیم کتاب پر اظہار رائے کے لئے کبھی تیار نہ ہوتا، مگر مولانا آزاد کی عقیدتوں اور محبتوں اور ”قمر الاسلام“ کی نسبتوں نے اسیر کر رکھا ہے باوجود کوشش کے مجھ سے انکار نہ ہو سکا، حالانکہ جس محنت اور محبت سے انھوں نے یہ علمی اور تحقیقی کام مکمل کیا ہے میرا جی چاہتا ہے انھیں اس انداز سے داد دوں کہ وہ خوش ہو کر اس سے بڑھ کر دینی خدمات انجام دینے کے لئے متحرک ہو جائیں۔

بلاشبہ قرآن کریم تمام علوم کا جامع ہے اس سمندر علم و عرفان میں جو شخص جس قدر غوطہ زن ہوتا ہے اپنے مطلب کے موٹی ڈھونڈ لیتا ہے، فاضل مؤلف نے بھی سورہء یس کی برکت سے بے شمار کتابوں کو کھنگھالا اور انھیں قدم قدم پر علمی جواہرات حاصل ہوئے۔

میں سارا مسودہ تو نہ دیکھ پایا جہاں کہیں سے پڑھا معلومات میں اضافہ ہوا، زبان سادہ اور سلیس ہے کہیں کہیں جملے یہ احساس دلاتے ہیں کہ پختہ کار قلم نے انھیں نہیں لکھا، مگر جو معلومات یکجا کی گئی ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کر پاتا، مثلاً صفحہ نمبر ۴۴ پر ”سورہء مذکور کا جدا گانہ انداز“ والا پیرا گراف پوری طرح سمجھ نہ آیا۔

میری دعا ہے کہ پاک اور فیاض پروردگار جل جلالہ اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کے طفیل

میرے عزیز کی اس کاوش کو قبولیت کا شرف بخشے پھر اسے اپنے بندوں کے لئے نافع بنائے موافق  
کو دونوں جہانوں کی سرفرازی عطا فرمائے۔ آمین  
میری دعا ہے کہ رب ذو الجلال والاكرام برادر موالانا شیخ محمد شفیق سلمہ اللہ القدر کو سورہ  
یا سمن کے علاوہ سورۃ الفاتحہ، سورۃ الملک، سورۃ الرحمن، سورۃ واقعہ، سورۃ الکوثر کی اسی شان سے  
تفسیر لکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین

ر السلام مع الاكرام

محمد صحبت خان کوہاٹی

ماہنامہ کاروان قمر دار العلوم قمر

الاسلام سلیمانیہ پنجاب کالونی کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى خلق الانسان فى أحسن تقويم ، و جعل تاج  
الخلافة على رأسه الى يوم الدين ، و أرسل لهدايته الأنبياء و  
المرسلين بالصحف و الكتب و البراهين ، و الصلاة و  
السلام على صاحب يس خاتم الأنبياء و المرسلين  
المبعوث الى الخلق كافة بشيرا و نذيرا و رحمة للعالمين  
أنزل عليه القرآن فيه هدى و رحمة للعالمين۔

اما بعد: اللہ عزوجل نے جب اپنی حکمت کاملہ سے تخلیق انسان کا ارادہ فرمایا تو اسکی تخلیق سے  
قبل اس کی مادی ضروریات کو پورا کرنے کا بندوبست بھی فرمادیا، زمین و آسمان کو پیدا فرما کر سورج ،  
چاند، ستاروں، سیاروں، کوہساروں، مرغزاروں، کوہ و دمن، صحرا و دریا، معدنیات و نباتات، جمادات  
و حیوانات، الغرض انسان کی ضرورت کی ہر شے کو پیدا فرما کر انسان کے لئے مسخر کر دیا اور انسان کی  
خدمت کے لئے اسے مامور کر دیا، اور انسان کو پیدا فرما کر اس کا وظیفہ، حیات اپنی عبادت کو قرار دیا،  
ارشاد ربانی ہے [ و ما خلقت الجن و الانس الا ليعبدون ] میں نے جن و انس کو فقط اپنی  
عبادت کے لئے پیدا فرمایا ، یعنی انسان کو پیدا فرمانے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان صرف اپنی  
مادی ضروریات و خواہشات کی تکمیل کے لئے ہی سرگرداں رہے بلکہ اس کی زندگی کا مقصد وحید  
اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کی نیابت کرتے ہوئے اس کے نظام کو نافذ کر کے خلافت فی الارض کا  
فریضہ سرانجام دینا ہے خود اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرماتے ہوئے  
فرشتوں سے فرمایا تھا [ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ] میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں  
جو زمین میں میری تعلیمات و منشاء کے مطابق اپنا نظام حیات چلائے گا جس کا چلنا، پھوٹنا، اٹھنا، بیٹھنا،  
کھانا پینا، سونا، جاگنا، انفرادی و اجتماعی، عائلی و معاشرتی، سیاسی و سماجی، معاشی و بین الاقوامی معاملات

98155

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>



، الغرض زندگی کا ہر قدم میری تعلیمات و ارشادات کے مطابق ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا کہ یہ انسان مرور وقت کے ساتھ ساتھ تعلیمات الہی سے دور ہوتا رہے گا، راہ راست سے بھٹک جائے گا، احکامات الہی کو پس پشت ڈال دے گا، اوامر و نواہی کی پراہ نہیں کرے گا، اخلاقی بگاڑ کا شکار ہو جائے گا، اس کے عقائد متزلزل ہو جائیں گے، وہ ہوا و ہوس کا شکار ہو جائے گا، فسق و فجور، بے حیائی و عریانی، کفر و شرک، بدعت و ضلالت، اخلاق رزیلہ و افعال سیئہ کی وادی میں بھٹک جائے گا، لہذا اس ذات بابرکات نے اپنی کمال حکمت سے انبیاء و رسل کی بعثت کا بھی بندوبست فرمالیا جو وقتاً فوقتاً بندگان خدا کی اصلاح اور انھیں راہ راست پر لانے کے لئے تشریف لاتے رہے، بھٹکے ہوؤں کو منزل مقصود کا پتہ دیتے رہے، گم کردہ راہوں کو منزل آشنا کرتے رہے، کفر و شرک کی اندھیری وادی میں ٹامکٹوئیاں کھانے والوں کو توحید و رسالت کی شاہراہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرماتے رہے، اور گمراہی و ضلالت میں پڑے ہوؤں کو توحید کے نور سے آشنا کرتے رہے، یہ انبیاء و رسلان عظام اپنے اپنے وقتوں میں اپنی قوموں کو ہدایت فرماتے رہے، اللہ تعالیٰ کے احکامات ان تک پہنچاتے رہے، انھیں اخلاقی و دینی اور روحانی مفاسد سے پاک کرتے رہے، یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ہمارے نبی نبی آخر الزمان فخر کائنات سرور عالم رحمۃ اللعالمین حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس تک پہنچ کر اختتام پذیر ہو گیا، اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا آخری پیام بندگان خدا کی ہدایت کے لئے قرآن حکیم کی صورت میں نازل ہوا اور دین اپنی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اپنی انتہا کو پہنچ گیا، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں یہ اعلان فرمادیا

[اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي و رضيت لكم

الاسلام دينا]

آج میں نے تم پر اپنا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا،

گویا یہ اعلان کر دیا کہ دین اسلام اپنے تمام تقاضوں کے مطابق مکمل ہو گیا ہے اب اس صحیفہء رشد و ہدایت کے بعد کسی دوسرے دین، کسی دوسری شریعت، یا کسی دوسری کتاب ہدایت کی کوئی ضرورت بلکہ کوئی گنجائش ہی باقی نہیں ہے، یہ دین مکمل ہو چکا ہے انسانی زندگی سے متعلق تمام اصول و قوانین اس صحیفہء رشد و ہدایت میں رکھ دئے گئے ہیں جن کی روشنی میں تا قیام قیامت راہنمائی حاصل کی جاسکے گی گویا قرآن کی صورت میں دیا گیا آئین و دستور حیات ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے [لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین] ہر خشک و تر کا علم اس کتاب مبین میں رکھ دیا گیا ہے

عبادات، معاملات، مناکحات، اخلاقیات، اقتصادیات، سیاسیات، مخاصمات، بیوع و شراعی، جہاد، عائلی و بین الاقوامی معاملات، الغرض انسان کی ضرورت کی ہر ہر شے سے متعلق معلومات و ہدایات اس کتاب مبین میں رکھ دی گئی ہیں اور ہر لحاظ سے دین کو مکمل کر کے پایہء انتہا کو پہنچا دیا گیا ہے، لہذا جو کوئی بھی اس کے بعد اس کتاب کو چھوڑ کر کسی اور جگہ سے راہنمائی لے گا قوانین مرتب کرے گا، نظام حیات تشکیل دے گا، آئین و دستور مرتب کرے گا تو ہرگز اس سے قبول نہیں کئے جائیں گے، [و من یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه] جو اسلام کے علاوہ کسی اور (آئین، قانون، دستور العمل، رسم و رواج) کو اپنائے گا تو یہ اس سے قبول نہیں کئے جائیں گے۔

قرآن حکیم کا موضوع چونکہ انسان ہے اور اس میں انسان ہی کی راہنمائی کی گئی ہے اور اسے یہ باور کروایا گیا ہے کہ اسے دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے احکامات کی پاسداری ہے، ساری کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کے حکم کے تحت مسخر ہے اور وہی اس کا خالق و مالک ہے اور کائنات کی ہر شے اسی کے سامنے سر بسجود ہے، اور اپنی اپنی شان کے مطابق اس کی حمد و ثنا میں رطب اللسان ہے [یسبح له ما فی السموات و الارض] زمین و آسمان کی ہر شے زبان حال سے اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تحمید کرتی ہے اور اسی کے سامنے سرنگوں ہے، لہذا انسان کو بھی اسی خالق و مالک کی وحدانیت والوہیت پر ایمان لا کر اس کے احکامات کی پاسداری کو



اپنے لئے حرز جان بنالینا چاہئے اور مظاہر کائنات کے سامنے اپنی جبین نیاز کو جھکانے، ان سے استمداد کرنے، انکی عبادت کرنے اور انھیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے اجتناب کرنا اور یوم آخرت پر ایمان لانا چاہئے جو عدل کامل کا دن ہوگا اور ہر شخص کو اپنے کئے کی جزا و سزا مل کر رہے گی، اس دن نہ تو حسب و نسب کام آئے گا اور نہ ہی جاہ و جلال اور مال و دولت، عزیز و اقارب، دوست احباب، رشتہ دار سب اپنی اپنی فکر میں ہوں گے، کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اذن دے رکھا ہوگا، اور شفاعت بھی ان کی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہوں گے اور اس کے رسولوں اور ان پر اترنے والی کتابوں پر ایمان لا کر ان پر عمل پیرا ہوئے ہوں گے، نجات کا دار و مدار فقط انبیاء کرام کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔

قرآن کئی ایک علوم و فنون کا گنجینہ ہے، علماء کرام نے اپنے اپنے ذوق سلیم اور فنی دلچسپی کے مطابق ہر ہر علم پر مفصل کتب تحریر کی ہیں اور تحقیقی مقالات و جات تحریر فرمائے ہیں، رموز و دقائق کی پردہ کشائی فرمائی ہے، لیکن سب سے زیادہ جس چیز پر قرآنی آیات میں زور دیا گیا ہے وہ ایمانیات ہے، بلکہ ملی آیات میں تو توحید باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی خالقیت و مالکیت، یوم آخرت کے متحقق ہونے، حساب و کتاب کے برحق ہونے، جنت و دوزخ کے ثبوت، اعمال صالحہ پر اجر و ثواب اور افعال سیئہ و اعمال رزیلہ پر عذاب الہی، رسلان عظام و انبیاء کرام کی رسالت و نبوت، انکے احوال، مساعی جمیلہ، سابقہ امم کے احوال، ان پر ہونے والے انعامات و اکرامات، انکی پے در پے نافرمانیاں، تکذیب انبیاء و انکار قیامت، کتب و صحائف کی تردید پر ان کی ہلاکت اور عذاب الہی کا ذکر ملتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و خالقیت اور الوہیت باری تعالیٰ کے ثبوت کے لئے مظاہر کائنات کو بطور ثبوت پیش کیا گیا ہے اور انسان کو عقلی و نقلی، آفاقی و انفسی دلائل کے ذریعے راہ راست پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مدنی سورتوں میں عبادات، معاملات، مناکحات، مخاصمات، وراثت، سیاسیات، معاشیات، اخلاقیات، عائلی و فوجداری قوانین اور جہاد سے متعلق احکامات کو زیر بحث لایا گیا ہے اور انسان کی راہنمائی کی گئی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایمانیات کو اسلامی عمارت میں بنیاد کی حیثیت حاصل

ہے، اور باقی معاملات کو عمارت کے ڈھانچے کی حیثیت حاصل ہے اگر بنیاد ہی درست نہ ہو تو عمارت صحیح سمت نہیں اٹھائی جاسکتی اور نہ ہی وہ عمارت پائیدار ہو سکتی ہے، اسی لئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بندہء مومن کے لئے ایمان کو مستحکم کرنے کی تلقین فرمائی ازاں بعد احکامات کا مکلف فرمایا۔

سورہ یس بھی چونکہ مکی سورتوں میں سے ایک مہتمم بالشان سورت ہے اس میں انھیں تین چیزوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے یعنی توحید و رسالت اور یوم آخرت، اور اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ کتاب مبین اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی ہے اس میں بیان کردہ احکامات من جانب الہی نازل شدہ ہیں اور انہیں بنیادی اعتقادات کے ثبوت کیلئے دلائل عقلیہ و نقلیہ، نفسی و آفاقی کا سہارا لیا گیا ہے نیز سابقہ امم کے احوال، سورج چاند ستاروں کی حرکت، گردش لیل و نہار، سمندری جہازوں کا پانی کی موجوں سے اٹکلیاں کرتے ہوئے ٹنوں و زن اٹھا کر دور دراز ملکوں تک لے جانا، خشک زمین میں حیات کا جاری کرنا، اور پھلوں، پھولوں سے لد جانا وغیرہ آفاقی دلائل سے توحید باری تعالیٰ کو ثابت کیا گیا ہے اور ایک سلیم فطرت آدمی کو ان دلائل کی روشنی میں توحید باری پر ایمان لائے بغیر چارہء کار ہی نہیں رہتا اور وہ ناچار اللہ تعالیٰ کی توحید والوہیت اور یوم آخرت پر ایمان لے آتا ہے اس کے ساتھ ساتھ منکرین یوم آخرت کے اعتراضات کا بھی تسلی بخش جواب دے دیا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ کی رسالت میں شک و شبہ کرنے والوں، آپ ﷺ کو شاعر، و مجنون ہونے کا الزام لگانے والوں کی تردید کر دی گئی ہے، اور قرآن مجید کو کتاب اللہ تسلیم نہ کرنے والوں کے شکوک و شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے اسی وجہ سے اس سورہ مقدسہ کو قلب قرآن کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

سورہ یس کی اسی اہمیت اور طرز استدلال کے پیش نظر ضرورت تھی کہ اس سورہ مقدسہ کو تفسیر و تشریح کے لئے منتخب کیا جائے، تاکہ عصر حاضر کے مادہ پرست انسان کو جو دردِ در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہے توحید و رسالت و یوم آخرت اور ان کے تقاضوں کو بھلا کر مادہ پرستی، فسق و فجور، بے راہ روی، ظلم و تعدی، اخلاقی بگاڑ، معاشرتی ناہمواری اور سیاسی عدم تحفظ کا شکار ہو چکا ہے کو آسمانی ہدایت سے آگاہ کیا جاسکے اور وہ آفاقی ہدایت سے اکتساب فیض کر کے قرب خداونی حاصل کر



سکے، اور دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

امت مسلمہ اس وقت جس نازک صورتحال سے دوچار ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے قرآن مجید سے اکتساب فیض کرنے اور اسکے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کو ترک کر دیا ہے اسلامی اقدار، روایات، رسوم و رواج اور شعائر اسلامی کو پس پشت ڈال دیا، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس قدرت، ملکیت، رزاقیت، الوہیت اور حاکمیت کو بھلا دیا ہے، رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کی زحمت گوارا نہیں، اسوہء حسنہ کے مطابق زندگیوں کے گزارنے کو قدامت پسندی کہا جانے لگا ہے، شمشیر و سناں کی جگہ طاؤس و رباب نے لے لی ہے، اتباع رسول ﷺ کی جگہ اتباع یہود و نصاریٰ پر فخر کیا جانے لگا ہے، رنگ و نسل زبان و علاقائیت وجہ افتخار ٹھہری، یوم آخرت کو بھلا دیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان جو ادج ثریا پر متمکن تھے تحت اثریٰ میں گر گئے، ضرورت اس امر کی ہے کہ دوبارہ اس قرآن کی طرف رجوع کیا جائے، اسے الماریوں کی زینت بنانے، گھروں میں خیر و برکت کے لئے رکھنے اور قسمیں اٹھانے کے بجائے اس کے معانی کو سمجھ کر اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر منزل مقصود تک پہنچا جائے، بقول اقبال۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

اس سورہ مبارکہ کی تفسیر و تشریح کی محرکہ ایک محترمہ ہیں جن کی ایماء پر استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی خالد محمود خالد صاحب عم فیوضہم نے اس بارگراں کی ذمہ داری بندہ ناچیز کے کندھوں پر ڈالی، اور آپ ہی کی شفقت، ہدایت، راہنمائی اور تعاون سے ہی میں اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے قابل ہوا آپ ہی نے مطلوبہ کتب فراہم کیں، بلکہ لائبریری بھی میرے حوالے فرمائی، اور لائبریری میں کتب کی عدم دستیابی کی صورت میں خرید فرمائیں فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

اس کتاب میں موجود بعض مباحث کی طوالت محترمہ مذکورہ کی ایماء پر ہوئی ہے، جبکہ تمام اصل مباحث اور تحقیقات بندہ ناچیز کی اپنی ہیں جن کی ذمہ داری بھی بندہ ناچیز ہی پر ہے محترمہ، مذکورہ اور قبلہ مفتی صاحب اس سے بری، الذمہ ہیں۔

کتاب کی ترتیب و تدوین میں امہات الکتب کو پیش نظر رکھا گیا ہے، کتب تفسیر میں جامع البیان للطبری، الجامع لأحكام القرآن للقرطبی، تفسیر القرآن العظیم لابن أبی حاتم، تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر، معالم التنزیل للبغوی، تفسیر الخازن، التفسیر الکبیر للامام رازی، احکام القرآن لابن عربی، احکام القرآن للجصاص، مدارک التنزیل للنسفی، البحر المحیط لابی الحیان الاندلسی، حاشیۃ الصاوی علی الجلالین، حاشیۃ الجمل علی الجلالین، تفسیر ابی سعود، روح المعانی، روح البیان، فی ظلال القرآن، تفہیم القرآن، اور ضیاء القرآن وغیرہا کتب تفسیر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اور کتب حدیث میں صحاح ستہ، مشکوٰۃ شریف، الترغیب والترہیب، فتح القدیر، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، شرح صحیح مسلم للنوای، وللسعیدی، اکمال المعلم، اکمال اکمال المعلم، مرقاۃ المفاتیح اور اشعة الممعات وغیرہا کتب سے استفادہ کیا گیا ہے

سیرت و رجال کی کتب میں الاستیعاب لابن عبد البر، اسد الغابہ، الاصابہ، جواہر البحار، الشفاء للقاضی عیاض، نسیم الریاض، مواہب اللدنیہ، میزان الاعتدال، تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب وغیرہا کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

متن قرآن کا ترجمہ سوائے ابتدائی چند آیات مقدسہ کے ضیاء القرآن سے ماخوذ ہے اسی طرح دوران تفسیر آیات کا ترجمہ بھی ضیاء القرآن ہی سے ماخوذ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ بندہ ناچیز کی اس حقیر سی کوشش کو اپنی جناب میں قبول فرما کر اسے میرے لئے، میرے والدین کے لئے، میرے اساتذہ کے لئے، اسے پڑھنے والوں کے لئے اور میرے ساتھ کسی بھی طرح کا تعاون کرنے والوں اور اس کتاب کو منظر عام پر لانے والوں کے لئے بخشش کا ذریعہ بنائے، اور میری تمام لغزشوں سے درگزر فرما کر قیامت کے روز حضور ﷺ کی شفاعت کبریٰ سے بھرہ و فرمائے۔ آمین بجاء النبی الکریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کما یحب ربنا و یرضی۔

أحقر العباد : شیخ محمد شفیق

بسم الله الرحمن الرحيم

## تعارف سورۃ یس

نام:

اس سورت کا نام یس ہے اسے معمر، دافعہ، قافیہ اور قلب قرآن بھی کہا جاتا ہے اس میں پانچ رکوع تراسی آیات، سات سو انتیس کلمات اور تین ہزار حروف ہیں۔

زمانہ نزول:

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے مضامین سورت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نزول اس وقت ہوا جب کفار مکہ شدت سے اسلام کا انکار کرنے لگے اور سلیم الفطرت لوگ اسلام کی حقانیت پر آگاہ ہو کر اسلام کو اپنے گلے سے لگانے لگے۔

سورت مذکور کا جدا گانہ انداز:

اس سورت کے جملے مختصر اور چھوٹے ہیں اور سرتیز ہے فاصلوں کا اختصار اور سر کی تیزی سورت کو ایک خاص مزاج عطا کرتی ہے اور احساسات پر متواتر چوٹیں لگا کر اثر انگیزی میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔ مختلف تصویریں اور مناظر کشی کر کے اس کو مزید مؤثر کیا گیا ہے۔

بنیادی مضامین:

مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کے مضامین بھی وہی توحید، رسالت اور آخرت ہے۔ اس سورت کا بنیادی مقصد ہی عقیدہ کی درستگی ہے یہی وجہ ہے کہ سورت کی ابتدا ہی صدق رسالت کے موضوع سے ہوتی ہے اور بار بار مختلف انداز میں وحی و رسالت اور قیامت کے مضمون کو مختلف پیرائے میں ترغیب و ترہیب کے ساتھ ذہن نشین کرایا گیا ہے اور تکذیب رسالت



دو جی سے باز رکھنے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے تباہ شدہ بستی کا تذکرہ کیا گیا جنہیں رسولوں کے جھٹلانے پر تباہ و برباد کیا گیا تھا۔

### الوحیت و وحدانیت کا اثبات:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی الوحیت کو بڑے زوردار انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور اس پر عقلی و نقلی دلائل و براہین پیش کئے گئے ہیں۔ نفسی و آفاقی دلائل کو پیش کیا گیا اور ساتھ ہی بندہ مومن کا تذکرہ بھی کیا گیا جس نے رسولوں کی تصدیق و صداقت کے لئے بڑے زوردار دلائل پیش کئے اور کفر و شرک کا رد کیا۔ اختتام سورت سے پہلے بھی اس قسم کے دلائل پیش کئے گئے ہیں کہ لوگوں نے ایسی چیز کو معبود بنا لیا ہے جو کسی چیزوں پر ملکیت نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر کو دور کر سکتے ہیں ان کی کیا مدد کریں گے ایسے بے بسوں کو اپنا معبود سمجھ لینا اور ان کی خدائی کی حفاظت کے لئے حاضر شدہ لشکر بن کر رہ جانے کی مذمت کی گئی ہے۔

### اثبات بعث و نشور:

اس سورت میں بعث و نشور کے قضیہ کو بھی بڑی شدت کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے اور اس قضیہ کو سورت کے ابتدائی حصہ، درمیانی حصہ اور آخری حصہ میں مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے ابتدائی حصہ میں بتایا گیا ہے کہ ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ان کے اعمال ہمارے پاس ریکارڈ میں موجود ہیں۔ پھر اصحاب قریہ کا تذکرہ کیا گیا جس میں بندہ مومن کے اجر و ثواب کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ”کہا گیا تو جنت میں داخل ہو جا اس نے کہا کاش میری قوم یہ جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے۔ اور میری عزت افزائی فرمائی ہے“ درمیانی حصہ میں ان کا قول قیامت کب آئے گی؟ اور اس کے جواب کہ وہ صرف ایک چنگاڑ کی انتظار کر رہے ہیں جو انہیں اچانک آ لے گی۔ اور پھر قیامت کا پورا منظر پیش کیا گیا آخر سورت میں پورے منظر کے طور پر اس حقیقت کو پیش کیا گیا۔

## مناظر و مؤثرات کا بیان :-

توحید و رسالت اور اپنی قدرت پر تکوینی دلائل پیش کئے گئے اس کے ساتھ ساتھ قیامت کے مناظر سے کئی ایک مؤثرات اخذ کئے گئے ہیں جن کا ماحول کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ گزشتہ اقوام کی بلاکتوں اور عذاب گاہوں کا تذکرہ ہے دن کا رات میں داخل کرنا اور پھر رات کو دن میں داخل کرنا۔ سورج کا منظر جو اپنے مستہ پر جاری ہے اسی طرح چاند کا منظر جو کئی منازل طے کر کے بوسیدہ خشک کھجور کی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے بھری ہوئی کشتی کا نظارہ جو انسانوں کو ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف لے جاتی ہے یونہی چوپائے جو انسان کے مطیع و فرمانبردار ہیں جسے منظر پیش کئے گئے اور مکذبین جن کی گردنوں میں طوق ڈال دیا گیا ہو اور وہ کسی طرف منہ موڑ ہی نہیں سکتے یونہی اللہ تعالیٰ کا لفظ کن سے ہر چیز جس کا وہ ارادہ فرمائے وجود بخشایہ ساری چیزیں انسانی دل و دماغ پر حیرت انگیز اثرات مرتب کرتی ہیں اور انسان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ واقعی اس کائنات بہت و بود کا ایک خالق و مالک ہے اور تمام اشیاء اسی کے سامنے سراقندہ ہیں۔

## سرمایہ دارانہ ذہن کی عکاسی :

اس سورت میں سرمایہ دارانہ ذہن کی بھی عکاسی کی گئی ہے کہ جب مالدار لوگوں کو راہ خدا میں ناداروں، مفلسوں، یتیموں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے یا اعلائے کلمۃ الحق، اور رفاہی و دینی اداروں پر مال خرچ کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ان لوگوں کو اپنے مال میں حصہ دار بنائیں اور انہیں کھلائیں پلائیں کہ جنہیں اگر اللہ تعالیٰ کھانا پانا چاہتا تو خود ہی انہیں عطا کرتا۔ فی الحقیقت وہ ایسی باتیں اپنی کم فہمی اور بخل کی وجہ سے کرتے ہیں۔ وہ مال پر سانپ بن کر بیٹھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ مال ہمیشہ ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ راہ طاغوت و نمود و نمائش کے لئے اور حزب الشیطان کی خوشنودی کے لئے تو ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال صرف کرنا ان کے لئے وبال جان سے کم نہیں ہے۔ اور کسی غریب و مسکین اور نادار یتیم و بیوہ کی کسمپرسی پر انہیں ذرا بھر رحم نہیں آتا۔

## رسول اللہ ﷺ کو تسلی و تشفی:

اس سورت میں حضور ﷺ کو تسلی بھی دی ہے کہ آپ منکرین و مشرکین کی ایذاؤں اور ان کی تکذیب کی بنا پر دلبرداشتہ نہ ہوں آپ اپنا کام زور و شور سے جاری رکھیں۔ آپ کا کام خواب غفلت میں سوئے ہوؤں کو جگانا ہے اور انہیں راہ حق دکھانا ہے۔ ان کا ایمان لانا نہ لانا آپ کے ذمہ لازم نہیں ہے۔ وہ لوگ جن کے قلوب مردہ ہو چکے ہیں وہ ایمان نہیں لاسکتے۔ اور آپ کا کلام ان پر کارگر نہیں ہو سکتا ہاں البتہ آپ کا رب آپ کے اجر و ثواب میں اضافہ فرماتا رہے گا اور ان پر حجت تمام ہوتی رہے گی۔



## فضائل سورة يس

(۱) اخرج ابوداؤد والنسائی و ابن حبان وغيرهم من حديث

معقل بن يسار يس قلب القرآن لا يقرأها رجل يريد الله واليوم الآخرة الا غفر له اقرأها على موتاكم

(۱۵۰ الاقان في علوم القرآن ص ۳۳۷ ج ۲ النوع الثاني والسبعون في فضائل القرآن فصل ثانی)

ترجمہ: ”یس قلب قرآن ہے اسے جو آدمی بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور یوم آخرت (کی فلاح) کے لئے پڑھتا ہے تو اس کی مغفرت کی جاتی ہے تم اپنے مردوں پر اسے پڑھا کرو“

(۲) اخرج الترمذی والدرمی من حديث انس ان لكل شئین قلبا

و قلب القرآن يس ومن قرء يس كتب الله بقراتها قرانة القرآن عشر مرات  
(۱۵۱ تفسیر ابن کثیر ص ۵۸۱ ج ۳ سورة یس الاقان فی علوم القرآن ص ۳۳۷ ج ۲ النوع الثاني والسبعون فضائل قرآن)  
ترجمہ: ”تحقیق ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یس ہے جس نے یس پڑھی اس کی قرات سے اللہ تعالیٰ دس بار قرآن پاک کے پڑھنے کا ثواب لکھ دیتا ہے“

(۳) طبرانی نے اوسط میں ذکر کیا ہے حضرت علی کی حدیث ہے کہ منافق سورہ

برات، ہود، یس، دخان اور عم یس نکلون حفظ نہیں کر سکتا۔

(۱۵۲ تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۶ ج ۳ سورة یس الاقان فی علوم القرآن ص ۳۳۷ ج ۲ النوع الثاني والسبعون فضائل قرآن)

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا ان فی القرآن لسورة تشفع لقارئها و تغفر لمستمعها الا وهی سورة يس  
تدعی فی التوراة المعمة قبل یارسول الله ما المعمة قال نعم لصاحبها بخیر  
الدنیا و تدفع عنه احوال الآخرة و تدعی ایضا الدافعة و القافية قبل یارسول الله  
و کیف ذالک؟ قال تدفع عن صاحبها کل سوء و تقضی له کل حاجة

(۱۵۳ حاشیہ الجمل علی الجلالین ص ۲۷۲ ج ۶ سورة یس)



قرآن میں ایک سورت ہے جو اپنے قاری کی شفاعت کرے گی سننے والے کی مغفرت کی جائے گی۔ آگاہ ہو جاؤ وہ سورہ یس ہے، اسے تورات میں "معمہ" کہا جاتا ہے۔ کہا گیا یا رسول اللہ "معمہ" کیوں کہا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا کی نعمتوں کو عام کرتی ہے آخرت کے احوال کو دور کرتی ہے۔ اسے دافعہ اور قافیہ بھی کہا جاتا ہے عرض کی گی وہ کیوں؟ تو آپ نے فرمایا یہ اپنے پڑھنے والے سے ہر برائی کو دور کرتی ہے اور اس کی ہر حاجت کو پورا کرتی ہے۔

(۵) حضرت انس سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر سورہ یس کی تلاوت کرتا ہے تو قبرستان والوں کے عذاب میں اس دن تخفیف کی جاتی ہے اور اس کے لئے تمام قبرستان والوں کی تعداد کے مطابق نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔  
(☆ حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۶ ص ۲۷۳ سورۃ یس)

(۶) اخراج الدارمی والطبرانی من حدیث ابی ہریرہ من قرأ یس ابتغاء وجه الله غفر له جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یس کو پڑھا اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

(۷) عن ابی جعفر محمد بن علی قال من وجد فی قلبه قسوة فلیکتب یس فی جام من زعفران ثم یشربه جو شخص سنگدل ہو اسے چاہئے کہ یس کو زعفران کے جام میں لکھے اور پئے۔

(۸) ابن فریس نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک مجنون شخص پر سورہ یس کو پڑھا تو وہ تندرست ہو گیا۔ (☆ تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۰۴ سورہ یس)  
علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یس کا میت کے پاس پڑھنا گویا رحمتوں کے نزول اور حصول برکت کے لئے ہے اور تا کہ اس کے روح نکلنے میں آسانی ہو۔

(☆ تفسیر ابن کثیر ص ۵۸۱ ج ۳ سورۃ یس)

امام رازی لکھتے ہیں اخبار میں وارد ہے کہ حضور ﷺ قریب المرگ شخص کے لئے یس کی تلقین کو مستحب قرار دیتے تھے۔ اور اس کے سر ہانے پڑھنے کو کیوں کہ اس وقت زبان ضعیف

القوة ہوتی ہے اور ظاہری اعضاء کی بنیادیں ساقط ہو رہی ہوتی ہیں لیکن دل چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ماسواہ سے لوٹ جاتا ہے پس اس کے سرہانے پس کا پڑھنا اس کے دل کی قوت میں اضافہ کا باعث بنتا ہے اور اصول تلاش کی تصدیق میں شدت پیدا کرتا ہے اور اس کے لئے شفا کا باعث ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے کلام کا اسرار اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ (۸۱: تفسیر کبیر ص ۳۱۲ ج ۹ سورۃ یس)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَسَّ ① وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ② إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ③ عَلَى

اے سید (عرب و عجم) قرآن حکیم کی قسم بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں (اور)

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ④ تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ⑤ لَتُنذِرَ قَوْمًا

صراط مستقیم (سیدھی راہ) پر گامزن ہیں (قرآن) کو نازل فرمایا ہے عزیز اور رحیم نے تاکہ آپ ڈرا سکیں اس قوم کو

مَا أَنْذَرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ⑥ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَى أَكْثَرِهِمْ

جن کے باپ دادا کو طویل عرصہ سے نہیں ڈرایا گیا اس لئے وہ غافل ہیں۔ بے شک انکے (پیہم کفر و عناد کے

فَهُمْ لَا يُؤْءُ مِنْوْنَ ⑦ إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ

باعث) یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں

إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ

طوق پس وہ انکی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے سرو پر کو نہیں اٹھتے ہیں۔ اور بنادی ہے ہم نے ان کے

سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ⑨

سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے۔

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑩

یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ

آپ تو اسی کو ڈراتے ہیں جو قرآن کی اتباع کرتا ہے اور رحمن سے بن دیکھے ڈرتا ہے

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ⑪ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَى

پس ایسے شخص کو مغفرت اور بہترین اجر کی خوشخبری سنائیں۔ بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم لکھ لیتے ہیں

وَنُكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝

(ان کے ان اعمال کو) جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کو جو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں شمار کر رکھا ہے۔

یس کا معنی و مفہوم:

یس یہ حروف مقطعات میں سے ہے اس کی تفسیر و تاویل میں علماء کی آراء مختلف ہیں میرے نزدیک رائج قول یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے مابین راز ہے لیکن علماء نے یس کی مختلف تفسیریں بیان کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حبشی زبان میں اس کا معنی یا انسان ہے۔ عکرمہ نے ابن عباس سے یہی معنی نقل کیا ہے۔ اور یہی تفسیر سعید بن جبیر، عکرمہ و قتادہ نے کی ہے۔ (زاد المسیر ج ۶ آیت مذکورہ، ابن کثیر ج ۴ ص ۵۸۱ آیت مذکورہ، الجامع الاحکام القرآن جزء ۱۵ ص ۸۵ آیت مذکورہ، تفسیر ابن ابی حاتم آیت مذکورہ، الدر المنثور جزء ۴ ص ۴۲، جامع البیان ج ۲۲ آیت مذکورہ)

۲۔ اس کا معنی یا محمد ہے۔ یہ ابن حنفیہ اور ضحاک کا قول ہے (زاد المسیر ج ۶ آیت مذکورہ، الجامع الاحکام القرآن ج ۱۵ ص ۵، الدر المنثور ج ۲۲ ص ۴۱) علامہ قرطبی نے سعید بن مسیب سے یہ قول بھی نقل کیا کہ اس کی دلیل ”انک لمن المرسلین“ ہے۔

۳۔ اس کا معنی یا راجل ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن آیت مذکورہ، زاد المسیر آیت مذکورہ)

۴۔ یہ اسماء قرآن میں سے ایک اسم ہے۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔

(زاد المسیر آیت مذکورہ)

۵۔ یہ قسم ہے جس سے اللہ رب العزت نے قسم اٹھائی۔ اور یہ اس کے اسماء میں

ایک اسم ہے۔ (زاد المسیر آیت مذکورہ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے حضرت کعب نے فرمایا یہ قسم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے

زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل قسم اٹھائی اور فرمایا اے محمد! ﷺ آپ رسولوں

میں سے ہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن جزء ۱۵ ص ۶ آیت مذکورہ)



علامہ قرطبی نے وراق کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یس سے مراد یاسید البشر کی طرف اشارہ ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء ۱۵ ص ۵ آیت مذکورہ)

میں کہتا ہوں کہ خطاب آپ ہی سے ہے کیونکہ مابعد آیت ” انک لمن المرسلین “ اس پر دلالت کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کی قسم اٹھا کر آپ پر اترنے والی کتاب مبین کی قسم اٹھائی اور آپ کے راہ راست پر ہونے اور آپ کے رسول ہونے کی گواہی دی آپ کی نبوت و رسالت کا اثبات کیا اور راہ راست پر ہونے کو واضح کر کے معاندین کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا۔

### حروف مقطعات کی بحث:

علامہ قرطبی حروف مقطعات کی بحث میں رقم طراز ہیں۔ حروف مقطعات کی تفسیر میں مفسرین مختلف ہیں۔ عامر، شععی، سفیان ثوری، اور ایک جماعت محدثین کے نزدیک یہ قرآن میں اسرار الہی ہیں ہر ایک کتاب میں اللہ تعالیٰ کچھ اسرار ہوتے ہیں اور اس کتاب میں اللہ کے اسرار تشابہات ہیں جن کے علم میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے۔ ان میں کلام کرنا جائز نہیں۔ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں انکی قرأت کرتے ہیں یہ قول ابو بکر صدیق و علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ علامہ سمرقندی نے یہی قول عمر، عثمان اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی نقل کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۴۱)

علامہ قرطبی کی اس عبارت کو علامہ ابن کثیر اور علامہ شوکانی ظاہری نے بھی نقل کیا ہے۔ علامہ شوکانی نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱، فتح القدیر ج ۱ ص ۴۱)

علماء کی اکثریت اسکی تاویل کی قائل ہے۔ اور ان میں پوشیدہ معانی و فوائد کے ملتمس اور پھر انکی تاویل میں مختلف ہیں اور متعدد اقوال کئے ہیں۔ ہم ان میں سے چند معانی کو بیان کریں گے۔

۱۔ یہ اسماء قرآن میں سے ہیں اسے علامہ ابن جریر طبری، ابن کثیر، ابن ابی حاتم اور

علامہ قرطبی نے مجاہد، قتادہ اور زید بن اسلم سے روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۲، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶، تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۳۲، الجامع لاحکام القرآن ج ۱ سورہ بقرہ آیت ۱)

۲۔ یہ فواتح ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا افتتاح فرمایا ہے اسے علامہ ابن

جریر طبری، ابن ابی حاتم، علامہ بغوی، قرطبی اور ابن کثیر نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۳، تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۳۳، الجامع لاحکام القرآن ج ۱، تفسیر بغوی ج ۱، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶)

۳۔ یہ اسماء سور ہیں اسے علامہ ابن جریر طبری، علامہ ابن کثیر اور علامہ قرطبی نے

زید بن اسلم سے روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۳، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳، الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۳ سورہ بقرہ آیت ۱)

۴۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اعظم ہیں۔ اسے ابن جریر طبری، علامہ ابن کثیر اور ابن

ابی حاتم، قرطبی اور قاضی شوکانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۳، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶، تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۳۳، الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۳، فتح القدیر ج ۱ ص ۴۱ سورہ بقرہ آیت ۱)

۵۔ یہ قسم ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے قسم اٹھائی ہے۔ اور یہ اس کے اسماء میں

سے ہیں۔ اسے علامہ ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن کثیر اور علامہ قرطبی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۳، تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۳۳، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶، الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۳ سورہ بقرہ آیت ۱)

۶۔ یہ حروف، اسماء و افعال سے الگ کئے گئے ہیں ان میں سے ہر حرف دوسرے

حرف کے معنی کا غیر ہے۔ یہ قول علامہ ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، قرطبی ابن کثیر اور قاضی شوکانی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۳، تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۳۳، الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۲، فتح القدیر ج ۱ ص ۴۱ سورہ بقرہ آیت ۱)

۷۔ یہ حروف ہجاء موضوع ہیں اسے علامہ ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۲)

۸۔ یہ ایسے حروف ہیں جن میں سے ہر حرف کئی کئی مختلف معانی کو شامل ہے۔ اسے علامہ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور علامہ ابن کثیر نے ربیع بن انس سے روایت کیا ہے کہ، آپ نے الم کی تفسیر میں فرمایا یہ تین حروف ان انتیس حروف میں سے ہیں جو زبانوں پر جاری ہوتے ہیں۔ مگر یہ تینوں حروف اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی نہ کسی اسم کے مفتاح ہیں ان میں سے ہر حرف اسکی نعمتوں اور اقوام کی مدت اور انکی عمروں پر دلالت کرتا ہے۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء پکارتے ہیں اس کے رزق میں زندگی بسر کرتے ہیں پھر اس کا کفر کس طرح کرتے ہیں۔ پس الف اللہ تعالیٰ کے اسم اللہ کی مفتاح و چابی ہے لام اس کے اسم لطیف کی اور میم اس کے اسم مجید کی چابی ہے۔ پس الف اللہ تعالیٰ کی نعمت لام اس کا لطف اور میم اللہ تعالیٰ کا مجد ہے۔ الف ایک سال، لام تیس سال اور میم چالیس سال پر دلالت کرتا ہے۔ ابو محمد نے کہا ربیع بن انس سے اسی طرح مروی ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۵، تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۳۳، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶ سورہ بقرہ: ۱)

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک وہ حروف مجتم جن سے سورتوں کا افتتاح ہوتا ہے کی تاویل میں صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف سے بہت سے معانی پر دلالت کا قصد فرمایا نہ کہ کسی ایک معنی کا جیسا کہ ربیع بن انس نے کہا اگرچہ ربیع بن انس نے ان میں سے صرف تین پر اقتصار کیا۔

علامہ طبری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ان میں سے ہر حرف اس معنی کو بھی شامل ہے جو ربیع نے بیان کیا اور ہر اس معنی کو بھی جسے تمام دیگر مفسرین نے کہا سوائے اس معنی کے جسکو میں نے اہل عرب سے روایت کیا ہے کہ یہ حروف ہجاء ہیں جن کے ذکر نے حروف ہجاء کے اٹھائیس حروف کے ذکر سے مستغنی کر دیا۔ اس تاویل کے ساتھ کہ یہ حروف وہ کتاب کا مجموعہ ہیں جن میں کوئی شبہ نہیں یہ قول خطا اور فاسد ہے۔ کیونکہ یہ تمام صحابہ و تابعین اور بعد کے مفسرین کے اقوال کے خلاف ہے اور ان سے خارج ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۲۲ بقرہ: ۱)

میں کہتا ہوں کہ، حضور ﷺ کا ان حروف کی تفسیر سے اعراض فرمانا اس بات کی طرف



اشارہ تھا کہ یہ حروف کئی ایک مختلف معانی کو شامل ہیں جن کے یہ حروف احتمال رکھتے ہیں اور عقلی طور پر وہ مجال نہ ہو۔ اور ان میں سے ہر تاویل ومعنی پر ان کی دلالت یکساں و مساوی ہے۔

حروف مقطعات سے آغاز کرنے کی حکمت:

حروف مقطعات سے سورتوں کا آغاز کرنے کی حکمت میں مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ تاکہ ان حروف سے سورتوں کا آغاز کرنے سے اوائل سور کا علم و معرفت ہو جائے۔ علامہ ابن کثیر نے اس حکمت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حروف مقطعات کے بغیر والی سورتوں میں بھی فصل معلوم ہوتا ہے جن میں بسم اللہ ذکر کر دی گئی ہے لہذا یہ قول صحیح نہیں ہے۔

۲۔ مشرکین ان کلمات کو سن کر قرآن سن سکیں کیونکہ انہوں نے ایک دوسرے کو یہ وصیت کی تھی کہ تم قرآن ہرگز نہ سنو۔ جب انہوں نے ان الفاظ کو سنا تو مابعد قرآن کو سننے کیلئے تیار ہو گئے۔ علامہ ابن کثیر اس قول کو بھی ضعیف ٹھہراتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر تمام سورتوں کے آغاز میں یہ حروف ہوتے اور پھر سورہ بقرہ و آل عمران تو مدنی سورتیں ہیں یہاں مشرکین سے خطاب ہی نہیں ہو رہا۔

۳۔ اعجاز قرآن کے بیان کیلئے اور مخلوق کو اسکی مثل لانے سے عاجز کرنے کیلئے ان حروف کو ذکر کیا گیا کہ یہ قرآن انہیں حروف سے مرکب ہے جنہیں تم اپنی روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرتے ہو۔ اسے امام رازی نے مبرد کے روایت کیا ہے اور محققین کی ایک جماعت سے حکایت کیا ہے۔ علامہ قرطبی نے اسے فراء اور قطرب سے نقل کیا ہے۔ علامہ زمخشری نے اسکو مقرر رکھا ہے اور اسکی مکمل تائید کی ہے اسی طرف ابن تیمیہ اور علامہ مزی گئے ہیں اور یہی قول ابن کثیر نے اختیار کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸ سورہ بقرہ ۱)

حضور ﷺ کی قسم اٹھانے کی وجہ آپ کی تعظیم ہے:

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ کعب نے فرمایا میں یہ قسم ہے اللہ رب العزت نے زمین و



آسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل قسم اٹھا کر فرمایا اے محمد بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں پھر فرمایا قرآن حکیم کی قسم اور نقاش کا قول ہے کہ حضور ﷺ کے علاوہ اللہ رب العزت نے کسی نبی کی رسالت کے لئے قسم نہیں اٹھائی۔ یہ آپ ﷺ کی تعظیم اور بزرگی کی علامت ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”انا سید ولد ادم“ (☆ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۸ ص ۸ زیر آیت والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین)

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی زندگی کی قسم اٹھاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:-  
لعمرك انهم لفی سكرتهم يعمهون (الحجر ۷۲) اور آپ کی عمر کی قسم بے شک یہ لوگ اپنی طاقت کے نشہ میں مست ہیں اور بہکے بہکے ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں علامہ قاضی ابوبکر ابن عربی رقمطراز ہیں قال المفسرون باجمعهم اقسام الله ههنا بحياة محمد ﷺ تشريفا له ان قومه من قريش في سكرتهم يعمهون و في حيرتهم يترددون

(☆ احکام القرآن لابن عربی ج ۳ ص ۱۰۵ سورة الحجر)

تمام مفسرین نے بالا جماع کہا ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عزت و شرف بخشے ہوئے آپ کی زندگی کی قسم اٹھائی ہے کہ آپ کی قوم قریش نشہ میں مست بھٹک رہے ہیں اور حیرانگی میں متردد ہیں۔

ابوالخوذاء نے کہا کہ حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور کی زندگی کی قسم اللہ تعالیٰ نے نہیں کھائی۔ کیوں کہ آپ ﷺ مخلوق خدا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہیں۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۵ سورة الحجر آیت مذکورہ)

ابن عیاض سے مروی ہے ما خلق الله نفسا اكرم عليه من محمد ﷺ وما اقسام الله بحياة احد الا بحياته یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ سے زیادہ مکرم و محترم کسی کو پیدا ہی نہیں کیا اور نہ ہی کسی کی زندگی کی قسم اٹھائی۔

(☆ تفسیر بغوی مع الخازن ج ۳ ص ۵۱۵ زیر آیت مذکورہ خازن مذکورہ حوالہ)

علامہ قرطبی تحریر کرتے ہیں ہذا نہایۃ التعظیم و غایۃ البر والتشريف یعنی اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کی زندگی کی قسم اٹھانا تعظیم و تکریم کی انتہا ہے۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۵ سورۃ الحجرات آیت مذکورہ)

اگر یہ کہا جائے کہ اگر قسم اٹھانے سے کسی چیز کے عز و شرف میں اضافہ ہو جاتا ہے تو قرآن حکیم کے اندر جہاں اللہ تعالیٰ نے تین (انبیاء) زیتون اور طور سینین کی قسم اٹھائی ہے اس کا کیا معنی ہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ جس چیز کی بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے یہ اس چیز کے اپنے ہمسروں سے ممتاز اور افضل ہونے پر دلیل ہے اسی طرح ضروری ہے کہ ہمارے نبی محتشم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنے ہمسروں سے افضل و اکرم ٹھہریں۔

کیا حضور کو حروف مقطعات کا علم ہے:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ کو حروف مقطعات کا علم نہیں ہے! کیونکہ حروف مقطعات کا علم کسی کو نہیں اور نہ ہی کوئی ان کے معانی کو جانتا ہے علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں درینا بیع آورده است ہر حرفی از حروف مقطعه از سرست از اسرار خزانه غیب کہ حضرت حق حبیب خود را بر آن اطلاع داده بعد از ان جبریل بر آن نازل شدہ و جز خدا و رسول مقبول کے بر آں وقوف ندارد (☆ روح البیان ج ۷ سورہ لیس آیت مذکورہ)

یعنی تمام حروف مقطعات خزانه غیب کے سر بستہ راز ہیں اللہ تعالیٰ خود اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے آگاہ فرماتا ہے اس کے بعد جبرائیل انہیں لے کر حضور ﷺ پر نازل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی بھی ان سے واقفیت حاصل نہیں کر سکتا۔

وہ مزید لکھتے ہیں حضور ﷺ ایک ایسے مقام تک پہنچ گئے ہیں جہاں کسی دوسرے کی پہنچ نہیں۔ اور آپ ﷺ کا معراج کی رات جمیع موطن و مقامات کو عبور کرنا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے لہذا جائز ہے کہ آپ ﷺ اس چیز کو جان لیں جس کو ثقلین (جن و انس) اور ملائکہ میں سے کوئی بھی نہ جان سکے تمام علوم کی نسبت آپ ﷺ کے ساتھ ایسی ہی ہے جیسا کہ ایک قطرہ کو سمندر کے ساتھ

ہوتی ہے آپ کو حروف کی حقیقتوں کا علم عطا کیا گیا ہے اور حد بشریت میں رہتے ہوئے اس سے زائد علم کا حصول ممکن ہی نہیں آپ کے علاوہ باقیوں کو ان کے لوازمات کا علم ہے اور حسب استطاعت بعض حقائق کا علم بھی۔ (☆ روح البیان ج ۷ ص ۷ زیر آیت مذکورہ سورۃ یس)

علامہ آلوسی بغدادی حنفی لکھتے ہیں فلا يعرفہ بعد رسول اللہ ﷺ الا الاولیاء  
فہم یعرفونہ فی تلک الحضرة و قد تنطق لہم الحروف کما کانت تنطق لمن  
سبح فی کفہ الحصی (☆ روح المعانی ج ۱ زیر آیت الم)

یعنی ان حروف کا صحیح علم اور مفہوم حضور ﷺ جانتے ہیں اور اولیاء کاملین کو یہ علم بارگاہ رسالت سے عطا ہوتا ہے بعض اوقات یہ حروف اپنے اسرار کو اولیاء کرام سے خود بیان کر دیتے ہیں جیسے یہ حروف اس ذات پاک سے گویا ہوئے تھے جس کی ہتھیلی میں کنکریوں نے تسبیح کہی تھی۔

سورت کا حسین آغاز:

اللہ تعالیٰ نے یس کے کلمے سے اس سورۃ کا آغاز فرمایا ہے ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ علامہ آلوسی کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ حدیث شریف میں ہے۔ اللہ المعطی وانا القاسم فمنزلتہ ﷺ من العالم باسره بمنزلۃ القلب من البدن فما الطف افتتاح قلب القرآن بقلب الاکوان یعنی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ دینے والا اور میں بانٹنے والا ہوں اس حدیث پاک کے مطابق کائنات کے جسم میں حضور ﷺ روح کی مانند ہیں۔ سورہ یس قرآن کا دل ہے تو کتنا لطیف اور پیارا آغاز ہے اس سورت کا قرآن کے دل کو کائنات کے دل کے ذکر کے ساتھ شروع کیا جا رہا ہے۔ (☆ ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳ سورۃ یس زیر آیت مذکورہ)

(۲) عظمت رسول اور قرآن کی قسم:

"والقرآن حکیم" یہ قسم ہے جب کہ مابعد جملہ انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم جواب قسم ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر اپنے محبوب کی رسالت کی



خبر دے رہا ہے اور سیدھی راہ پر گامزن ہونے کی توثیق فرما کر کفار مکہ کے الزامات اور اعتراضات کو دفع فرما رہا ہے۔ یہ بھی آپ ﷺ کی عظمت کی دلیل ہے۔ یس سے ایک قسم اٹھائی اور دوسری قسم قرآن حکیم کی اٹھائی۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ یس آپ ﷺ کے اسم مبارک میں سے ہے اور یہ بھی صحیح ہو کہ یہ قسم ہے تو یہ تعظیم پر دلالت کرتا ہے۔ اور قسم کا قسم پر عطف کرنا بھی اس کو مؤکد کر دیتا ہے۔ اور اگر یہ ندا کے معنی میں ہو تو اس کے بعد دوسری قسم آپ کی رسالت کی تحقیق اور آپ کے راہ راست پر ہونے کی شہادت کے لئے آیا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم مبارک اور آپ کی کتاب کی قسم اٹھا کر آپ کے رسولوں میں سے ہونے کی خبر بذریعہ وحی اپنے بندوں کو دی اور آپ کے ایمان کی خبر علی صراط مستقیم سے دی یعنی آپ ایک ایسے راستے پر گامزن ہیں جس میں نہ تو کجی ہے اور نہ ہی حق سے عدول۔ (☆ الجامع الاحکام القرآن ج ۸ ص ۵ سورۃ یس زیر آیت مذکورہ)

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قسم اٹھانے سے بے نیاز ہے اسے حضور ﷺ کی قسم اٹھانے اسم مبارک اور آپ پر نازل کی جانے والی کتاب کی قسم اٹھا کر آپ کی رسالت اور راہ راست بر قائم ہونے کی خبر دینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا معاذ اللہ حضور ﷺ کو اپنے رسول اور پیغمبر ہونے میں کوئی شک و شبہ تھا؟ یا یہ بتلانا مقصود تھا کہ اے حبیب جس منصب پر آپ فائز ہیں اس سے میں بھی باخبر ہوں؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس اسلوب کو اپنانے کی وجہ آپ کو تسلی و تشفی دینا مقصود تھا۔ کیوں کہ کفار مکہ آپ ﷺ کی نبوت کی تکذیب بڑے شدد و مد سے کر رہے تھے آپ پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر فرمایا اے میرے محبوب، اے سید البشر اور اے انسان کامل۔ اے عرب و عجم کے سردار آپ کی قسم اور آپ پر اترنے والے قرآن حکیم کی قسم آپ نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہیں اور آپ جس راہ پر گامزن ہیں وہ بالکل سیدھی کشادہ اور مستقیم ہے جس میں کوئی کجی یا کوئی رکاوٹ نہیں ہے یہ بد بخت جو آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں بڑے سخت غلط کار ہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اے



حبیب جب تیری صداقت کی گواہی تیرا رب دے رہا ہے تو آپ کو ان بد بختوں کے انکار پر دلبرداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھاتے وقت صرف قرآن نہیں فرمایا بلکہ القرآن الحکیم (قرآن محکم یا ذی حکم) کہہ کر قسم اٹھائی یعنی ایسے قرآن کی قسم جو پراز حکمت ہے بلکہ یہ تو حکمتوں کا منبع و ماخذ ہے جس میں باطل کسی جانب سے بھی حملہ آور نہیں ہو سکتا اور یہ ہر قسم کے عیب و نقائص اور تغیر سے پاک ہے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانا له لحافظون ہم ہی اس کے محافظ ہیں اس کا نظم و اسلوب محکم اور معنی متقن (پختہ) ہے۔

آپ کا راستہ ہی درست ہے:

یعنی آپ ایسی شریعت اور ایسے عقائد پر متمکن ہیں جو جنت، قربت (اللہ تعالیٰ کا تقرب) رضا، دیدار اور ملاقات باری کی طرف لے جانے والی ہے اس جملہ کو بیان کرنے کا مقصد شریعت کو استقامت کے ساتھ صراحتہ متصف کرنا ہے اگرچہ لمن المرسلین سے ضمناً اور التزاماً اس پر دلالت موجود تھی۔ کیوں کہ جو بھی رسول ہوتا ہے وہ سید ہے راستہ پر ہی گامزن ہوتا ہے۔

تنزیل کا معنی و مفہوم:

تنزیل مصدر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے یعنی یہ راستہ، یہ منہج اور یہ شریعت، اللہ رب العزت کی نازل کردہ ہے کسی دانشور، فلسفی یا کسی ادیب یا ساحر بیان کا کلام نہیں ہے بلکہ اسے اس خدا نے نازل کیا ہے جو اپنی بادشاہت اور سلطنت میں بڑا غالب ہے اس کی مرضی کے خلاف کوئی پتہ بھی نہیں مل سکتا اور جو اپنی مخلوق پر بڑا مہربان ہے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و انک لتهدی الی صراط مستقیم (۵۱) صراط اللہ الذی له ما فی السموات و ما فی الارض الا الی اللہ ترجع الامور (شوریٰ ۵۱/۵۲)

ترجمہ: بلاشبہ آپ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں جو اس اللہ تعالیٰ کی راہ ہے جو

زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے خوب سن لو سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔  
اگر تنزیل کا مرجع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہو تو اس صورت میں تنزیل  
بمعنی انزال ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یتلو علیکم  
اینت اللہ مبینۃ الطلاق (آیت نمبر ۱۱۰/۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر ایک ایسا رسول جو پڑھ کر سناتا  
ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کی روشن آیتیں۔

تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے  
آسمان سے نازل کیا۔ محمد رحمة اللہ انزلها من السماء  
(☆ الجامع احکام القرآن للقرطبی ج ۸ ص ۸ سورۃ یس زیر آیت مذکورہ)

## نزول قرآن کا مقصد:

اس آیت کریمہ میں اس کتاب مبین کے نازل کئے جانے کا مقصد بیان کیا جا رہا ہے  
تاکہ ایسی قوم کو خبردار کیا جائے جن کے پاس عرصہ دراز سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ جو انہیں  
خواب غفلت سے بیدار کرتا انھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈراتا۔ اور ان کے ٹوٹے ہوئے تعلق  
کو پھر باری تعالیٰ سے جوڑ دیتا۔ سرزمین عرب میں اگرچہ زمانہ بعید میں انبیاء مبعوث ہوئے  
تھے۔ لیکن حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی اور رسول تشریف نہیں لایا تھا۔ اور  
مروزر زمانہ کے ساتھ ساتھ انھوں نے ان انبیاء کی تعلیمات کو بھی بھلا دیا تھا اور کفر و شرک کی وادی  
میں بھٹک گئے تھے۔

اگر ما کو موصولہ یا مصدر یہ مانا جائے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا تاکہ آپ انہیں اس  
طرح ڈرائیں جیسا کہ ان کے آباء و اجداد کو ڈرایا گیا تھا یعنی جو پیغام انبیاء کرام کے توسط سے  
ان تک زمانہ قدیم میں آیا تھا۔ اب آپ پھر اسی پیغام کی تجدید کریں کیوں کہ ان لوگوں نے اس  
پیغام کو فراموش کر دیا ہے۔ بلکہ انھوں نے تو عقل خداداد سے کام لینا بھی چھوڑ دیا ہے ان کے  
ارد گرد دلائل توحید کا گلشن آباد ہے بلکہ ان کے اپنے نفس میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کی

قدرت اور صنعت گری کے واضح براہین موجود ہیں۔ لیکن آنکھیں موند کر خواب غفلت میں پڑے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں تفسیروں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیوں کہ اثبات انداز زمانہ قدیم کے آباء کے لئے کیا گیا ہے اور نفی انداز زمانہ قریب کے آباء سے کی گئی ہے۔ لہذا دونوں تفسیریں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

### ایک شبہ کا ازالہ:

اب شبہ یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ لتنذر قوما ما اندر اباؤہم کا تقاضا ہے کہ یہود و نصاریٰ حضور ﷺ کی امت دعوت میں شامل نہیں کیوں کہ ان کے آباؤ اجداد کو ڈرایا گیا ہے تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر ما اثبات کے لئے ہو تو ان کا دعوت میں شامل ہونا ظاہر ہے اور نفی کی صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اگرچہ ان کے آباؤ اجداد کو تو گمراہ ہونے کے بعد ڈرایا گیا اور سابقہ انبیاء کے بعد بھی لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب بھی وہ کسی رسول یا نبی کو اس دنیا میں لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کرتا ہے تو جب تک اس قوم میں اس نبی کے دین کو بیان کرنے والے، اس کی تبلیغ کرنے والے اور اس کا حکم دینے والے موجود رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی دوسرے نبی یا رسول کو مبعوث نہیں فرماتا اور نہ ہی ایسی قوم کو ہدایت سے خالی قوم کہا جاتا ہے۔ لیکن جب مرور زمانہ، اور وقت کی دوری کے ساتھ ساتھ کفر و شرک عام ہو جاتا ہے۔ توحید کی شمع گل ہو جاتی ہے اور کوئی فرد بھی ایسا باقی نہیں رہتا جو علم توحید بلند کر کے ہدایت کی شمع کو روشن کرے تو اس وقت اللہ رب العزت بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کسی ایسے نبی کو مبعوث فرماتا ہے جو سابقہ شریعت کا احیاء کرنے والا ہوتا ہے یا کسی ایسے رسول کو مبعوث فرماتا ہے جو ایک نئی شریعت کا واضع ہوتا ہے تو اس آیت لتنذر قوما ما اندر اباؤہم کا معنی ہوگا کہ رسول متقدم کی شریعت اور راہ سے گمراہ ہونے کے بعد انھیں نہیں ڈرایا گیا اور یہود و نصاریٰ اس میں داخل ہیں اور یہ آیت حضور ﷺ کے تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہونے کی بھی دلیل ہے۔

(☆ تفسیر کبیر ج ۹ ص ۹ زیر آیت مذکورہ)



## فہم غافلون کا معنی:

فہم غافلون میں ضمیر کا مرجع دونوں گروہ ہو سکتے ہیں یعنی زمانہ بعید کے آباؤ اجداد اور زمانہ قریب کے آباؤ اجداد یعنی ان کے آباء کو نہیں ڈرایا گیا اسی لئے وہ ایمان، رشد و ہدایت، حج توحید اور دلائل قیام قیامت سے غافل ہیں۔ بعض نے کہا غفلت سے مراد دل کی غفلت ہے دل اگر سویا ہو تو پھر زبان کی حرکت کا کوئی اعتبار نہیں اگر دل بیدار ہو اور زبان ساکن تو مضر نہیں حدیث شریف میں ہے:

” الغفلة فی ثلاث الغفلة عن ذکر اللہ والغفلة فیما بین طلوع الفجر الی طلوع الشمس و غفلة الرجل عن نفسه فی الدین “ یعنی غفلت تین چیزوں میں ہے اللہ کے ذکر سے غفلت، طلوع فجر سے طلوع آفتاب کے درمیان اور آدمی کا دین کے معاملے میں اپنے نفس سے غافل ہونا۔

علامہ اسماعیل حقی کشف الاسرار کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ غافل دو قسم کے آدمی ہیں ایک وہ جو دینی امور سے غافل، اپنی اصلاح کی طلب سے بے خبر اور شہوت میں مست ہوتا ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے والذین ہم عن ایاتنا غافلون اولئک ماواہم النار بما کانوا یکسبون (یونس ۷) ترجمہ:- اور وہ لوگ جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اپنے کارناموں کے سبب۔

حدیث شریف میں ہے عجب لغافل و لیس بمغفول عنہ میں اس غافل سے تعجب کرتا ہوں جس سے غفلت نہیں کی جاتی۔

اور دوسرا غافل وہ ہے جو دنیاوی پسندیدہ امور اور کسب معاش سے غافل اور حقیقت کا بادشاہ ہوتا ہے اس کا باطن روشن ہوتا ہے وہ مکاشفہ جلال احدیت میں اس طرح مستہلک ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اسے دنیا کی خبر ہوتی ہے اور نہ آخرت کی وہ زباں حال سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے۔



ایں جہاں در دست عقلست آں جہاں در دست روح

پائے ہمت برفقائے ہر دودھ سالار زن

فی الحقیقت یہی لوگ جاگ رہے ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر سو بھی رہے ہوں۔ کیوں کہ عارفین کی آنکھ نہیں سوتی، ان کے علاوہ باقی اگر جاگ بھی رہے ہوں تب بھی وہ سو ہی رہے ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے دل کی آنکھیں نہیں کھلتیں (☆ تفسیر روح البیان زیر آیت مذکورہ ج ۷ ص ۳۶۹) اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اہل علم و عرفاں اور صاحب شہود و ایتقان میں سے بنائے اور ہمیں سعادت دارین سے نوازے آمین۔

### حق القول کے دو معانی:

۱۔ آپ آیت مبارکہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور حق کی دعوت دینے کے لئے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ ان کے متعلق بتا دیا گیا کہ اکثریت نے اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور عناد کے باعث آپ کی تعلیمات کی طرف توجہ نہ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے اس لئے اے محبوب ﷺ ان کے کفر پر اڑے رہنے اور حق دشمنی کے باعث اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان قال فالحق والحق اقول لا ملئن جہنم منک و ممن تبعک منهم اجمعین (سورہ ص ۸۴) ترجمہ: فرمایا میں حق ہوں اور حق ہی کہتا ہوں میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔

پورا ہو گیا ہے اب ان کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہے ای وجب العذاب علی اکثرہم یعنی ان میں سے اکثریت پر عذاب واجب ہو چکا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ ص ۷)

دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ بات متحقق ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون ایمان کی دولت سے محروم ہوگا۔ حدیث مبارکہ میں ہے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں تو آپ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھی

هذا كتاب من رب العلمين فيه اسماء اهل الجنة واسماء ابائهم وقبائلهم ثم اجمل على اخرهم فلا يزداد فيهم ولا ينقص . یہ کتاب رب العلمین کی جانب سے ہے اس میں جنتیوں کے نام مع ولدیت اور قبائل درج ہیں اور ان کے آخر میں ٹوٹل کیا گیا ہے ان میں زیادتی کی جائے گی اور نہ ہی کبھی کمی کی جائے گی اور جو کتاب آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی اس کے متعلق فرمایا هذا كتاب من رب العلمين فيه اسماء اهل النار واسماء ابائهم وقبائلهم ثم اجمل على اخرهم فلا يزداد فيهم ولا ينقص . یہ کتاب اللہ رب العلمین کی جانب سے ہے اس میں جہنمیوں کے نام مع ولدیت و قبائل درج ہیں پھر اس کے آخر میں ان کا ٹوٹل کیا گیا ہے نہ تو اس میں کبھی زیادتی کی جائے گی اور نہ ہی کمی۔

پھر آپ ﷺ نے ہاتھ ہوا میں لہرایا اور فرمایا قد فرغ ربکم من العباد فریق فی الجنة و فریق فی السعیر تمہارا رب اپنے بندوں سے فارغ ہو گیا ہے ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا جہنم میں۔ (☆ مشکوٰۃ ص ۲۱ باب ایمان بالقدر فصل دوم بحوالہ ترمذی)

اس آیت میں اس بات پر بھی دلیل موجود ہے کہ ہدایت یافتہ اور سعادت مند لوگ تعداد میں تھوڑے ہوں گے تخلیق کا مقصد چونکہ بندوں میں سے خلیفہ کا ظہور تھا وہ ایک سے بھی حاصل ہو سکتا ہے جب وہ ایک بھی حق پر ہو اور اس ایک کا حق پر ہونا بھی فی الحقیقت سواد اعظم ہی ہے۔

آیت کی لغوی تحقیق:

اس آیت کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں۔  
اعناق عنق کی جمع ہے اس کا معنی گردن ہے۔ مقحون فقہ لغت کے امام الاصمعی کہتے ہیں یقال اقمحت الدابة اذا اخذت لجامه لترفع راسها گھوڑے کی باگ کو جب زور سے کھینچا جائے تاکہ وہ اپنا سراو پراٹھائے تو عرب کہتے ہیں اقمحت الدابة اور جب کسی کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے اور اسے بھینچ دیا جائے تاکہ اس کا سراو پراٹھا رہے تو کہا جاتا ہے "اقمحت الغل"

حضرت عبداللہ بن یحییٰ فرماتے ہیں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ہمیں اس لفظ کا معنی سمجھانے کے لئے اس طرح کیا کہ پہلے اپنی ڈاڑھی مبارک کے نیچے دونوں ہاتھ رکھے اور سر کو اوپر اٹھالیا کہ وہ پھر نیچے نہ ہو سکے۔

(☆ تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳ زیر آیت مذکورہ، الجامع لاحکام القرآن ملخصاً ج ۱۵ ص ۸، ۹)

## شان نزول:

اس آیت کے شان نزول کے متعلق علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ یہ آیت ابو جہل اور اس کے دو مخزومی دوستوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابو جہل نے قسم اٹھائی تھی کہ اگر اس نے محمد (ﷺ) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو پتھر سے آپ (ﷺ) کے سر مبارک کو کچل دے گا۔ ایک روز آپ (ﷺ) نماز پڑھ رہے تھے تو وہ ایک بھاری پتھر اٹھا کر حضور (ﷺ) کی طرف بڑھا جب پتھر مارنے کے لئے اٹھایا تو ہاتھ گردن سے چپک گیا اور پتھر ہاتھ کے ساتھ۔ واپسی میں ہی عافیت سمجھی۔ واپس اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو سارا ماجرا کہہ دیا یہ سن کر ولید بن مغیرہ اٹھا اور کہا اے ابو جہل تم تو ہو ہی بزدل میں جاتا ہوں سر پھوڑ کر ہی آؤں گا جب وہ اس نیت بد سے آپ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی ہی سلب کر لی اور اندھا ہو گیا۔ حضور (ﷺ) کی آواز تو سن رہا تھا لیکن حضور نظر نہ آتے۔ تم نے اس نے بھی واپس آ کر اپنی داستان سنادی تیسرا کافر غصہ سے بے قابو ہو کر اٹھا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں ہی اس کے سر کو چور چور کر دوں گا وہ پتھر لیکر نزدیک پہنچا تو گھبرا کر پیچھے ہٹا رگش کھا کر منہ کے بل زمین پر گر گیا ساتھیوں نے آ کر اٹھایا پوچھا کیا معاملہ ہوا اس نے کہا مت پوچھو مجھ پر کیا گزری ہے جب میں ان کے قریب ہوا تو ایک بہت بڑا نبل دم ہلاتا ہوا میرے سامنے کھڑا ہوا فواللات والعزى لودنوت منه لاکنی۔ لات وعزى کی قسم اگر میں ان کے قریب جاتا تو وہ مجھے کھا لیتا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (☆ تفسیر بغوی ج ۵ زیر آیت مذکورہ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ ص ۱۰، مدارک التنزیل ج ۲ ص ۳۹۵، تفسیر کشاف ج ۴ ص ۶)

ان روشن آیات کو دیکھنے کے باوجود وہ بد بخت ایمان نہ لائے۔



## طوق کا معنی و مفہوم:

اس آیت میں طوق سے مراد انکی ہٹ دھرمی اور ضد ہے جو ان کے قبول حق میں مانع ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی ضد، باطل پر اڑے رہنے، تکبر اور غرور اور یتیم کفر و نافرمانی کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر ثبت کر دی ہے اب ان کے ایمان قبول کرنے کی صلاحیت ہی ان کی لگاتار نافرمانیوں کے باعث بطور سزا اللہ رب العزت نے ان سے چھین لی ہے۔ جس طرح وہ آدمی جس کے ہاتھوں میں زنجیر اور گلے میں طوق ڈال دیا جائے اور وہ طوق اس کی ٹھوڑی تک پہنچ گیا ہو اسے اس طرح جکڑ دیا گیا ہو کہ اس کا سراو پر ہی اٹھا رہے اور نظریں آسمان کی طرف اٹھی رہیں۔ نہ سر ہلا سکتا ہو نہ ہی ادھر ادھر دیکھنے کی ہمت ہو اور نہ ہی اپنے سامنے راستہ دیکھنے کی صلاحیت اس کے اندر باقی رہے۔ اسی طرح یہ لوگ اپنی ضد اور کبر و نخوت کے باعث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دکھائے ہوئے صراط مستقیم کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔

گردنوں کا طوق عدم انقیاد (عدم اطاعت) سے بھی عبارت ہو سکتا ہے کیوں کہ مطیع و فرمانبردار کے لئے کہا جاتا ہے وضع راسہ علی الحظ و خضع عنقه اور جس کی گردن میں ٹھوڑی تک بھاری طوق ہو وہ اپنے سر کو جھکا سکتا ہے اور نہ ہی مطیع کی طرح اسے حرکت دے سکتا ہے لہذا اس پر مقحون کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے کیوں کہ مقحون انکار کرنے والے کی طرح سراو پر اٹھائے رکھتا ہے اسی لئے جب اونٹ پانی پینے سے انکار کرے اور اپنا سراو پر اٹھا لے تو کہا جاتا ہے بھیر قاح اور ایمان بھی ماء زلال کی طرح حیات بخش ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیا ہے اب وہ امر الہی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریں گے۔

وجعلنا من بین ایدیہم سدا من خلفہم سدا فاغشینہم فہم لا یبصرون

ترجمہ:- اور بنادی ہے ہم نے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے۔



آگے پیچھے دیوار کھڑی کرنے کا معنی:

ان کے تعصبات، انکار و استکبار اور مسلسل تا فرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے قبول حق کی صلاحیت ہی چھین لی ہے ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور واضح حق کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ جیسے کسی شخص کے لئے دونوں اطراف میں دیواریں ہوں۔ ہر طرف سے راستہ بند ہو وہ کسی بھی طرح منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی حال ان کفار کا ہے کہ ان پر ہر طرف سے ایمان کی راہ بند ہے۔ ان کے سامنے غرور دنیا کی دیوار ہے تو پیچھے تکذیب آخرت کی۔ وہ جہالت کے قید خانہ میں محبوس ہیں۔ آیات و دلائل میں غور و فکر کرنا انھیں میسر نہیں۔

موانع کی اقسام:

امام رازی لکھتے ہیں کہ مانع دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک نفس کے اندر اور دوسرا خارج میں۔ حق بنی اور قبول ایمان سے دونوں قسم کے موانع کفار کے اندر موجود ہیں نفس کے اندر "غل" اور خارج میں "سد" کا مانع موجود ہے انکی نظر اپنے نفس پر بھی نہیں پڑتی تاکہ وہ اپنے نفس کے اندر موجود آیات بینات کو دیکھ سکیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سنریہم ایاتنا فی الافاق و فی انفسہم (فصلت: ۵۳) کیوں کہ حج اپنے نفس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور نہ ہی اس کی نظر اپنے سامنے پڑتی ہے اور نہ ہی ان کی نظر آفاق پر پڑتی ہے۔ کیوں کہ وہ دیواروں کے درمیان آفاق کو دیکھ نہیں سکتے اور نہ ہی آفاق میں پھیلی ہوئی آیات انھیں نظر آتیں ہیں پس اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "انا جعلنا فی اعناقہم" اور "وجعلنا من بین ایدیہم" میں نفس اور آفاق میں پھیلی ہوئی آیات کی طرف انکی عدم ہدایت کی طرف اشارہ ہے۔ (☆ تفسیر کبیر ج ۹ ص ۹ زیر آیت مذکورہ) کفار ہدایت فطری اور نظری دونوں کو ترک کر دیتے ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کے سامنے دیوار کھڑی کر دی اب وہ ہدایت کے راستہ پر نہیں چل سکتے جو کہ نظری ہے اور انکے پیچھے دیوار کھڑی کر دی اب وہ ہدایت جبلی کی طرف نہیں لوٹ سکتے جو کہ فطری ہدایت ہے۔

کفار کے لئے انذار و عدم انذار کا برابر ہونا:

ان کے کفر و شرک کا مرض لا علاج حد تک بڑھ چکا ہے جس پر انذار و تبشیر کچھ کارگر نہیں ہوتی۔ ان کی آنکھوں پر پردے پڑ چکے ہیں کانوں سے حق بات سننے کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے انکے دل زنگ آلود ہو کر مردہ ہو چکے ہیں۔ کیوں کہ انھوں نے اپنی صلاحیتوں کا گلہ اپنے ہاتھوں گھونٹ کر ان کا جنازہ نکال لیا ہے۔ یہ لوگ اب ایمان قبول نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے ان الذین حقت علیہم کلمۃ ربک لا یؤمنون ولو جائتہم کل ایۃ حتی یروا العذاب الالیم (یونس/۹۶)

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ ان کفار کی اس روش سے دلبرداشتہ ہو کر دعوت اسلام کے مشن سے ہی دستبردار ہو جائیں۔ بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ آپ اپنی تعلیمات تمام بشریت تک پہنچائیں۔ اگرچہ یہ مذکورہ اوصاف کے مالک آپ کی دعوت پر کان نہیں دھرتے۔ انھیں لوگوں میں سے آپ کو ایسے خوش نصیب لوگ بھی میسر آئیں گے جو آپ کی تعلیمات کو اپنے لئے حرز جان بنالیں گے۔ اور جن کو اہر مقصودہ کی آپ کو تلاش ہے وہ بھی انھیں میں سے آپ کو میسر آئیں گے۔

اس آیت کریمہ میں سواء علیہم فرما کر بتا دیا کہ آپ کا انذار و عدم انذار کفار کے حق میں تو برابر ہے وہ اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ لیکن آپ کے حق میں انذار بہر حال نفع بخش ہے آپ اپنی ذمہ داری (تبلیغ دین) سے عہدہ برآ ہو کر اپنی سیادت عاجلہ اور سعادت آجلہ میں اضافہ کرتے رہیں۔ اگرچہ انھیں اس کا کچھ فائدہ نہیں کیوں کہ ان کے لئے آخرت کے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہی قول رائج ہے۔

سلیم الفطرت افراد کے لئے انذار کا مفید ہونا:

اللہ رب العزت نے جب یہ فرمایا کہ آپ کا ڈر سنانا اور ڈرنہ سنانا کفار کے حق میں برابر ہے تو اپنے نبی کو یہ بھی بتا دیا کہ آپ کا ڈر سنانا من کل الوجوہ غیر مفید اور رایگاں بھی نہیں جائے گا۔

آپ انذار عام فرمائیں۔ اسود و احمر تک اپنے پیغام کو پہنچائیں۔ انھیں توحید کی دعوت دیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرائیں۔ انھیں لوگوں میں سے کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جن میں حق پذیری کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے جو حق کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے بے تاب ہیں۔ ان لوگوں کے لئے آپ کا انذار مفید اور کارآمد ثابت ہوگا جب آپ انھیں نصیحت کریں گے تو اس پر عمل کرنا شروع کر دیں گے۔ یہی لوگ قرآنی تعلیمات کو مانیں گے اور اس کے مقتضی کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں گے اور آپ کی غلامی کو اپنی زندگی کا سرمایہ شمار کریں گے۔  
خشی الرحمن فرمانے کی حکمت:

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا و خشی الرحمن یعنی وہ رحمٰن سے ڈرتے ہیں یہ نہیں فرمایا وہ قہار سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ رحمٰن کی رحمت سے امید و رجاء پیدا ہوتی ہے نہ کہ خوف اور ڈر تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عاقل کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رحمٰن و رحیم کے باوصف اس کی نافرمانی سے ڈرتا رہے کیوں کہ جس کی نعمتیں اس کی رحمت کے سبب کثیر ہوں تو اس کی نافرمانی کی صورت میں متواتر نعمتوں کے منقطع ہونے کا خوف بھی مکمل ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں سے دو اسم رحمٰن اور اللہ، اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں جیسے فرمان الہی ہے قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن (اسراء: ۱۱۰) اسم جلالت اللہ ہیبت اور رحمٰن، رجاء اور عطف و مہربانی کا تقاضا کرتے ہیں۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یرجو اللہ (احزاب ۲۱) اور دوسرے مقام پر فرمایا و خشی الرحمن یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت ہیبت کے باوجود تم اس سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ اور اس کے رحمٰن ہونے کے باوجود تم اس کے غضب سے امن میں نہ ہو جاؤ۔ (تفسیر کبیر جزء السادس والعشرون ص ۲۵۷ ج ۹ زیر آیت مذکورہ)

رحمٰن اور رحیم کا فرق:

رحمٰن اور رحیم دونوں اسماء مبالغہ ہیں اور رحم سے مشتق ہیں جیسے غضبان غضب سے اور علیم علم سے اور رحمۃ لغت میں رقت قلبی کو کہا جاتا ہے۔ انعطاف احسان اور تفضیل دونوں کا تقاضا



کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء افعال کی غایات کے اعتبار سے ہیں نہ کہ مبادی کے اعتبار سے جو کہ انفعالات ہیں۔

رحمن رحیم سے ابلغ ہے کیوں کہ لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے جیسے قطع اور قطع اور کبار اور کبار کیوں کہ کبھی کمیت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور کبھی کیفیت کا اعتبار۔ پہلی صورت میں کہا جائے گا یا الرحمن الدنیا کیوں کہ الرحمن کی رحمت مومن و کافر دونوں کو عام ہے رحیم الاخرہ کیوں کہ رحیم کی رحمت آخرت میں صرف مومنوں کے ساتھ خاص ہوگی۔ دوسری صورت میں کہا جائے گا یا الرحمن الدنیا و الاخرہ و رحیم الاخرہ کیوں کہ اخروی نعمتیں ساری کی ساری جسام ہوں گی جب کہ دنیوی نعمتیں جلیل بھی ہیں اور حقیر بھی۔

(☆ تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۵ زیر آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ الرحمن اور رحیم دونوں رحم سے مشتق ہیں اس پر دلیل حضرت عبد الرحمن بن عوف کی روایت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”انا الرحمن خلقت الرحم وشققت لها اسما من اسمی فمن وصلها وصلته ومن قطعها قطعته“

ترجمہ: میں الرحمن ہوں اور میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے اسم سے اس کا اسم مشتق کیا جو اسے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا جو اسے کاٹے گا میں اسے کاٹ دوں گا۔

یہ حدیث اس کے مشتق ہونے پر نص ہے (الجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۹۸)

مزید لکھتے ہیں کہ الرحمن خاص الاسم عام الفعل اور رحیم عام الفعل خاص الاسم ہے اور یہ جمہور کا قول ہے۔ ابوعلی فارسی نے کہا کہ الرحمن ہر قسم کی رحمت میں اسم عام ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے رحیم مومنین کی جہت سے ہے۔ جیسے فرمان الہی ہے ”وکان بالمؤمنین رحيماً“ (احزاب: ۴۳) ابن مبارک نے کہا الرحمن سے جب سوال کیا جائے تو عطا کرتا ہے اور رحیم وہ ہے جب اس سے سوال نہ کیا جائے تو غصہ ہوتا ہے۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”من لم يسأل الله يغضب عليه“ (ترمذی)،



ابن ماجہ کے الفاظ ہیں ”من لم يدع الله سبحانه غضب“ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۹۹)

عامہ ابن جریر طبری نے ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رحمٰن کی رحمت دنیا و آخرت میں ہے اور رحیم کی رحمت آخرت میں۔ اور عثمان بن زفر سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں میں نے عزری سے رحمٰن و رحیم کی تفسیر میں سنا رحمٰن تمام مخلوق کیلئے اور رحیم صرف مؤمنین کیلئے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۷۱)

میں کہتا ہوں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”استوی علی العرش الرحمن“ اور فرمایا ”الرحمن علی العرش استوی“ تاکہ اسکی رحمت تمام مخلوق کو شامل ہو جائے اور فرمایا ”وکان بالمؤمنین رحیماً“ تو مؤمنوں کو اپنی صفت رحیم کے ساتھ خاص کیا۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں اکثر علماء کے نزدیک رحمٰن اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کسی غیر کو اس اسم کے ساتھ مسملی کرنا جائز نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن“ (اسری: ۱۱۰) اور فرمایا ”و اسأل من ارسلنا من قبلک من رسلنا جعلنا من دون الرحمن الہة یعبدون“ (زحرف: ۴۵) پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ رحمٰن ہی مستحق عبادت ہے۔ مسلمانہ کذاب نے جسارت کر کے اپنے آپ کو رحمٰن یمامہ کہلایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ صفت کذاب کو لازم کر دیا۔ اگرچہ تمام کفار کاذب ہیں لیکن یہ وصف مسلمانہ کا علم بن گیا جس سے وہ جانا جاتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۵)

رحیم کی صفت کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔  
”لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم“ (توبہ: ۱۲۸)

ترجمہ: تحقیق آیا تمہارے پاس ایک رسول جو تمہیں میں سے ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بڑا گراں گزرتا ہے۔ وہ مؤمنوں کے ساتھ بہت شفیق اور رحیم ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں مہدی نے کہا رحیم کا معنی یہ ہے کہ تم رحیم کے ذریعے (وسیلہ) اللہ تعالیٰ اور رحمن سے مل گئے۔ رحیم محمد ﷺ کا وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس صفت کے ساتھ آپ کی نعت بیان فرمائی ہے۔ اور فرمایا ”رؤف رحیم“ گویا یہ معنی ہوا کہ آدمی یوں کہے ”بسم اللہ الرحمن والرحیم“ یعنی محمد ﷺ کے وسیلے سے تم نے میرا وصال پایا۔ یعنی آپ ﷺ کی اتباع اور آپ کے لائے ہوئے دین کے ساتھ تم نے میرے ثواب، عزت افزائی اور میرے دیدار تک پہنچے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۰۰)

علامہ ابن جریر طبری نے اور ان کے حوالہ سے علامہ ابن کثیر نے عطا خراسانی سے روایت کیا ہے کہ جب غیر خدا کو رحمن کے وصف کے ساتھ متصف کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ رحیم کی صفت لگا کر اس وہم کو ختم کر دیا۔ کیونکہ رحمن و رحیم کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو متصف کیا جاتا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۷، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱)

جہاں تک مشرکین کے اس قول کا تعلق ہے کہ ”وما الرحمن انسجد لهما تأمرنا؟“ اسی طرح ان کا صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا حکم دینے پر رحمن سے عدم واقفیت اور جاننے سے انکار ان کے عدم علم کی دلیل نہیں بلکہ یہ تو ان کے کفر میں ہٹ دھرمی، سرکشی اور حد سے بڑھنے کی بنا پر تھا۔ کیونکہ عربوں کے زمانہ جاہلیت کے اشعار میں اس وصف کو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کیا گیا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے عربوں کے قبل از اسلام کے وہ اشعار بطور دلیل پیش کرتے ہوئے درج ذیل اشعار نقل کئے ہیں۔

الا ضربت تلک الفتة هجینھا

الا قضب الرحمن ربی یمینھا

اور سلمہ بن جندب طہوری نے کہا ہے،

عجلتم علينا اذ عجلنا عليكم  
وما يشاء الرحمن يعقد ويطلق

(جامع البیان ج ۱ ص ۷۳)

منکرین حشر کا رد:

احیاء کسی شے کو حس و حرکت والا بنانا ہے اور میت اس شے کو کہتے ہیں جس سے روح نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کا رد کرتے ہوئے احیاء اموات کی خبر دی کفار جو حیات بعد الممات کو عقل کے خلاف سمجھتے تھے اور اس دنیاوی زندگی کو ہی سب کچھ خیال کرتے تھے ان کے نزدیک مردہ مٹی میں گل سر کر مٹی ہو جاتا ہے اللہ جل مجدہ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا ایسا نہیں بلکہ ہم تمہیں اگر عدم سے وجود بخشے پر قادر ہیں تو تمہارے مرنے کے بعد دوبارہ تمہارے اندر زندگی ڈالنا ہمارے لئے چنداں مشکل نہیں بلکہ تمہیں حشر کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا جہاں تمہیں اپنے دنیاوی اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

اس سے مجازی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی جہالت کے بعد ایمان کے ساتھ ہم ان کو حیات بخشتے ہیں ضحاک اور حسن سے بھی یہی معنی مروی ہے۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۱۱۱ زیر آیت مذکورہ)

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر سنگدلی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ”اعلموا ان اللہ یحیی الا رض بعد موتھا“ ترجمہ: تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے زمین کو اسکے مردہ (بنجر) ہونے کے بعد۔

حضور ﷺ نے موتی کا اطلاق ہر غنی مترف اور سلطان جائز پر بھی کیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے اربع یمتن القلوب، الذنب علی الذنب و کثرة مصاحبة النساء و حدیثھن و ملا حاة الاحمق تقول له و يقول لك و مجالسة الموتی قیل یا رسول اللہ وما مجالسة الموتی قال کل غنی مترف و سلطان جائز

(☆ تفسیر روح البیان جزء الثانی والعشرون زیر آیت مذکورہ ص)



چار چیزیں دلوں کی موت ہیں۔ گناہ پر گناہ، عورتوں کے ساتھ کثرۃ مصاحبت (زیادہ میل جول رکھنا) اور ان کے ساتھ بات چیت کرنا۔ احمق کے ساتھ بے دینی کی باتیں کرنا اور مردوں سے ہم نشینی کرنا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ مردوں کی مجالست سے کیا مراد ہے فرمایا ہر سرکش غنی اور ظالم بادشاہ۔

آثار کی دو تفسیریں:

آثار کی تفسیر میں دو قول ہیں۔

۱۔ آثار معنوی: اس سے مراد انسان کے وہ اعمال ہیں جو اس نے اپنی زندگی میں کئے اور وہ طریقے جو وہ اپنے بعد رائج کر کے آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑ کر آیا ہے۔ یعنی جو نیک کام اس نے خود کئے اور جو نیک اثرات جیسے علم جس کی اس نے تعلیم دی، کتابیں، مساجد، پل، مدارس، ہسپتال یا دیگر رفاہی کام جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آیا ہے اس پر اسے اجر دیا جاتا رہے گا۔ بلکہ جو جو اس نیک راستہ پر گامزن ہوگا اس کے اجر کے برابر اسے اجر ملتا رہے گا۔ اسی طرح جو شخص کوئی برا کام اس دنیا میں کرتا ہے یا اپنے پیچھے کسی برے طریقہ کو رائج کر کے آتا ہے اس برائی کے جرثومے معاشرے کو بطور وراثت دے کر اس دنیا سے سد ہار جاتا ہے تو بعد میں آنے والی نسلیں انہیں برائیوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو ہر عمل کرنے والے شخص کے گناہ کے برابر اسے بھی اس برائی کی سزا دی جائے گی اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی ہے ”کل نفس ما قدمت و آخرت (انفطار ۵) ترجمہ: ہر شخص کیلئے (اس کا بدلہ ہے) جو اس نے کیا اور جو پیچھے چھوڑ آیا۔

اور اس فرمان میں بھی ینبؤ الانسان یومئذ بما قدم و اخر (القیلۃ ۱۳)

ترجمہ:- ہر انسان کو آگاہ کیا جائے گا اس دن اس عمل سے جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑ آیا۔

اور حدیث شریف میں ہے من سن سنة حسنة کان له اجرها و اجر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اجورهم شیئی ومن سن سنة سیئة کان علیہ و

زرھا و وزر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقض من اوزارهم شیئی

(☆ صحیح المسلم کتاب الزکوٰۃ باب ۴۹)

ترجمہ: جس شخص نے کوئی نیک طریقہ رائج کیا اس کے لئے اس کا اجر ہے اور جو بھی اس پر عمل پیرا ہوا اس کا اجر بھی اور کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جو شخص کوئی برا طریقہ رائج کرتا ہے تو اس کو اس گناہ کی سزا ملے گی اور اس کے بعد جو شخص بھی اس پر عمل کرے گا اس کا گناہ بھی اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں قال قال رسول اللہ ﷺ اذا مات ابن ادم انقطع عمله الا من ثلاث من علم ینتفع به او ولد صالح یدعوله او صدقة جاریة من بعده (☆ صحیح المسلم کتاب المسلم باب من سئ حسنة اوسیة ومن دعا الی الہدی او صلالة مشکوٰۃ کتاب العلماء فصل اول)

ترجمہ:۔ جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین اعمال (کہ ان پر اسے برابر اجر ملتا رہتا ہے) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے یا ولد صالح جو اس کے لئے دعا (مغفرت) کرتا ہو اور صدقہ جاریہ۔ اسی تفسیر کو محققین نے اختیار کیا ہے۔

بدعت کا لغوی اور شرعی مفہوم:

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں ”البدعة فی المذهب ایراد قول لم یستن قائلها وفائلها فیہ بصاحب الشریعة و اما ثلثها المتقدمة و اصولها المتقنة“ بدعت مذہب میں ایسے قول کے وارد کرنے کا نام ہے جس کا قائل و فاعل مذہب میں صاحب شریعت سے کوئی سنت نہ پائے اور نہ ہی اس کے پختہ اصولوں اور اسکے امثال میں اسکی کوئی نظیر پائے۔ (المفردات ص ۳۹)

علامہ سید شریف جرجانی لکھتے ہیں ”البدعة هی الفعلة المخالفة للسنة سمیت البدعة لان قائلها ابتدعها من غیر مقال امام“ ترجمہ: بدعت وہ کام ہے جو مخالف سنت ہو اسے بدعت اس لئے کہا گیا کیونکہ اس کا قائل امام کے قول کے بغیر اس کی

اختراع کر رہا ہے۔

وہ دوسری تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ” البدعة هي الامر المحدث

الذي لم يكن عليه الصحابة والتابعون ولم يكن مما اقتضاه الدليل الشرعي “  
یعنی بدعت وہ نیا کام ہے جس کو صحابہ اور تابعین نے نہ کیا ہو اور نہ وہ دلیل شرعی کا مقتضی ہو۔

(کتاب التعریفات ص ۱۶)

علامہ ابن منظور افریقی، ابن اثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

بدعت حسنہ، بدعت سیئہ۔ جو کام اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم و ممنوع

ہے۔ جو کام کسی ایسے حکم کے تحت ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ اور

رسول اللہ ﷺ نے ابھارا ہو اور اس کا حکم دیا ہو اس کا کرنا مستحسن ہے۔ اور جن کاموں کی مثال پہلے

موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام وہ اچھے کام ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ

ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ نے فرمایا ”من

سن سنة حسنة كان له اجرها واجر من عمل بها“ جس شخص نے اچھے کام کی ابتداء کی

اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو شخص بھی اس کام کو کرے گا اس کے عمل کا اجر بھی ملے گا۔ اور اس کی ضد

کے بارے میں فرمایا ”من سن سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها“ جو شخص

کسی برے کام کی ابتداء کرے گا تو اس پر اس برائی کا وبال ہوگا اور جو شخص بھی اس برائی پر عمل پیرا

ہوگا اس کا وبال بھی۔ اور یہ اس وقت ہے جب وہ کام اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف

ہو۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ علامہ ابن اثیر جزری نے کہا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان

” نعمت البدعة هذه “ (یہ کتنی اچھی بدعت ہے) اسی نوع سے ہے کیونکہ یہ افعال خیر میں

سے ہے اور مدح میں داخل ہے اسے بدعت کا نام دیا اور اس کی مدح کی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے

اسے ان کے لئے سنت نہیں بنایا تھا آپ نے چند ایام یہ نماز ادا فرمائی اور پھر ترک فرما دیا اس پر

محافظت اختیار نہیں فرمائی اور نہ لوگوں کو اس پر جمع فرمایا نہ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کے



زمانہ میں تھی۔ اس پر تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور ان کیلئے اسے اچھا گردانا اور اسے بدعت کا نام دیا۔ یہ فی الحقیقت سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی“ اور یہ فرمان ”اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر“ اس تاویل کی بناء پر دوسری حدیث ”کل محدث بدعة“ کو اصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔ (لسان العرب ج ۲ ص ۳۲۲)

علامہ نووی بدعت کا شرعی مفہوم لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں ، ”بدعت کا شرعی معنی یہ ہے کہ وہ نیا کام جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہ ہوا اسکی دو قسمیں ہیں، حسنہ اور سیئہ۔ شیخ امام ابو محمد عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو تمام علوم میں ماہر اور فائق ہیں اور جنکی جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ انہوں نے کتاب ”القواعد“ کے آخر میں فرمایا بدعت کی حسب ذیل اقسام ہیں ، واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعد شرعیہ سے موازنہ کیا جائے اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے اگر قواعد تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اگر قواعد استحباب کے تحت داخل ہے تو مستحب ہے اور اگر کراہیت کے تحت داخل ہے تو مکروہ ہے اور قواعد اباحت کے تحت داخل ہے تو مباح ہے۔

بدعات واجبہ کی مثالیں : مثلاً علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن اور حدیث کا سمجھنا موقوف ہے۔ یہ اس لئے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول بھی واجب ہے اور قرآن و حدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جس پر کوئی واجب موقوف ہو تو وہ بھی واجب ہوتا ہے دوسری مثال ہے قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کیلئے علم لغت کا حاصل کرنا تیسری مثال ہے دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا چوتھی مثال ہے سند حدیث میں جرح و تعدیل کا علم حاصل کرنا تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعد شرعیہ اس بات پر دلالت

کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور علوم مذکورۃ الصدر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

**بدعات محرمہ کی مثالیں :** مثلاً قدریہ، جبریہ، مرجیہ اور مجسمہ کے نظریات (موجودہ دور میں مرزائیت، پرویزیت، رافضی، اسماعیلی، جکڑالوی اور نجدی نظریات) اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہیں۔ یہ بدعات مستحبہ کی بعض مثالیں ہیں سرائے اور مدارس بنانا اور اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہ تھا جماعت تراویح، تصوف کی دقیق ابحاث، بدعتیہ فرقوں سے مناظرے اس مقصد سے جلے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے رضائے الہی مقصود ہو۔

**بدعات مکروہہ کی مثالیں :** مساجد کی زیب و زینت (متاخرین نے اس کی

اجازت دی ہے) مصحف قرآن کو مزین کرنا (متاخرین نے اس کی اجازت دی ہے)

**بدعات مباحہ کی مثالیں :** مثلاً صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے

پینے، پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت اختیار کرنا سبز چادریں اوڑھنا کھلے آستین قمیص پہننا ان امور میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے ان امور کو بدعات مکروہہ میں داخل کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو عہد رسالت اور عہد صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے۔ جیسے نماز میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ جہر پڑھنے میں سنت ہونے، نہ ہونے کا اختلاف ہے۔ یہاں تک امام عبدالعزیز بن عبدالسلام کا کلام ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں امام بیہقی نے مناقب شافعی میں اپنی سند کے ساتھ امام شافعی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدعات کی دو قسمیں ہیں ہیں، ایک وہ جو کتاب، سنت، اثر اور اجماع کے خلاف ہو یہ بدعت سیئہ ہے۔ دوسری قسم وہ نئے کام ہیں جن میں خیر ہو ان میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے اور یہ بدعت غیر مذموم ہے۔ حضرت عمر نے رمضان میں جماعت قائم

کروا کر فرمایا یہ اچھی بدعت ہے، یعنی یہ وہ کام ہے جو پہلے نہیں تھا کیونکہ یہ شریعت کے خلاف نہیں ہے یہ امام شافعی کی مکمل عبارت ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۲۲، ۲۳)

علامہ شوکانی نے ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے بدعت کی پانچ اقسام بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں بدعت لغت میں اس فعل کو کہا جاتا ہے جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اور اصطلاح شرع میں سنت کے مقابلہ میں بدعت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مذموم ہے تحقیق یہ ہے کہ بدعت اگر کسی ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں مستحسن ہے یہ بدعت حسنہ ہے اور اگر ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں قبیح ہے تو یہ بدعت سیئہ ہوگی۔ ورنہ بدعت مباحہ ہے اور بلاشبہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۲۵)

محدثین اور علماء کی ان مذکورہ تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ ہر بدعت، بدعت سیئہ اور موجب قباحہ نہیں ہے بلکہ بعض اوقات وہ واجب، مستحب اور مباح ہوتی ہے اور کبھی کبھی وہ حرام یا مکروہ ہوتی ہے۔ اور بدعت جسکی اصل شریعت میں موجود ہو اس کا ارتکاب کسی بھی طرح قبیح نہیں ہو سکتا اور ہر وہ کام جس کی اصل قرآن و سنت میں موجود وہ بدعت حسنہ اور جسکی اصل موجود نہیں ہوگی وہ بدعت سیئہ کے زمرے میں داخل ہوگی اور مذموم ہوگی۔

۲۔ آثار قدیم: بعض نے آثار ہم سے مراد نیکی یا برائی کی طرف جاتے ہوئے قدموں کے نشانات لئے ہیں، علامہ بغوی ابو سعید بن خدری سے روایت کرتے ہیں کہ بنو مسلمہ نے اپنے گھروں کے مسجد سے دور ہونے کی شکایت کی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی و نکتب ما قدموا و آثارہم (☆ تفسیر بغوی سورۃ یسین زیر آیت مذکورہ ص ۲۰۷ ج ۵)

قنادہ نے اس کی تفسیر میں کہا اے ابن آدم اگر اللہ تعالیٰ تیرے کسی کام سے غافل ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ ان نشانات سے غافل ہو جاتا جنہیں ہوائیں مٹا دیتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعمال اور قدموں کے ان نشانات کو بھی احاطے میں لے رکھا ہے جو اس کی اطاعت میں اٹھے ہیں اور جو اس کی معصیت میں اب تم میں سے جو استطاعت رکھتا ہو کہ اس کے آثار اللہ کی اطاعت



میں لکھے جائیں اسے چاہئے کہ وہ ایسا ہی کرے۔ (تفسیر ابن کثیر سورۃ یس زیر آیت مذکورہ ص ۵۸۳ ج ۳)  
اس معنی کی تائید میں کئی احادیث بھی مروی ہیں۔

جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں مسجد نبوی کے ارد گرد کچھ قطعات اراضی خالی تھی۔ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ مسجد نبوی کے قریب منتقل ہو جائیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم مسجد نبوی کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو۔ تو انہوں نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یابنی سلمۃ دیار کم تکتب اثار کم دیار کم تکتب اثار کم (☆ صحیح المسلم شریف کتاب المساجد باب فضل کثرة الخطا الی المساجد تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۳ زیر آیت مذکورہ)

یعنی اے بنو سلمہ تم اپنے محلہ میں ہی قیام کرو کیوں کہ تمہارے آثار قدم لکھے جائیں گے۔

ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ بنو سلمہ مدینہ کے ایک کنارے پر آباد تھے۔ انہوں نے مسجد نبوی کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی انا نحن نحیی الموتی و نکتب ما قدموا اثارہم تو حضور ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا ان اثار کم تکتب تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔ پس وہ منتقل نہ ہوئے۔

(☆ جامع ترمذی کتاب التفسیر باب من سورۃ یس تفسیر ابن کثیر زیر آیت مذکورہ)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مدینہ میں وصال فرما گیا۔ حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی اور فرمایا یا لیتہ مات فی غیر مولدہ اے کاش یہ اپنے مولد (جائے پیدائش) کے علاوہ کسی جگہ وصال فرماتا۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ کیوں؟ تو آپ نے فرمایا ان الرجل اذا توفی فی غیر مولدہ فیس له من مولدہ الی منقطع اثرہ فی الجنة جب آدمی اپنے مقام تولد کے سوا دوسری جگہ انتقال کرتا ہے تو اس کے مولد سے انقطاع اثر تک جنت سے ناپ دیا جاتا ہے۔

(☆ نسائی کتاب التفسیر باب من سورۃ یس ابن ماجہ کتاب زیر آیت مذکورہ ابن کثیر)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں پہلے اور دوسرے قول میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

لاتنافی بینہ و بین الاول بل فی هذا تنبیہ ودلالة علی ذالک بطریق الاولی  
والآخر فانه اذا كانت هذه الآثار تکتب فلان تکتب تلک التی فیها قدوة بهم  
من خیر او شر بطریق الاولی

یعنی آثار کی تفسیر جو دوسرے قول کے مطابق آثار قدم سے کی گئی ہے یہ اس بات پر  
تنبیہ ہے کہ آثار قدم لکھے جاتے ہیں تو آدمی جو نیک یا بد اثر چھوڑے اور جس میں اس کی اقتداء  
کی گئی ہے وہ بدرجہ اولیٰ اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جائے گا۔

(☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۷۳ زیر آیت مذکورہ)

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ۝۱۳  
اور بیان فرمائیے ان کے سمجھانے کے لئے مثل اس گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہیں (ہمارے) رسول۔ جب ہم نے  
إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا  
انکی طرف دو رسول بھیجے تو انھوں نے ان کو جھٹلایا۔ پس ہم نے (انھیں) تیسرے رسول سے تقویت پہنچائی۔ تو ان سب (میںوں)  
إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ ۝۱۴ قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ  
نے کہا ہم تمہاری طرف بھیجے گئے (رسول) ہیں۔ بستی والوں نے کہا تم تو ہماری طرح انسان ہی ہو۔ اور خدائے رحمن  
الرَّحْمَنِ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ۝۱۵ قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ  
نے کسی چیز کو اتنا راہی نہیں تم محض جھوٹ بول رہے ہو۔ رسولوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہمیں یقیناً  
إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ۝۱۶ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝۱۷  
تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور ہم پر بجز پیام حق صاف اور کھول کر پہنچانے کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں۔  
قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ  
وہ بستی والے کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لئے فال بد سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم آپ کو سنگسار کر دیں گے اور ہماری  
مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۸ قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ  
جانب سے تمہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔ رسولوں نے فرمایا تمہاری فال بد تمہیں نصیب ہو۔ (تعجب ہے) اگر تمہیں نصیحت کی  
قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝۱۹ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَّسْعَى  
جائے (تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو) دراصل تم حد سے بڑھ جانے والے ہو۔ اسی دوران شہر کے پرلے کنارہ سے ایک شخص  
قَالَ يَقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۝۲۰ اتَّبِعُوا مَن لَّا يَسْأَلْكُمْ أَجْرًا  
دور تا ہوا آیا اور کہا اے میری قوم! رسولوں کی پیروی کرو۔ ان پاکباز بستیوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے  
وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ۝۲۱ وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ  
اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں اس آستی کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔ اور اسی کی  
تَرْجِعُونَ ۝۲۲ أَتَأْخُذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْ يُرْذَنَ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ  
طرف تم سب نے پلٹ کر جاتا ہے کیا (میرے لئے جائز ہے کہ) میں اسے چھوڑ کر دوسرے معبود بنالوں؟ (جہاں نہیں)



لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُون ۝ (۳۳) اِنِّیْ اِذَا لَفِیْ

حالات اگر خمن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا کام آسکتی ہے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہیں (اگر میں شرک

ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ ۝ (۳۴) اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنَ ۝ (۳۵) قِیْلَ

عکم ہوا جنت کروں تو کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا (پس کان کھول کر) میرا اعلان سن

اَدْخِلِ الْجَنَّةَ قَالَ یٰلَیْتُ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۶) بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ

لو۔ میں داخل ہو جا۔ اس نے کہا کاش میری قوم کو علم ہو جاتا کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے

وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ ۝ (۳۷) وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِیْ مِنْۢ بَعْدِہٖ

باعزت لوگوں میں شامل فرمالیا ہے۔ اور ہم نے اس (کی شہادت) کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے

مِنْۢ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا کُنَّا مُنْزِلِیْنَ ۝ (۳۸) اِنْ کَانَتْ اِلَّا صٰیْحَةً

کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہی ہمیں اس کی ضرورت تھی۔ بس ایک گرج ہوئی اور

وَاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خَامِدُوْنَ ۝ (۳۹) یٰۤاَحْسِرَةُ عَلٰی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْہُمْ مِنْۢ

وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے۔ صدافسوس ان بندوں پر جو بھی رسول ان کے پاس آیا

رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَهْزِئُوْنَ ۝ (۴۰) اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلٰکْنَا قَبْلَہُمْ

اس کا مذاق ہی کرتے رہے۔ کیا انھیں علم نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے

مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْہُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝ (۴۱) وَاِنْ کُلٌّ لِّمَا جَمِیْعٌ لَّدٰیْنَا

(اور) وہ آج تک ان کی طرف پلٹ کر نہیں آئے۔ اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر

مُحْضَرُوْنَ ۝ (۴۲)

دیا جائے گا۔

کیا مرسلین عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے؟:

تمام مقدمین مفسرین قتادہ، ابن عباس، عکرمہ اور کعب احبار وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے قریہ سے مراد "انطاکیہ" ملک شام کے ایک شہر کو لیا ہے جس کے بادشاہ کا نام <sup>نطینش</sup> ابن انطینش تھا۔ جو بت پرست تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی طرف تین رسولوں صادق، صدوق اور شلوم کو بھیجا تو ان لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی جس کے باعث انھیں ہلاک کر دیا گیا۔

علامہ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں اسلاف میں سے کثیر نے قریہ سے مراد انطاکیہ لیا ہے اور یہ کہ تینوں حضرات حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرستادہ تھے۔ جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے لیکن متاخرین نے اس تفصیل کو ماننے سے انکار کیا اس کی کئی وجوہات ہیں۔

(۱) اس قصہ کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جن حضرات کو بھیجا گیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے نہ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرستادہ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اذ ارسلنا الیہم اثنین فکذبوہما فعززا بثالث فقالوا انا الیکم مرسلون" الی ان قال "ربنا یعلم انا الیکم لمرسلون وما علینا الا البلاغ المبین"

معلوم ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے نہ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواری۔ اگر وہ حواری ہوتے تو ان کے کلام کا انداز جدا ہوتا اور پھر کفار یہ بھی نہ کہتے ان اتم الا بشر مثلنا تم نہیں ہو مگر ہماری طرح بشر۔

(۲) اہل انطاکیہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواریوں کے ہاتھوں پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے اور انطاکیہ وہ پہلا شہر ہے جس کے باشندے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر ایمان لائے اسی وجہ سے نصاریٰ کے نزدیک انطاکیہ چار مقدس شہروں میں سے ایک شہر ہے جب یہ بات متحقق ہو گئی کہ اہل انطاکیہ سب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سب سے پہلے ایمان لائے تو معلوم ہوا قریہ سے مراد انطاکیہ نہیں ہے کیوں کہ اس آیت مبارکہ میں ایسے شہر کا ذکر ہے جس کے باشندوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی۔ انھیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور انھیں سنگسار کرنے کی دھمکیاں تک دیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک چنگاڑ

کے ذریعے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ کسی بھی تاریخ میں یہ بات نہیں ملتی کہ انطاکیہ پر عذاب الہی کبھی نازل ہوا ہو اور اسے نیست و نابود کر دیا گیا ہو۔

(۳) انطاکیہ میں مسیح کے حواریوں کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ نزول تورات کے بعد وقوع پذیر ہوا ہے جب کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نزول تورات کے بعد کسی قوم کو بھی عذاب نازل کر کے ہلاک نہیں کیا گیا۔ بلکہ مومنین کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا اس سے بھی معلوم ہوا کہ قرآن میں مذکورہ قریہ سے مراد کوئی دوسرا شہر ہوگا نہ کہ انطاکیہ یا یہ کوئی دوسرا غیر معروف انطاکیہ ہوگا۔ کیوں کہ اس مشہور انطاکیہ شہر کا کسی بھی ملت یہاں تک کہ نصاریٰ اور ماقبل ملتوں میں اس کے تباہ و برباد ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے۔

(☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۸ زیر آیت ان کانت الا صیحة واحدة)

قرآن کریم کے اس قصہ کو بیان کرنے کا مقصد کفار و مشرکین کو عبرت دلانا تھا اور انہیں کفر و شرک، ہٹ دھرمی، عناد، تعصب اور انکار حق پر اصرار کی صورت میں انجام بد سے ڈرانا مقصود تھا نہ کہ کسی شہر یا رسولوں کی تعین مقصود تھا۔ رسولوں یا گاؤں کا تعین نہ تو قرآن حکیم میں کسی جگہ پر ملتا ہے اور نہ ہی حدیث مبارکہ میں لہذا ہمیں بھی تعین کئے بغیر فقط اس کے مقصد پر نظر رکھنی چاہئے اور بقول ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری مستشرقین کو اسلام پر اعتراض کا ایک اور موقع نہیں دینا چاہئے۔

رسولوں کی بشریت پر کفار کا اعتراض کرنا:

اللہ تعالیٰ نے ابتدا بستی والوں کی ہدایت کے لئے دور رسولوں کو مبعوث فرمایا لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کے بتلائے ہوئے راستے پر چلنے سے انکار کیا۔ انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی تقویت کے لئے تیسرے نبی کو بھیجا تا کہ سب مل کر توحید باری کو عام کریں دنیا سے کفر و شرک کا خاتمہ کر کے دین الہی کو عام کر دیں اور بھٹکی ہوئی مخلوق کو دوبارہ خالق حقیقی سے ملا لیں انبیاء کرام نے اپنی نبوت و رسالت کی تصدیق کے لئے معجزے دکھائے لیکن وہ کور باطن محض ہٹ دھرمی، جاہلی تعصب اور کبر و نخوت کے باعث اسلام قبول کرنے



سے باز رہے اور مسلسل انبیاء کرام کی تکذیب کرتے رہے انھیں انبیاء کرام کی شکل ظاہری ہی سے دھوکہ ہوا اور انہیں اپنے جیسا بشر محض سمجھ کر جھٹلادیا اور انبیائے کرام کی جبین سعادت پر چمکنے والے نور کو دیکھنے سے محروم رہے۔ انہیں انبیاء کرام کا قد و قامت، چلنا پھرنا، کھانا پینا اور ان کے دیگر احوال اپنے جیسے محسوس ہوئے۔ اور یہ سوچ بیٹھے کہ بھلا ہم جیسا انسان ہم ہی کو ہدایت پر لانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو بنی نوع انسان کی ہدایت ہی مطلوب تھی تو کسی اعلیٰ و افضل اور مافوق الفطرت ہستی مثلاً فرشتہ وغیرہ کو نازل کیوں نہیں کیا۔ یہ اعتراض صرف انھوں نے ہی نہیں کئے بلکہ یہی اعتراض قریش مکہ نے حضور ﷺ پر بھی کیا تھا۔ ”انزل علیہ الذکر“ (سورہ ص: ۸) کیا اس پر نصیحت کو نازل کیا گیا اور یہی اعتراضات قریباً قریباً ہر نبی کو اس کی امت نے کیا۔ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے آپ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”ما هذا الا بشر مثلكم يريد ان يتفضل عليكم ولو شاء الله لازل ملئكة ما سمعنا بهذا في ابائنا الاولين“ (المومنون ۲۳)

ترجمہ: یہ تو ہمارے جیسے بشر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے یہ تم پر صرف اپنی بزرگی جتلاتا چاہتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی رسول کو بھیجنا چاہتا تو وہ آسمان سے فرشتوں کو نازل فرماتا۔ ہم نے یہ بات اپنے آباؤ اجداد سے بھی نہیں سنی۔

اسی طرح تقریباً تمام قوموں نے اپنے انبیاء کو جھٹلاتے ہوئے کہا۔

اسی طرح ان کا یہ قول جو قرآن نے بطور حکایت نقل کیا ہے ”ما هذا الا بشر

مثلكم يا كل مما تاكلون و يشرب مما تشربون ولئن اطعمتم بشرا مثلكم انکم اذا لخاسرون“ (المومنون ۳۲/۳۳)

ترجمہ: اے لوگو! یہ تمہاری طرح کا ایک بشر کے سوا کچھ نہیں ہے تمہاری طرح ہی یہ وہی خوراک کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور اسی طرح یہ بھی پیتا ہے جس سے تم پیتے ہو اگر تم اس کی پیروی کرنے لگے تو تم سب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔

ان کی رائے میں انسان نہ تو نبی ہو سکتا ہے اور نہ ہی انسان کی راہنمائی اور رہبری کا فریضہ سرانجام دے سکتا ہے ان کے گمان میں اللہ تعالیٰ کو نبی بنانے کا اختیار بھی حاصل نہیں ہے کیوں کہ وہ واجب الوجود اور زبردست قدرتوں کا مالک ہے اور ہم انسان سب برابر۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ہم میں سے کسی ایک کو ترجیح دے کر اسے نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کرے اسی لئے انھوں نے انبیاء کرام کے معجزات کو دیکھنے کے باوجود انکار کر دیا۔ قرآن ان کی اس روش کا اظہار ان الفاظ میں فرماتا ہے ”وَذَالِكَ بـانـہ کانت تاتـیہـم رسلہـم بالبـینـت فـقالـوا ابـشـر یـہـدونـا فـکـفـروا و تـولـوا و اسـتـغـنی اللہ واللہ غنی حمید“ (التغابن: ۶)

ترجمہ: اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے پس انھوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے بے نیاز ہو گیا۔

یعنی انھیں اس بات سے تعجب ہوا کہ انسان بھی انسان کی رہبری کر سکتا ہے لہذا انھوں نے انکار کر دیا ”قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تريدون ان تصدوننا عما كان يعبد اباؤنا فانتونا بسلطن مبین“ (ابراہیم: ۱۰)

ترجمہ: ان نادانوں نے کہا تم ہماری طرح کے ایک بشر کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو ان بتوں کی عبادت سے جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے پس ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لے آؤ۔

ان کے نزدیک رسالت کے لئے موزوں صرف برتر مخلوق فرشتے ہی ہو سکتے ہیں۔

”ولو شاء اللہ انزل ملئکة ما سمعنا بهذا فی ابائنا الاولین“ (مؤمن: ۲۳)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کسی فرشتہ کو نازل فرماتا ہم نے اپنے سابقہ آباؤ اجداد سے یہ بات نہیں سنی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اسی نظریے نے انھیں قبول حق سے روک رکھا۔

”ما منع الناس ان يؤمنوا اذ جاءهم الهدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا

رسولا“ (بنی اسرائیل: ۹۴)

ترجمہ: لوگو! کہ ہدایت آنے کے بعد ایمان لانے سے صرف اسی چیز نے روکے رکھا کہ وہ کہتے تھے کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے رد میں فرماتا ہے ”اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ“ (انعام: ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ رسالت کہاں رکھے اور اللہ یجتبیٰ الیہ من یشاء (الشوری: ۱۳) اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی طرف جن لیتا ہے۔

اور بڑی صراحت کے ساتھ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بشری کو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے فرمان الہی ہے ”قل لو کان فی الارض ملئکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیہم من السماء ملکاً رسولاً“ (بنی اسرائیل: ۹۵) فرمادیتے آگر زمین پر فرشتے سکونت اختیار کرتے اور اطمینان کے ساتھ چلتے تو ہم آسمان سے فرشتوں کو رسول بنا کر مبعوث فرماتے۔

یعنی رسول کی آمد کا مقصد تعلیم و ہدایت ہے جب زمین پر بسنے والے انسان ہیں تو ان کی رہنمائی کا فریضہ بھی ایک انسان ہی بہتر اور خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔ اگر زمین پر بسنے والے فرشتے ہوتے تو ان کی ہدایت کے لئے نبی بھی فرشتہ کی جنس سے مبعوث ہوتا لیکن جب زمین پر انسان آباد ہے تو ضروری ٹھہرا کہ ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے بھی انسان ہی کو نبوت و رسالت کا تاج سجا کر مبعوث کیا جائے۔

خود انبیاء کرام کی زبانوں سے بھی اس کا صاف صاف اعلان کر دیا کہ ہم انسان ہی ہیں لیکن ہم پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و انعام ہے اور جن فضائل و کمالات اور اوصاف حمیدہ، ہمیں نوازا ہے ان سے آپ لوگ محروم ہیں ہمیں تم اپنے جیسا بشر مت سمجھو ”ان نحن الا بشر مثلکم ولكن الله یمن علی من یشاء من عباده وما کان لنا ان ناتیکم بسلطن الا باذن الله وعلی الله فلیتوکل المؤمنون“ (ابراہیم: ۱۱)

ترجمہ: ہم تمہاری طرح ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے احسان فرمادیتا ہے اپنے



بندوں میں سے اور ہمیں یہ طاقت نہیں ہے کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی دلیل اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اور مؤمن صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔

یعنی ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ ہم بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم صرف ہماری ظاہری صورت دیکھ کر اپنے آپ پر ہمیں قیاس کرنے لگے ہو۔ ہمارے باطنی کمالات و فضائل اور وہ استعدادیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل خاص سے عنایت فرمائی ہیں۔ وہ تمہیں نظر نہیں آرہی۔ جن پر رسالت کا دار و مدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے معجزات سے بھی نوازا ہے اور ہماری عزت افزائی فرمائی ہے۔

### کیا بنی عام بشر کی طرح ہیں؟

”قل انما انا بشر مثلكم“ (فرمادیجئے کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں) کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حضور ﷺ ہم جیسے ہی ایک عام بشر ہیں۔ تشبیہ میں ”من کل الوجوه“ برابری مقصود نہیں ہوا کرتی بلکہ کسی ایک وصف میں مشابہت کافی ہوا کرتی ہے۔ قرآن کی اس آیت کا اگلا حصہ بتا رہا ہے کہ یہ برابری اور مشابہت صرف اس بات میں ہے کہ میرا اور آپ کا رب صرف ایک ہے میں بھی اس کی عبادت کرتا ہوں اور آپ بھی اس کی عبادت کرتے ہیں۔ ورنہ میری طرف تو وحی نازل ہوتی ہے یہ وہ وصف خاص ہے جو مجھے بلکہ جمیع گروہ انبیاء و رسل کو عام بشریت کی صف سے ممتاز کر کے انہیں ایک اعلیٰ مقام عطا کرتے ہیں۔ جس طرح نطق کی صفت انسان کو باقی جمیع حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔

امام غزالی رقم طراز ہیں، نبوت ان اوصاف کو کہا جاتا ہے جو نبی کے ساتھ خاص ہوں اور ان اوصاف کی وجہ سے نبی اپنے غیر سے ممتاز ہو اور یہ کئی قسم کے خصائص ہیں۔ نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور آخرت کے حقائق کو اس طرح جانتا ہے جس طرح اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ نبی کو انکی جتنی معلومات ہوتی ہیں اور ان پر جتنا یقین ہوتا ہے کسی اور کو نہیں۔ نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح غیر نبی کو افعال اختیار یہ پر قدرت ہوتی ہے اس طرح نبی کو فارق العادة افعال پر قدرت ہوتی ہے۔ نبی کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے کہ وہ فرشتوں

کو دیکھتا ہے عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے اور وہ مستقبل کے امورِ غیبیہ کا ادراک کر لیتا ہے اور لوح محفوظ میں انہیں پڑھ لیتا ہے وغیرہ۔ (احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۱۸۹، ۱۹۰)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو واضح سکھائی تاکہ آپ کی امت آپ کی خلق پر بھٹک نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ فرمائیں میں تمہاری طرح آدمی ہوں مگر مجھے وحی کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عزت بخشی ہے میری طرح کی جاتی ہے کہ تم سب کا ایک معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس میں فتنہ کا سد باب کرنا ہے جس میں عیسائیوں کو مبتلا کیا گیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے موتی کو جلا بخشتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو اپنی عبودیت اور توحید باری تعالیٰ کا اقرار کرنے کا حکم دیا کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔

(تفسیر مظہری آیت مذکورہ سورہ کہف: ۱۸ آیت ۱۱۰)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ ”متی وجبت لک النبوة“ تو آپ نے فرمایا ”وادم بین الروح والجسد“  
ہذا حدیث حسن صحیح، غریب۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ)

جو تخلیق آدم سے پہلے نبی ہوا اسکی حقیقت کیا ہوگی ابن قیم کا اس حدیث ”كنت نبياً وادم بین الماء والطین“ اور ”كنت نبياً ولا ماء ولا طین“ کی اصل سے انکار اور علامہ خفاجی کا رد کہ انکی اصل ترمذی کی مذکورہ حدیث ہے جو صحیح ہے اور محدثین کے نزدیک روایت با لمعنی جائز ہے اور علم الہی میں نبی ہونے کو مان لینے میں نبی کریم ﷺ کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ ابن قسطن نے اپنی کتاب ”کتاب الاحکام“ میں امام زین العابدین عن حسن بن علی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ فرمایا ”كنت نوراً بین یدی ربی قبل خلق ادم باربعة عشر الف عام“ (میں آدم کی تخلیق سے چودہ ہزار سال قبل رب کے



ہاں نبی تھا) اور حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا گیا تو آپ نے فرمایا ”نور نبیک“ (مسند عبدالرزاق)

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، غور طلب بات یہ ہے کہ یہ مماثلت کس چیز میں ہے مراتب و درجات و ہمی ہوں یا کسی، کمالات علمی ہوں یا عملی، عادات و خصائل روح پر نور بلکہ جسم عنصری تک میں کسی کو مماثلت تو کجا ادنیٰ مناسبت بھی نہیں۔ پھر یہ مماثلت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کونسی ہے اور کہاں پائی جاتی ہے؟ یقیناً صرف ایک بات میں پائی جاتی ہے اس کا وہی خالق و مالک ہے جو تمہارا ہے (ضیاء القرآن ج ۳ ص ۶۰ سورہ کہف آیت ۱۸)

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری مولانا روم کے اشعار کو جو انھوں نے ان لوگوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے تحریر کئے ہیں نقل فرمائے ہیں مولانا روم لکھتے ہیں:-  
گفت اینک مابشر ایشاں بشر مادیشاں بستہ خوانیم و خور  
یعنی کفار نے کہا ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں ہم بھی کھاتے ہیں اور سوتے ہیں اور وہ بھی۔  
ایں ندانند ایشاں ازما ہست فرق درمیاں بے انتہا  
ان اندھوں نے یہ نہ جانا کہ ان کے درمیاں اور انبیاء کے درمیاں بے انتہاء فرق ہے۔  
ہر دو یک گل خورد و زبن و نخل زان یکے شدنیش ذان دیگر مسل  
ویسے تو زہور اور شہد کی مکھی ایک ہی گل سے خوراک حاصل کرتی ہیں لیکن وہاں ڈنک نمودار ہوتا ہے اور یہاں شہد

ہر دو گول آہو گیاه خورد و آب زین یکے سرگیں شد زان مشک ناب  
دونوں قسم کے ہرن ایک ہی قسم کے گھاس کھاتے ہیں لیکن ایک سے صرف لید نکلتی ہے اور دوسرے سے خالص کستوری۔

ایں خورد گردد پلیدی زان جدا و ان خورد گردد ہماں نور خدا  
کافر کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور نبی کھاتا ہے تو وہ نور خدا بن جاتا ہے۔  
(☆ ضیاء القرآن ج ۲ ص ۵۰۸ زیر آیت مذکورہ)



اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک بھی قل کفی باللہ بینی و بینکم شہیدا  
يعلم ما فى السموات والارض والذين امنوا بالباطل و كفروا باللہ اولئک ہم  
الخاصرون (العنکبوت ۵۲)

ترجمہ:- آپ فرمادیجئے اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کافی ہے وہ جانتا ہے جو کچھ  
زمینوں اور آسمانوں میں ہے۔ اور وہ لوگ جو باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے  
ہیں وہ خسارے میں ہیں۔

حضور ﷺ کو بشر کہنے کا حکم:

حضور ﷺ کی بشریت کا مطلق انکار کرنا سراسر غلط ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضور ﷺ  
کو بشر کہنا درست ہے یا غلط اور اس پر جملہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم  
کرنا فرض ہے۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی فرماتے ہیں، لفظ بشر مفہومنا اور مصداقا متضمن بکمال ہے کیونکہ  
حضرت آدم علیہ السلام کو بشر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا  
فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے ”یا ابلیس ما منعک ان لا تسجد لما خلقت بیدی“  
کیونکہ اس پیکر خاکی کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ لگنے کی عزت نصیب ہوئی اس لئے اسے بشر کہا  
گیا۔ اس خاک کے پتلے کی اس سے بڑھ کر کیا عزت افزائی ہوگی نیز یہی بشر ہے جو آپ کے  
الفاظ میں کمال استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت کمال سے محروم  
ٹھہرے۔ یہ دونوں چیزیں اگر ذہن میں ہوں تو بشر کہنا عین تعظیم و تکریم ہے مگر چونکہ اس کمال  
تک ہر کس و ناکس سوائے اہل تحقیق و اہل عرفاں رسائی نہیں رکھتا لہذا اطلاق بشر میں خواص بلکہ  
اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کیلئے جائز اور عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ  
دال بر تعظیم ناجائز ہے۔ (فتاویٰ مہر یہ ص ۱۰)

اس بحث سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کو اپنی مثل بشر قرار دینا کفار کا شیوہ ہے اور انکی

عادت ہے جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء کرام بشر تو ہیں لیکن بشر کی طرح نہیں ہیں جیسے یاقوت پھرتو ہے لیکن پتھر کی طرح نہیں۔ خود حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ”ایکم مثلی ابیت عند ربی فہو یطعمنی ویسقینی“ تم میں سے کون میری مثل ہے میں اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔

حضور ﷺ ملکیت کی نفی فرمائیں لیکن آج چودھویں صدی کے ملاں اس کا اثبات کریں اس فکر اور سوچ پر ہم ماتم ہی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

آیت میں موجود احتمالات اور معنی آیت:

آیت کے اس حصہ میں دو قسم کے احتمالات ہیں۔ (پہلا) یہ پہلے شبہ کا تہہ ہے اس صورت میں یہ سارا ایک ہی شبہ ہوگا تو گویا انھوں نے یہ کہا کہ تم بشر ہو اس لئے تم اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجے نہیں گئے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف آسمانی ہدایت بذریعہ وحی نازل کی ہے تو تم نبی کیسے بن گئے؟ اور ہم پر آپ کی اطاعت کیوں کر واجب ہوگئی؟ یہ شبہ انھوں نے مرسلین کی جانب نظر کرنے پر کیا۔

(دوم) یہ مستقل طور پر دوسرا اعتراض ہے جو مرسل یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب نظر کرتے ہوئے کیا۔ کیوں کہ ان کے گمان میں پہلے تو اللہ کوئی ہے ہی نہیں جیسے بعض آثار میں مروی ہے کہ انھوں نے کہا تھا النسا الہة سوى الہنا کیا ہمارے الہوں کے علاوہ بھی کوئی دوسرا معبود ہے؟ اور اگر واقعی کوئی ایسی ہستی ہے بھی جو زمین و آسمان کی خالق و مالک ہے جو سمندروں اور پہاڑوں جیسی عظیم اشیاء کی تخلیق پر قدرت رکھتی ہے جو اتنے کمالات سے متصف ہے تو اس کے لئے مناسب ہی نہیں کہ وہ زمین کی حقیر مخلوق کے لئے قانون حیات اور دستور حیات مرتب کرتی رہے۔ دوسرا ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ تو عالم علوی میں تصرف کرتا ہے عالم سفلی تو عالم علوی میں رہنے والوں کے تصرف میں ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے زمین والوں پر نہ تو کسی چیز کو نازل کیا ہے اور نہ ہی تمہارے اوپر کسی وحی کو نازل کیا ہے لہذا تم نبی کیسے اور کہاں سے بن گئے؟ اس لئے تمہارا دعوت نبوت بالکل سرتاسر جھوٹ اور کذب پر مشتمل ہے ہم اس کو قبول کرنے پر ہرگز راضی نہیں۔

## (۱۶) رسولوں کی یقین دہانی اور کفار کا انکار:

انھوں نے حلف اٹھا کر ان بد بختوں کو اپنی صداقت اور اللہ کے رسول ہونے کی یقین دہانی کرانے کی کوشش کی جب انھوں نے اپنی رسالت پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔ استشهدوا بعلم اللہ تعالیٰ وهو جار مجری القسم فی التاکید والجواب بما یجاب به (☆ روح المعانی ج ۱۱ سورۃ لیس آیت مذکورہ)

اور انھیں اللہ تعالیٰ کے علم سے معارضہ (مقابلہ) سے ڈرانا بھی مقصود ہے۔ اس میں ان کے اس قول کا کہ آپ بشر ہیں کار د بھی ہے کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ رسول ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مانند ہوگا اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کو کہاں رکھے اور کس کو رسول بنائے۔

انھوں نے اہل قریہ کو صاف صاف بتا دیا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو من وعن دلائل و حجج اور معجزات سے مبرا بن کر کے آپ تک پہنچا دیا ہے اب اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا آپ کا کام ہے اب ہم اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں۔ ہم آپ کو ایمان قبول کرنے پر نہ تو مجبور کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی صداقت کا علم آپ کے دلوں میں ڈال سکتے ہیں اگر تم ایمان لے آئے تو اس میں تمہارا اپنا بھلا ہے ورنہ تمہیں تمہاری سرکشی، عناد محض اور جاہلی حمیت کے باعث اسلام سے اعراض برتنے پر عذاب الہی کی بھٹی میں پگھلنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

ان کا یہ قول وما علینا الا البلاغ المبین اس میں انھیں غور و فکر کرنے پر ابھارنا بھی مقصود تھا کہ جب وہ اس شب و روز کی تبلیغ پر نہ ان سے کسی ریاست کا مطالبہ کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی اجر کا تقاضا کرتے ہیں بلکہ بے لوث، للہیت اور رضائے الہی کے تحت بڑے مؤثر انداز میں مشکلات سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی تبلیغ بجالا رہے ہیں تو یہ بات عاقل اور تھوڑی بہت سمجھ رکھنے والے کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنے کا تقاضا کرتی ہے اور اسے غور و فکر پر ابھارتی ہے۔



## کفار کا انبیاء کرام پر اتہام:

انبیاء کرام کی شب و روز کی تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کے تہجد اور سرکشی میں مزید اضافہ ہوا اللہ تعالیٰ نے انہیں جب مختلف قسم کی آزمائشوں میں مبتلا کیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کر سکیں۔ تو انہوں نے بجائے عبرت پذیری کے ان مقدس ہستیوں پر الزام لگایا کہ یہ مصیبتیں اور یہ تکلیفیں انہیں کی وجہ سے ہم پر نازل ہوئی ہیں۔ جب تک یہ ہم میں موجود نہ تھے ہم خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ درد و الم سے ہم تو واقف ہی نہ تھے ہمارا کاروبار عروج پر تھا۔ زندگی کی مسرتیں ہمارے پہلو بہ پہلو چل رہی تھیں۔ لیکن جب ان رسولوں نے آ کر ہمارے ملک میں ہمارے معبودوں کے خلاف آوازیں بلند کیں ہیں اور ان کی تنقیص کر کے انہیں ہم سے ناراض کر دیا ہے تب سے تو ہم مصائب میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ کبھی بارش روک دی جاتی ہے تو کبھی کوئی دوسری وبا پھوٹ پڑتی ہے اور کبھی ہمارے کاروبار مندے کا شکار ہو جاتے ہیں اس لئے ان کا ہمارے شہر میں قدم رکھنا کسی بھی طرح ہمارے لئے نیک شگون نہیں ہے۔

وہ انبیاء کرام سے مخاطب ہو کر کہتے کہ اب بھی وقت ہے کہ ہمارے معبودوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو ان کی توہین کرنا چھوڑ دو اور ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے سے باز آ جاؤ۔ ورنہ ہم آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر ہلاک کر دیں گے۔ یا پتھر برسار کر آپ کو سنگسار کر دیں گے اور کوئی تمہیں بچانے والا بھی نہ ہوگا۔

صرف وہی لوگ انبیاء کرام سے بدشگونی نہیں پکڑتے تھے بلکہ ان سے قبل اور ان کے بعد دیگر اقوام نے بھی اپنے اپنے نبیوں پر یہی بہتان لگایا اور اپنے مکروہ اعمال کی طرف نظر نہ کی۔ قوم ثمود نے اپنے نبی سے کہا اطیرنا بک وبمن معک (اٹھل ۴۷) ہم آپ اور آپ کے پیروکاروں کو برا شگون سمجھتے ہیں۔

قوم موسیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بدشگونی پکڑی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاذا جائتہم الحسنۃ قالوا لنا ہذہ وان تصبہم سیئۃ یطیروا بموسیٰ ومن معہ

(۱۱ اعراف ۱۳۰) جب ان پر خوشحالی کا دور آتا تو کہتے ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر انھیں کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے پیروکاروں سے بدشگونی پکڑتے۔

منافقین نے بھی یونہی حضور ﷺ کے متعلق ہرزہ سرائی کی اللہ تعالیٰ ان کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے وان تصبہم حسنة يقولوا هذه من عند الله وان تصبہم سيئة يقولوا هذه من عندك قل من عند الله (النساء ۷۸) اگر انھیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر انھیں کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں یہ تو آپ کی طرف سے ہے (اے محبوب ﷺ) فرمادیتے کہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

ان سب آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کا شیوہ رہا ہے کہ وہ اپنے اعمال سے صرف نظر کر کے اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبتوں اور مشکلات کا ذمہ دار انبیاء کرام کو ٹھہراتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی زبانوں سے ہی اعلان فرمادیا کہ انھیں بتادو کہ یہ مشکلات اور یہ عذاب تمہیں تمہارے کئے کی سزا دی جاتی ہے۔ قال طائر کم عند الله بل انتم قوم مسرفون (النمل ۴۷) آپ نے فرمایا تمہارا براشگون اللہ تعالیٰ کے پاس ہے بلکہ تم تو فتنہ میں مبتلا کئے گئے ہو۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوا وکل انسان الزمناه طائره في عنقه (الاسراء ۱۱) ہر انسان کی (قسمت کا نوشتہ) اس کے گلے میں ہم نے لٹکا دیا ہے۔

**تطیر کا معنی اور بدشگونی کا حکم:**

تطیر کی اصل پرندوں سے بدشگونی پکڑنا ہے۔ کیوں کہ عرب اکثر پرندوں سے اور ان کی آوازوں سے بدشگونی اور بدفالی پکڑتے اس لئے اب ہر اس چیز پر تطیر کا اطلاق ہوتا ہے جس سے بدفالی پکڑی جائے۔ مشرک قوموں میں فال گیری کی رسم بہت قدیم ہے اور ہر اس چیز سے فال پکڑتے جو ان کے سامنے سے گزرتی۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ عرب پرندوں کی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو سے بعض امور میں فال پکڑتے تھے اسی طرح ان کے غیر معهود اوقات میں بھی ان کی آوازوں سے فال پکڑتے تھے اسی طرح جب کوئی ہرن ان کے پاس سے گزر جاتا دائیں جانب گزرنے کو اچھا اور بائیں جانب گزرنے کو براشگون سمجھتے جب ان کی

دائیں جانب سے بائیں جانب گزرتا تو کہتے من لی بالتسانح بعد البارحة میرے لئے بد فالی کے بعد نیک شگون کیا ہو سکتا ہے۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۴ ص ۱۱۰ ازیر آیت فاذا جاءتهم الحسنة قالوا الناس ص) جب اسلام آیا تو اس نے تمام شگون اور بد فالی کی نفی کر دی چاہے کوئی بھی پرندہ ہر یا کسی بھی قسم کی آواز ہو اور بد فالی کا خاتمہ کر دیا اور ان جاہلی رسموں کی بیک جنبش قلم ممانعت کر دی۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا اقروا الطیور علی مکنا تھا یعنی پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں ہی رہنے دو۔

کیوں کہ جاہلیت کے لوگ جب کسی کام کے ارادے سے نکلتے تو پرندوں کو اپنے گھونسلوں سے اڑاتے۔ اگر وہ دائیں طرف مڑ جاتا تو اسے فال نیک سمجھتے اور اگر بائیں اڑ جاتا تو اسے فال بد سے تعبیر کر کے واپس گھروں میں لوٹ آتے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ عکرمہ نے کہا میں عبد اللہ بن عباس کے پاس موجود تھا۔ ایک پرندہ آواز نکالتے ہوئے گزرا تو ایک آدمی نے کہا خیر، خیر۔ تو ابن عباس نے فرمایا اس کے پاس کیا ہے نہ تو خیر ہے اور نہ ہی شر۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں ہمارے علماء نے فرمایا ہے پرندوں کے اقوال سے خیر و شر پر دلالت نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ ہی انھیں مستقبل کی کوئی خبر ہے اور نہ ہی لوگوں میں سے کوئی پرندوں کی بولی سمجھتا ہے پس تحقیق یہ ہے کہ پرندوں سے بد شگونی پکڑنا باطل ہے۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۴ ص ۹۱ ازیر آیت فاذا جائتهم الحسنة قالوا لنا هذه الخ) حضور ﷺ کا ارشاد ہے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں قال لا عدوی ولا طيرة یعنی نہ پھوت چھات کی کوئی اصل ہے اور نہ طیرہ (بد فالی) کی کوئی حقیقت ہے۔

(☆ صحیح البخاری ج ۲ ص کتاب الطب باب الطیرہ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا الطیرۃ شرک الطیرۃ شرک ثلاثا وما منا الا ولكن الله يذهب بالتوکل (☆ ابوداؤد سنن کتاب الطب باب الکھلۃ والطیر ص ۱۵۴ ابن ماجہ کتاب الطب باب من یحبہ الفال ویکرہ الطیر) آپ نے فرمایا بد شگونی پکڑنا شرک ہے یہ آپ نے تین بار ارشاد فرمایا، اور ہم میں



سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے (جس کو طیرہ کی جانب سے وہم پیدا نہ ہوتا ہو) مگر وہ اسے اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے دور کر سکتا ہے۔

حضور ﷺ نے بدشگونی کو اس لئے شرک قرار دیا کیوں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ خیر و شر کا باعث ہیں اور انہیں سبب مؤثر خیال کرتے تھے۔ اسباب کا ملاحظہ ہی شرک خفی ہے جب اس کے ساتھ سوء اعتقاد بھی مل جائے تو پھر یہ شرک کیسے نہیں بن سکتا۔ پس گویا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا۔

عروہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں بدشگونی کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا احسنھا الفال ان میں اچھا فال ہے ولا ترد مسلما فاذا رای احدکم مایکره فلیقل اللہم لا یاتنی بالحسنات الا انت ولا یدفع السیات الا انت ولا حول ولا قوة الا باللہ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ ابوداؤد کتاب الطب والرقی الفصل الثالث)

پرندہ کسی مسلمان کو واپس نہیں لوٹاتا۔ جب تم میں سے کوئی ایسی چیز دیکھے جسے وہ اچھا نہ سمجھے تو اسے چاہئے کہ وہ کہے اے اللہ اچھائی بھی صرف تیرے ہاتھ میں ہے اور برائی بھی تیرے ہی دست قدرت میں ہے۔ نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے بچنے کی ہمت صرف تیری ہی طرف سے ہے۔

فال پکڑنے کا ثبوت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم علیہ السلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا لا طیرۃ وخیرھا الفال قالوا: وما الفال؟ قال الکلمۃ الصالحۃ یسمعھا احدکم (بخاری شریف ج ۲ ص ۲۸ کتاب الطب باب الطیرۃ)

ترجمہ: طیرہ کی کوئی اصل نہیں ہے ان میں بہترین فال ہے صحابہ نے عرض کی فال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اچھا کلمہ جو تم سے کوئی سنتا ہے۔

## فال اور تطہیر میں فرق:

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ فال اور بدشگونی کے درمیان فرق یہ ہے کہ فال میں اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھا جاتا ہے اور طیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوء ظن رکھا جاتا ہے اس لئے یہ مکروہ ہے۔ ابن بطلال نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے دل میں کلمہ طیبہ کی محبت ڈالی ہوئی ہے اور اس سے انس و محبت پیدا کی ہے جس طرح خوش کن منظر اور صاف پانی کی محبت ان کے دلوں میں ڈالی ہے اگرچہ وہ اس پر ملکیت بھی نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی پی سکتے ہوں۔ امام ترمذی نے حضرت انس سے صحیح حدیث روایت کی ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی سفر پر نکلتے تو آپ یا کُحَّج اور یا راشد کے الفاظ سننے کو زیادہ پسند فرمایا کرتے۔ اور زمانہ جاہلیت میں پرندوں وغیرہ سے بدشگونی پکڑی جاتی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا خاتمہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا میں تکھن آوردہ عن سفر تطیر فلیس منا اور آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا جب کہ یہ اعتقاد ہو کہ پرندے کی حالت ہی اس کے ظن کا موجب ہے اور تدبیر کو اللہ کی طرف منسوب نہ کرے۔ لیکن اگر وہ مدبر اللہ تعالیٰ ہی کو جانتا ہے لیکن اسے شر کا خوف لاحق ہو جاتا ہے کیوں کہ تجارب سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان مخصوص آوازوں یا ان کی ان مخصوص حالتوں کے بعد شر لاحق ہوتا ہے پس اگر اس نے اپنے آپ کو اس پر آمادہ رکھا تو یہ برائی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کی اور شر سے پناہ مانگ لی اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے چلا گیا تو اسے جو خوف لاحق ہوا تھا کچھ بھی ضرر اسے نہیں پہنچے گا۔ ورنہ اس سے مؤاخذہ کیا جائے گا۔

(☆ فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۶۴ کتاب الطب باب ۴۴ الفال)

فال چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہے اور مؤمن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو پسند فرمایا حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ جب کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس سے اس کا نام دریافت کرتے اگر آپ کو پسند آتا تو خوش ہوتے اور اگر ناپسند ہوتا تو اس کے اثرات آپ کے چہرہ پر سے دکھائی دیتے۔ (☆ ابوداؤد کتاب الطب باب الفال ج ۲ ص)

حضور ﷺ نے سفر ہجرت کے موقع پر سہل نام سے فال پکڑا تھا۔ علامہ ابن اثیر جذری  
عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فال پکڑا کرتے تھے بد فالی اور  
بد شگون نہیں پکڑتے تھے۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر حضرت بریدہ اپنے قبیلہ بنی سہم کے ستر  
سواروں کے ساتھ سوار ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو آملے۔ آپ نے فرمایا آپ کن لوگوں میں  
سے ہو؟ انہوں نے عرض کی اسلم میں سے تو رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق کو فرمایا ہم سلامتی  
گئے، پھر آپ نے فرمایا کس قبیلے سے تعلق ہے؟ تو انہوں نے عرض کی بنی سہم سے۔ آپ نے  
فرمایا تمہارا حصہ نکل آیا۔ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۶۴ عنوان بریدہ بن حبیب)

اسی طرح بعض لوگ ماہ صفر سے بد شگونی پکڑتے ہیں اور اسے مصیبتوں اور آزمائشوں  
کا مہینہ قرار دیتے ہیں اور ماہ صفر کے متعلق اس قسم کی باتیں بہت عام ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ  
روایت بھی نقل کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ماہ صفر بڑی صعوبت والا مہینہ ہے آپ  
اس ماہ کے شروع ہونے پر افسردہ ہو جاتے اور اس کے ختم ہونے پر مسرت کا اظہار فرماتے فرمایا ماہ  
صفر میں ایک لاکھ بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ اور یہ روایت بھی ملتی ہے من بشرنی  
بمخرج الصفر بشرته بالجنة (☆ الموضوعات الکبیر ص ۱۱۶)

محدثین نے اس روایت کو ہی بے اصل اور موضوع قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضور ﷺ  
سے یہ حدیث ثابت ہی نہیں ملا علی قاری لکھتے ہیں من بشرنی بمخرج صفر بشرته بالجنة  
لا اصل له (☆ تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۶)

اس کے برعکس حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ابو ہریرہ راوی ہیں فرمایا لا عدوی ولا  
صفر ولا هامة نه چھوت چھات کی کوئی اصل ہے اور نہ ہی صفر کی کوئی حقیقت ہے۔

(☆ صحیح البخاری ج ۲ ص ۲ کتاب الطب باب الصفر)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ  
والسلام نے فرمایا لا صفر بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد ماہ صفر ہے جو محرم کے بعد آتا ہے عام



لوگ اس کو مصیبتوں، بلاؤں اور حوادث کا مہینہ قرار دیتے تھے یہ اعتقاد باطل ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (☆ اشعة اللمعات ج ۳ ص ۶۲۰ کتاب الطب باب الفال والظيرة)

## قرآن سے فال پکڑنا اور طوطے کی فال کا حکم:

قرآن سے فال نکالنا اور طوطے کے ذریعہ فال نکالنا جائز نہیں۔

علامہ السید امیر علی ملیح آبادی قرآن سے فال نکالنے کے عدم جواز پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ قاری (ملا علی قاری) نے کہا کہ علم الحروف کے مصحف مجید سے فال نکالنا جائز نہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو کھول کر دیکھتے ہیں کہ اس کے اول صفحہ میں کونسا حرف پڑا ہوا ہے پھر ساتویں ورق کی ساتویں سطر میں کونسا حرف پڑا ہوا ہے پھر اگر "متشدد کم" کے حروف میں سے کوئی حرف آجائے تو حکم لگاتے ہیں کہ اچھا نہیں اور باقی حروف میں سے اس کے خلاف حکم لگاتے ہیں اور شیخ ابن الجوزی نے اپنے مسلک میں تصریح کر دی کہ فال نکالنا مصحف سے ہمارے علماء کے نزدیک اس میں اختلاف ہے بعض نے کراہت اور بعض نے اجازت دی اور علماء مالکیہ نے اس کے حرام ہونے پر تنصیص کر دی ہے انتہی کلامہ مترجم قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شاید جس نے اجازت دی وہ معنی یہ ہیں کہ کھول کر اس معنی پر نظر کی اور حرام کہنے والوں نے ان حروف کی فال پر تحریر کی ہے کیوں کہ وہ حروف کے طریقہ پر فال بمعنی استقام بازالام ہے اور مترجم کہتا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ فال مصحف سے ہر صورت میں حرام ہے کیوں کہ مقصود میں سے اطلاع ہر نیک و بد ہے اور اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ ﷺ نے یا سلف صالحین نے یا ائمہ مجتہدین کسی نے نہیں کہا کہ قرآن مجید تمہارے خیالات کے واسطے کاموں میں کہ اس کام کو کرو یا نہ کرو یا مانند اس کے اطلاع دینے والا نہیں ہے پس اگر فال نکالی تو خواہ اس نے یہ زعم کیا کہ خیر یا شر ہے اسی وقت اس نے ایک افترا قرآن پر باندھا اور یہ حرام ہے یا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور اگر اس کو اپنی خیالی زعم کے خلاف پایا سو فساد کبیر ہوگا اور مشائخ نے تصریح کر دی کہ جو فعل نوافل میں سے ثابت ہو مگر ایسا ہو کہ عوام کے واسطے سوء فساد کبیر ہوگا تو اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ پھر یہاں تو کچھ بھی ثبوت

سابق سے نہیں ہے پس شریعت فقہ اس کی اجازت نہیں دیتی۔

پھر قاری نے لکھا کہ کرمانی نے فرمایا کہ یہ روا نہیں ہے کہ تین ٹکڑے سادہ کاغذ کے پر کر کے یا بہتر و بدتر وغیرہ لکھ کر فال لے کیوں کہ یہ بدعت ہے یعنی بدعت قبیح ہے اور مدارک میں قولہ تعالیٰ حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر الایہ (تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام ہے) سورہ مائدہ کی تفسیر میں قولہ ان تستقسموا بالازلام کے تحت میں لکھا کہ یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے استقسام بالازلام منصوص حرام فرمایا ہے چنانچہ فرمایا فہی اللہ عن ذالک و حرمة (بلا عین الہدیۃ مقدمہ)

ہر شخص کے گلے میں اعمال نامہ لٹکانے کا مفہوم:

انبیاء کرام نے جواب میں ارشاد فرمایا یہ مصیبتیں تمہیں ہماری وجہ سے نہیں پہنچ رہیں بلکہ یہ تو تمہیں تمہارے کئے کی سزا دی جا رہی ہے اور تمہیں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ تم ضد اور ہٹ دھرمی سے باز آ جاؤ اور راہ راست اختیار کرو۔ اگر تم یونہی سرکشی اختیار کئے رہے تو تم پر عذاب الیم نازل ہوتے رہیں گے۔ ہر ایک کا اچھایا برا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا گیا ہے طائر کم معکم (یس ۱۹) تمہارا نامہ اعمال (اچھایا برا شگون) تمہارے ساتھ ہے اور وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ (بنی اسرائیل ۱۳) ہر آدمی کا نامہ اعمال اس کے گلے میں لٹکا دیا گیا ہے۔

امام ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور ہر شخص کے لئے ایک خاص مقدار مقرر فرمادی۔ انسان اس مقدار سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انسان اپنے اختیار سے نیک کام کرے گا یا بد اور اس کے نتیجہ میں وہ سعید ہوگا یا شقی۔ انسان اس مقدار سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اور اس کے گلے میں طائر (نامہ اعمال) لٹکانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو اس کے مقدور کر دیا اور اس کے علم میں جن چیزوں کا ہونا لازمی ہے وہ انسان کے لئے لازمی ہیں اور انسان ان سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ قل

لکھ کر خشک ہو چکا ہے عقل، عمر، رزق، تنگی، فراخی اور بیماری و صحت ان میں انسان کو کوئی اختیار نہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے۔ اور نیک و بد اعمال یہ انسان کے اپنے اختیار سے ہیں۔ ازل سے اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ انسان اپنے اختیار سے کیسے عمل کرے گا اس نے لکھ کر انسان کے گلے میں لٹکا دیا اور یہ تمام امور اس کے لئے لازم کر دیئے۔

(☆ تبيان القرآن ج ۶ ص ۶ زیر آیت و کل انسان الزمان طائرہ فی عنقه الخ)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی پر دلالت کرتا ہے ان تصبہم حسنة يقولوا هذه من عند الله وان تصبہم سيئة يقولوا هذه من عندك قل كل من عند الله فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا (النساء ۷۸)

اگر انہیں کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے۔ فرما دیجئے سب اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے پس اس قوم کو کیا ہو چکا ہے یہ تو کوئی بات سمجھتے ہی نہیں۔

یعنی سب اللہ ہی کی تقدیر اور اسی کی جانب سے ہے یہ خوشحالی، مال و دولت کی فراوانی، صحت و سلامتی، امن و سکون، فتح و کامرانی اور مال غنیمت کا حصول غرض ہر طرح کی اچھائی من جانب اللہ ہے اسی طرح اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے یا وہ تنگدستی، قحط سالی، بیماری، خوف، فقر اور معاشی بد حالی کا شکار ہوتے ہیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے۔ البتہ ان میں فرق صرف یہ ہے کہ حصول نعمت، عیش و آرام اور اطاعت کی توفیق یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسان کا صدقہ ہے اور مصائب و آلام اور تکالیف میں مبتلا ہونا ان کے گناہوں کے سبب اللہ تعالیٰ کی جانب سے عقوبت کے طور پر نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا وما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك (النساء ۷۹)

ترجمہ: یعنی آپ کو جو بھی بھلائی پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور جو تکلیف پہنچے وہ آپ کو اپنی طرف سے ہے۔



اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وما اصابکم من مصیبة فما کسبت ایدیکم (الشوریٰ ۳۰)

یعنی تمہیں جو مصیبت پہنچے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی بدولت ہے۔

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اے انسان تجھے جو بھی نعمت حاصل ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف اس کا فضل و احسان ہے نہ کہ تیرے استحقاق کی بنا پر اور استحقاق ہو بھی کیسے سکتا ہے کیوں کہ انسان کی کوئی بھی اطاعت جس سے نعمت کے حصول کا ذریعہ بننے کی امید کی جاسکتی ہے وہ حاصل شدہ نعمت کا حق بھی ادا نہیں کر سکتی چہ جائیکہ وہ کسی دوسری نعمت کے حصول کا مستحق کرنے والی ہو اسی لئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جسے ابو ہریرہ سے شیخین نے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا لن یدخل احدنا عملہ الجنة قبل ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یغمدنی اللہ تعالیٰ بفضل رحمته کوئی بھی شخص اپنے عمل کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے فضل سے ڈھانپ لے۔

اور انسان کو جو برائی پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کی سزا کے طور پر اسے پہنچتی ہے۔ اگرچہ وہ برائی من حیث الایجاد اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہوتی ہے اور عقوبتہ اور سزا کے طور پر انسان پر نازل ہوتی ہے وما اصابکم من مصیبة بما کسبت ایدیکم و یعفو عن کثیر (الشوریٰ ۳۰) اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے اور وہ (اللہ تعالیٰ) بہت سے (گناہوں سے) درگزر کرتا ہے۔

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا لا یصیب عبد انکبة فما فوقها او ما دونها الا بذنب وما یعفو اللہ تعالیٰ عنه اکثر یعنی تمہیں جو بھی تھوڑی یا زیادہ مصیبت پہنچتی ہے وہ (تمہارے) گناہ کے باعث ہوتی ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ درگزر کرتا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۳۲ از یر آیت ما اصابک من حصنة فمن الله وما اصابک من السیة الخ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں علماء نے فرمایا ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا

ہو اس کو اس میں ذرہ بھر بھی کوئی شک نہیں کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی مرضی، اس کی قدرت، ارادہ اور مشیت سے وقوع پذیر ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ونبلوکم بالشر و الخیر فتنۃ (الانبیاء ۳۵) اور ہم آپ کو خیر و شر میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اذا اراد اللہ بقوم سوء افلا مردلہ و ما لہم من دونہ من وال (الرعد ۱۱) جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے لوٹانے والا کوئی نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا ولی اور دوست ہوتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۹۶ از یرآیت ما اصابک من حسنۃ فمن بالذ)

یہ شرط ہے اس کی جزاء، محذوف ہے ان ذکرتم تطیرتم و تواعدتم بالرجم و التعذیب یعنی اگر ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں تو تم ہم سے بدفالی پکڑنے لگتے ہو اور ہمیں سنگسار کرنے اور عذاب دینے کی دھمکیاں دینے لگتے ہو۔

(☆ روح البیان ج ۸ ص ۳۸۲ از یرآیت مذکورہ)

مقصد یہ تھا کہ تمہارا طریقہ کار اور تمہارا رویہ بالکل معقول نہیں ہم نے تو خلوص نیت سے تمہاری خیر خواہی کرتے ہوئے تمہیں تو حید خالص کی دعوت دی تم سے کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کیا بجائے اس کہ تم اپنے محسنوں اور مصلحین کی تعظیم و تکریم کرتے اور ان سے تبرک حاصل کرتے تم نے ہمارے حق میں نخوست کا الزام لگایا اور ہمیں مار پیٹ کرنے اور گالی گلوچ اور طرح طرح کی سزائیں دینے کی دھمکیاں دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم کفر و شرک، معصیت اور اتباع نفس اور انکار حق میں حد سے بڑھ چکے ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، ملک، صحت، تندرستی، فارغ البالی، اولاد کی کثرت اور دیگر انعامات کا تقاضا یہ تھا کہ تم اپنے رب کا شکر بجا لاتے اس کی فرمانبرداری کرتے اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرتے الٹا تم نے راہ حق سے گریز کر کے ناشکری اور نافرمانی کی انتہا کر دی۔ اور تم نصیحت قبول بھی کیسے کر سکتے ہو نصیحت تو مومنین کے لئے ہی نفع بخش ہوتی ہے۔

## مرد حر کا نعرہ مستانہ:

جب اہل قریہ نے ان پاکباز ہستیوں کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا کیوں کہ شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ یہ نحوست تمہیں انہیں کی وجہ سے پہنچ رہی ہے اور قتل انبیاء ان کے لئے مزین کر دیا وہ قتل کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ شہر کے دور دراز علاقہ سے ایک سلیم الفطرت مرد پاکباز کو اس کا علم ہوا وہ انبیاء کرام کی نصرت و تائید کے لئے اور اپنی قوم کی اصلاح اور خیر خواہی کے لئے سر بکف میدان میں اتر آیا اور اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے فرمایا اے میری قوم کس بات نے تمہیں ان پاکباز ہستیوں کے قتل پر برا بیغختہ کیا ہوا ہے؟ کیوں ان کی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو؟ ان کا قصور کیا ہے؟ کیا فقط اس بنا پر تم ان کے قتل پر آمادہ ہو چکے ہو کہ یہ بڑے خلوص، دلسوزی، للہیت اور صرف تمہاری دنیاوی اور اخروی بھلائی کے لئے تمہیں صرف ایک خدا کی عبادت کرنے اور اس کے احکامات کی اتباع کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اور اس کے عوض نہ تم سے کسی اجر کا مطالبہ کرتے ہیں اور نہ ہی کسی جاہ و منصب کی انہیں ترپ ہے۔ اور پھر وہ تمہیں بھی انہیں چیزوں کا حکم دیتے ہیں جن پر وہ بذات خود عمل پیرا ہیں ان کا ظاہر و باطن ایک ہے۔ اس سے بڑھ کر ان کی صداقت کی کیا گواہی ہو سکتی ہے کہ نہ ان کے قول و فعل میں تضاد ہے اور نہ ہی اس دعوت کے پیچھے کوئی غرض۔ اللہ جل مجدہ نے اس کے اس استدلال کو پیش کر کے ایک معیار لوگوں کے سامنے رکھ دیا کہ اگر نبی کی نبوت کو پرکھنا ہو تو اس کسوٹی پر پرکھ لو۔ اور میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت میں شک کرنے والو اور انہیں راہ راست سے بھٹکنے والا سمجھنے والو اس کسوٹی پر میرے محبوب کی صداقت کو پرکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ نہ تو ان کے قول و فعل میں تضاد ہے اور نہ ہی ان کی اس سعی و جہد کے پیچھے کوئی ذاتی غرض ہے تم پھر کس بنا پر ان کی تکذیب کرتے ہو اور ان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہو۔ تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ ان پر ایمان لا کر فلاح دارین حاصل کرو۔



وہ مرد پا کباز کون تھا:

مفسرین کے قول کے مطابق وہ مرد پا کباز حبیب تھا ابن اسحق نے ابن عباس، کعب احبار اور وہب بن منبہ سے روایت کیا کہ جب اس قوم نے انبیاء کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو شہر کے دور دراز علاقہ سے ایک شخص حبیب نامی ان کی مدد کے لئے دوڑتا ہوا آیا۔ وہ ریشم کے پیشہ سے منسلک تھا، وہ نحیف و لاغر اور جذام کا شکار تھا لیکن صدقہ بہت کرتا تھا۔ اپنی آدھی کمائی راہ خدا میں صرف کرتا تھا۔ (☆ تفسیر ابن کثیر زیر آیت مذکورہ ج ۳ ص)

علامہ شوکانی نے لکھا وہ حبیب بن موسیٰ نجار تھا اور یہ بھی کہا گیا کہ موچی تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ دھوبی تھا۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا وہ حبیب بن اسرائیل نجار تھا۔ اور بت تراش تھا۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا۔ جب اس نے رسولوں کی خبر سنی تو دوڑتا ہوا چلا آیا۔ (☆ فتح القدیر للشوکانی ج ۹ ص ۲۸۱ زیر آیت مذکورہ)

علامہ ابن ابی حاتم نے روایت کیا کہ وہ حبیب بن نجار تھا۔

(☆ تفسیر ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۱۹۲ زیر آیت مذکورہ)

علامہ قرطبی نے ابن عباس، مجاہد و مقاتل سے روایت کیا کہ وہ حبیب بن اسرائیل نجار تھا اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھتا تھا۔ اس کے درمیان اور آپ ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ جس طرح تبع اکبر اور ورقہ بن نوفل وغیرہ آپ پر ایمان لائے تھے، اور حضور ﷺ کے علاوہ باقی کسی نبی پر بعثت سے قبل کوئی بھی ایمان نہیں لایا۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۱۵۵ زیر آیت مذکورہ)

علامہ آلوسی مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ ان تمام صفات کے جامع ہو وہ مزید لکھتے ہیں کہ ان کے مومن ہونے کا قول ظاہر ہے اور یہ ان کے بت تراش ہونے کی بھی نفی کرتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ بت تراش نہ ہو بلکہ وہ بتوں کی تصویریں بناتا ہو اور یہ ان کی شریعت میں جائز ہو۔ اور ابن ابی لیلیٰ نے ان کے ایمان کے قول کی حکایت کی ہے۔ عبد اللہ بن عباس سے اس کے بارے میں ایک حدیث بھی نقل کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سباق

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

الامم ثلاثة لم يكفروا طرفة عين على ابن ابي طالب و صاحب نيس و مومن ال  
فرعون امتوں میں سے تین فرد سبقت لے جانے والے ہیں جنہوں نے ایک لمحہ (آنکھ جھپکنے کی  
مقدار) بھی کفر نہیں کیا علی بن ابی طالب، صاحب یس اور مومن آل فرعون۔

(☆ روح المعانی ج ۱۱ ص ۳۲۴ زیر آیت مذکورہ)

علامہ ابن کثیر نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اس  
کی روایت میں حسین الاشقر آتا ہے جو شیعہ ہے اور متروک ہے۔

(☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۸ زیر آیت انتم الا صیحة واحدة)

بہر کیف ان روایت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اسلام میں رنگ و نسل اور پیشہ کا کوئی  
اعتبار نہیں ہے اسلام میں شکلوں اور مالوں اور دنیاوی مناصب کے بجائے انسان کے اعمال، دلوں  
کی کیفیت اور ان کی صفائی کا اعتبار ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ  
والسلام نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کو  
دیکھتا ہے۔" (رواہ المسلم)

اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے:

آیت کے پہلے حصہ میں بتلادیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کوئی چیز مانع ہے  
حالانکہ اس نے ہی مجھے عدم سے وجود بخشا پھر مجھے اپنی طرح طرح کی رحمتوں، نوازشات و  
اکرامات اور انعامات میں پروان چڑھا کر عقل جیسی دولت سے نوازا۔ کائنات ہست و گیتی کو  
میرے لئے سجایا اور زمین و آسمان کی ہر چیز کو میرے لئے مسخر کر دیا۔ وہ میرا خالق بھی ہے اور  
مالک بھی۔ اس کی عبادت کے سوا میں کس کی عبادت کروں۔ اگر اس کے سامنے جہین نیاز نہ  
جھکاؤں تو پھر کس کے سامنے سر بسجود ہوں گا اور پھر یہ کتنی ناشکری اور احسان فراموشی کی بات ہے  
کہ انسان اپنے خالق و مالک کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے سرنگوں ہو۔ اور بتوں کو اس کا ہمسر  
بنائے۔ عقل و خرد کا تقاضا یہی ہے کہ انسان فقط اسی ذات کی عبادت کرے جس نے اسے پیدا کیا  
ہے۔ اور سب سے برتر ہستی ہے۔

آیت کے دوسرے حصہ میں کفار کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اگر تم نے اس واحد و تنہا خالق و مالک، قہار و جبار کی بندگی نہ کی اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہوئے تو پھر اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ یہ چند روزہ فانی زندگی بالآخر ختم ہو کر رہے گی اور تمہیں ایک دن اللہ جل مجدہ کے روبرو ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا یہ سوچ لو کس منہ سے بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو گے؟ وہاں جواب کیا دو گے؟

**فطرت کی نسبت اپنی طرف اور رجوع کی نسبت کفار کی طرف کرنے کی وجہ:**

علامہ بغوی لکھتے ہیں فطرت کی نسبت اپنی طرف اور رجوع کی نسبت ان کی طرف کرنے کی حکمت یہ ہے کہ فطرت نعمت کا اثر ہے اور یہ اثر اس کی اپنی ذات میں زیادہ ظاہر تھا۔ اور رجوع میں زجر و توبیخ ہے۔ اور یہ ان کے زیادہ مناسب حال تھی لہذا اس کی نسبت ان کی طرف کی۔ (☆ معالم التنزیل علی الحازن ۲۱۲ ج ۵ زیر آیت مذکورہ)

**کفار کے عقیدہ بد کی تردید:**

کفار کا عقیدہ تھا کہ وہ بت جنہیں انہوں نے معبود بنا رکھا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں بڑا مقام حاصل ہے اگر ان کے گناہ حد سے بڑھ ہی کیوں نہ گئے ہوں۔ ان کی نافرمانیاں اور سرکشاں کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہوں یہ بت اللہ کے ہاں ان کی سفارش کر کے انہیں اللہ کے غضب سے محفوظ کر لیں گے۔ ان کے بقول وہ ان بتوں کی پرستش اور عبادت اس لئے کرتے تھے تاکہ یہ بت انہیں اللہ کا مقرب بنائیں۔

اس مرد پاکباز نے ان کے اس باطل نظریہ کی تردید کرتے ہوئے انہیں آگاہ کیا کہ یہ بت اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے سامنے سر بسجود ہوا جائے ان کی بندگی کی جائے۔ عبادت کی مستحق تو وہ ذات ہے جو خالق اور قادر ہو جو اپنے وجود کے لئے ہی دوسروں کا محتاج ہو اور پھر خود کو نفع پہنچانے یا اپنے سے ضرر دور کرنے کی ہمت نہ رکھتا ہو وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر خدائے رحمن کسی ضرر اور تکلیف میں مبتلا کرے تو یہ مورتیاں نہ تو اس پروردگار کے سامنے ہماری سفارش کر کے ہمیں



چھڑا سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں وہ طاقت ہے کہ وہ بذور اللہ کے غضب سے ہمیں نجات دلا سکیں۔ بلکہ اس دن تو بڑے بڑے اولوالعزم انبیاء کرام بھی بغیر اذن الہی سفارش کرنے کی سکت نہیں رکھیں گے چہ جائے کہ یہ مٹی کی مورتیاں۔

پھر ہر شخص کہاں اس قابل ہے کہ اس کے حق میں سفارش کی جائے وہاں سفارش کا مجاز بھی وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دینے والا ہو اور اس کی یہ گواہی علم یقین پر مبنی بھی ہو اور سفارش بھی اس کی جائے گی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہوگا اس بات کو خوب ذہن نشین کر لو کہ شفاعت صرف ان گناہ گاروں کے لئے ہوگی جو ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے اور جن کا خاتمہ کفر و شرک پر ہوا ان کے لئے سفارش و شفاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس حقیقت کو دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ بایں الفاظ بیان فرماتا ہے:

ولا يملك الذين يدعون من دونه الشفاعه الا من شهد بالحق وهم يعلمون (الحرف ۸۶) وہ اللہ تعالیٰ کے سوا جنہیں پوجتے ہیں وہ کسی شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔ اس شفاعت کا حق انہیں حاصل ہے جو علم رکھتے ہوئے حق کی گواہی دیتے ہیں۔

انہیں بتا دیا کہ اگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان بتوں کی پوجا کروں ان کی بندگی بجا لاؤں اور اس خالق و مالک کو چھوڑ دوں تو یہ سراسر گھائے کا سودا ہوگا عقل و خرد سے اس کا واسطہ بھی نہ ہوگا اور یہ تو کھلی گمراہی ہے جس کا انجام دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ مسئلہ شفاعت کی وضاحت:

۱۔ طلب شفاعت غلط نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ جس سے شفاعت کی جا رہی ہے کیا اس کے لئے شفاعت کی کوئی دلیل موجود ہے؟ اگر دلیل موجود ہے تو طلب شفاعت درست! بصورت دیگر طلب شفاعت نادرست۔ کفار و مشرکین جن بتوں اور ہاتھ سے تراشیدہ مورتیوں سے طلب شفاعت کیا کرتے تھے ان کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ حضرت ہود علیہ السلام کی زبانی کفار کے اس عقیدہ بد کی تردید ان الفاظ میں فرماتا ہے۔ ”اتجادلونی فی اسماء سمیتموہا انتم و ابائو کم ما نزل اللہ بہا من سلطان“ (اعراف: ۷۱)

ترجمہ: کیا تم میرے ساتھ ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی دلیل نہیں نازل کی۔

جبکہ مسلمان جن ہستیوں سے طلب شفاعت کرتے ہیں ان کی شفاعت پر دلیل موجود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور اپنی وجاہت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گناہگاروں کے حق میں شفاعت کریں گے۔ اسی طرح دنیا میں اور بعد از وصال ان ہستیوں سے طلب شفاعت کرنا نہ صرف درست بلکہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔ اور جمہور علماء اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔

۲۔ کفار عقیدہ شفاعت میں غلو کر گئے تھے اور طلب شفاعت کرتے کرتے ان کی عبادت کرنے لگ گئے اور اس طرح وہ راہ ہدایت سے گمراہ ہو کر شرک کی وادی میں بھٹک گئے اور ان مورتیوں اور اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کے سامنے سر بسجود ہو کر اللہ تعالیٰ کے مد مقابل انہیں ٹھہرا لیا اور ان کی عبادت میں مشغول ہو گئے اور اس چیز کو اللہ تعالیٰ کا قرب خیال کرنے لگ گئے۔ جیسے قرآن میں ان کے اس عقیدہ بد کو بایں الفاظ حکایت کیا گیا ہے ”ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفا“ (زمر: ۳) ترجمہ: ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنائیں۔

ایک مسلمان موحّد شرک کا تصور بھی نہیں کر سکتا تو پھر طلب شفاعت کیونکر ایسے شخص کیلئے ناجائز ہوگی۔

۳۔ مشرکین مکہ جو بتوں سے طلب شفاعت کرتے تھے وہ مال اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے چھٹکارے اور جنت کے حصول کیلئے نہیں کرتے تھے بلکہ وہ تو دنیوی منفعت اور حصول دنیوی جاہ کیلئے کرتے تھے تاکہ وہ مال و دولت اور دنیوی طاقت حاصل کر کے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ قرآن نے ان کے اس نظریہ کو بایں الفاظ نقل کیا ہے ”ويعبدون من دون الله مالا يضرهم ولا ينفعهم ويقولون هؤلاء شفعاؤنا عند الله“ (یونس: ۱۸)

ترجمہ: وہ اللہ کے سوا ان دوسروں کی عبادت کرتے ہیں جو نفع و نقصان کے مالک نہیں اور کہتے ہیں یہ ہمارے اللہ کے ہاں سفارشی ہیں۔

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں اس سے مراد بت ہیں (یعنی وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں) اور ”هؤلاء شفعاؤنا عند الله“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں (یہ ان کی انتہائی جہالت ہے اس طرح کہ وہ ان سے مال میں شفاعت کے منتظر ہیں جو حال میں انہیں نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ایک قول یہ ہے کہ ”شفعاؤنا“ سے مراد یہ ہے کہ وہ دنیا میں ہماری معیشت کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز ۸ ص ۱۹۱ یونس: ۱۸)

معلوم ہوا کہ وہ جنت کے حصول کیلئے شفاعت کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔

۴۔ کفار و مشرکین شفاعت کا یہ معنی نہیں لیتے تھے کہ وہ ہمیں جہنم سے سفارش کر کے نکال لیں گے اور جنت میں داخل کروائیں گے۔ کیونکہ وہ تو قیامت ہی کے منکر تھے قرآن تو ان کے اس نظریہ کو اس طرح بیان کرتا ہے ”انکم لفی خلق جدید“ (سباء: ۱۷) ترجمہ: کیا تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائیگا۔ اور ان کا یہ قول ”ومن یحی العظام وہی رمیم“ (یس: ۷۷) ترجمہ: اور کون ہے جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا۔

معلوم ہوا کہ کفار کے عقیدہ شفاعت کا مسلمانوں کے عقیدہ شفاعت سے کوئی تعلق نہیں۔ عقیدہ شفاعت نہ صرف جائز بلکہ قرآن و سنت کی تائید سے مؤید اور ثابت ہے۔ اور یہ طلب شفاعت حالت حیات اور بعد از وصال ہر حال میں جائز اور درست ہے۔ قرآن کا واضح فرمان ہے ”ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جائنوک فاستغفروا اللہ واستغفرلہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما“ (نساء: ۶۴)

ترجمہ: اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور اے محبوب پھر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر استغفار کریں اور آپ بھی ان کے لئے استغفار کریں تو وہ اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں اور عصیاں شعاروں کو تعلیم دی کہ وہ



بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے خود بھی استغفار کریں اور حضور ﷺ سے بھی شفاعت کا سوال کریں جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو صادق نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی تدفین کے تین روز بعد ہمارے پاس ایک اعرابی آیا اس نے اپنے آپ کو قبر نبی ﷺ پر گرایا اور آپ کی قبر کی مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا۔ اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ جو کچھ آپ فرمایا ہم نے آپ کے فرمان کو سنا آپ نے اللہ تعالیٰ سے بغور سنا اور ہم نے آپ سے اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کچھ نازل فرمایا اس میں یہ بھی تھا ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم“ تحقیق میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ میرے لئے استغفار کریں۔ تو قبر انور سے ندا دی گئی آپ کی مغفرت کر دی گئی۔ (الجامع لاحکام القرآن ۶: ۶۴)

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کے ذیل میں شیخ ابو منصور الصباغ کی کتاب ”الشامل الحکایۃ المشہورہ“ کے حوالہ سے عقی سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں قبر نبی ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی حاضر ہوا اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ، میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ”ولو انهم اذ ظلموا، الخ“ پس میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہوئے حاضر ہوا ہوں اور آپ کو اپنے رب کے ہاں شفیع (سفارشی بناتے ہوئے) حاضر ہوا ہوں پھر اس نے یہ شعر پڑھنا شروع کیا۔

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ  
فطاب من طیہن القاع والاکم  
نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ  
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

ترجمہ : اے وہ ذات جو میدانوں میں دفن کئے جانے والوں میں سب سے بہتر ذات ہے جن کی خوشبو سے میدان اور دامن کوہ مہک اٹھے میری جان قربان ہو اس قبر پر جس کے آپ ساکن ہیں اس میں تو پاکدامنی اور جود و کرم ہے۔

پھر وہ اعرابی پلٹا، پس مجھے اونگھ آئی اور خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے مجھے فرمایا اے عقی اس شخص کو ملو اور اسے یہ خوشخبری سناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی

مغفرت کر دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج اول ص ۵۲۰ سورۃ النساء: ۶۴)

معلوم ہوا کہ طلب شفاعت حیات اور بعد از وصال ہر حال میں جائز اور درست ہے۔ حضور ﷺ نہ صرف قبر میں زندہ ہیں بلکہ آپ اپنی امت کے احوال سے بھی باذن اللہ باخبر ہیں انکی شفاعت کرتے ہیں۔ اگر بعد از وصال طلب شفاعت جائز نہ ہوتی تو صحابہ کرام ہرگز ایسا نہ کرتے اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات کی ہدایت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد از وصال بھی حضور ﷺ کو ”یا“ کے ساتھ ندا دینا اور آپ کو مخاطب کرنا درست ہے اور صحابہ کرام کا عمل بے جیسا کہ حضرت عثمان بن مظعون والی حدیث جسے ترمذی، ابن ماجہ، حاکم نے مستدرک میں ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ کے اندر صحابہ کرام کا یہ عمل ذکر کیا ہے کہ جب مسلمان کذاب کے ساتھ گھمسان کارن پڑا اپنے پرانے کی تمیز باقی نہ رہی تو اس وقت مسلمانوں نے اپنے شعار ”یا محمد“ اور ”یا رسول اللہ“ پکارا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا جب پاؤں سن ہو گیا تو انھیں محبوب ترین شخص کو پکارنے کا کہا گیا تو آپ نے ”یا محمد“ پکارا وغیرہ کئی ایک حوالہ جات اور واقعات کتب حدیث و تاریخ میں سلف صالحین سے منقول ہیں۔ اکمیں قبر مبارک پر حاضر ہونا اور بعید ہونا دونوں کا حکم ایک ہی ہے اور دونوں میں آپ کی کرامت اور آپ کی شرافت ہے۔ قبر کے اندر سننا خواہ قریب سے ہو یا بعید سے دونوں خارق للعادة ہیں۔

حق کی قوت و بیباکی:

اس مرد پاکباز نے مجلس کفار میں بباغ دہل یہ اعلان فرمایا اے میری قوم سن لو! میں تمہارے کفر و شرک سے باز آیا۔ تمہارے بتوں کی پوجا سے میں نے اجتناب کیا۔ اور میں ان مورتیوں کی عبادت سے دستکش ہو کر تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا ہوں۔ اب تم میں سے جو کوئی میرا کچھ بگاڑنا چاہتا ہے بگاڑے۔

حق کتنا بے باک ہوتا ہے اور انسان کو کتنا جبری اور نڈر بنا دیتا ہے۔ ایک طرف پوری قوم، قوم کے تمام سردار، رئیس، اعلیٰ عہدیدار، حکومتی کارندے، سیاسی و مذہبی پیشوا سارے کے سارے آگ بگولا ہوں۔ اس آتشکدے میں کھڑا ہو کر ڈنکے کی چوٹ پر اعلان توحید کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس آگ کے دریا میں کودنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ حوصلہ اور ہمت ہر کسی کو حاصل نہیں ہے۔ انی امننت بربکم کا اعلان کرنا مردانِ حر کا ہی شیوہ ہے۔ اور انھیں کے شایانِ شان ہے۔

اس مردِ جبری نے امننت بربکم فرمایا اور امننت ربی نہیں فرمایا تا کہ انھیں یہ شعور دلایا جاسکے کہ جس پروردگار کی میں عبادت کرتا ہوں اور جس کی بندگی میں بجالا رہا ہوں وہی درحقیقت سب کا خالق و مالک ہے۔ میرا علیحدہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے میری ان باتوں کو گوش و ہوش سے سنو اور ان پر غور و فکر کرو کیوں کہ یہ تمہاری فطرت کی آواز ہے اور یہی حق کی منطق بھی ہے۔

فاسمعون کا مرجع انبیاء کرام بھی ہو سکتے ہیں تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس نے انبیاء کرام سے عرض کی کہ آپ لوگ میری بات کو سن لیجئے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے گواہ رہیے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں وقال لهم اسمعوا قولی لتشهدوا لی بما اقول لکم عند ربی انی امننت بربکم واتبعتکم وهذا القول الذی حکاہ عن هولاء اظهر فی المعنی (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۵۶ زیر آیت مذکورہ) یہ معنی زیادہ ظاہر ہے۔

مژدہ جانفزا:

یہ تقریر اس نے ختم کی ہی کی تھی کہ لوگوں نے اس مردِ مجاہد پر پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ آپ کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے واصلِ بحق کیا۔ اس وقت بھی اس کی زباں پر یہی الفاظ جاری تھے اللھم اھد قومی اے اللہ میری قوم کو راہِ راست دکھا۔ حق پذیر کی توفیق عطا فرما اور اسی حالت میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ رحیم و کریم پروردگار نے بھی اپنی رحمتوں اور



نوازشوں کی حد کردی بارگاہ ایزدی سے اسے مژدہ جانفزا سنایا گیا آواز آئی اے میرے محبوب  
دلفگار اے میرے عاشق صادق آؤ میرے بندوں میں شامل ہو کر میری جنت کی ابدی نعمتوں سے  
لطف اندوز ہو جاؤ۔ میری جنت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ ملائکہ اور حوران بہشت تیرے استقبال  
کے لئے بے تاب کھڑے ہیں اور میرا حسن ازلی آپ کے دل بے قرار کو تسکین بخشنے اور تیری  
آنکھوں کی حسرتوں کو پورا کرنے کے لئے بے نقاب ہوا ہی چاہتا ہے۔ قیل ادخل الجنة جنت  
میں داخل ہو جاؤ۔

### دخول جنت کا مطلب:

دخول جنت کی تاویل میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے  
اسے اسی وقت جنت میں داخل فرما دیا اور وہ وہاں زندہ ہے رزق پارہا ہے۔

(☆ تفسیر الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۷۷ زیر آیت مذکورہ)

جب کہ مجاہد سے عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے  
کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

(☆ روح المعانی ج ۲ ص ۳۳۱ الثانی والعشرون زیر آیت مذکورہ)

ان کے بقول امر تبشیر کے لئے ہے نہ کہ حقیقتاً دخول جنت کے اذن کے لئے۔ ایک  
قول یہ بھی ہے کہ جب انہوں نے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ ہی آسمان پر اٹھا  
لیا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور وہ جنت میں ہیں اسے وہاں موت نہیں آئے گی مگر  
جب آسمان فنا ہو جائے گا اور جنت ہلاک ہو جائے گی اور جب اللہ تعالیٰ جنت کا اعادہ فرمائے گا  
اسے دوبارہ اس میں داخل فرمائیں گا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں جمہور مفسرین کا موقف یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا گیا  
تھا۔ بلکہ ابن عطیہ نے تو اس پر اخبار و روایات کے تواتر کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ اور قتادہ کا یہ قول  
ادخله الله الجنة و هو فيها حی یرزق بھی نفی قتل پر نص نہیں ہے اور بحر میں ہے ان کے اس  
قول و هو فيها حی یرزق سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہو گا بل احیاء عند ربهم یرزقون

(انعام ۱۶۹) بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں۔

(☆ روح المعانی ج ۷ الثانی والعشر وشارح آیت مذکورہ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے قتل کر دیا گیا پھر اسے حکم دیا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (☆ الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۷۷ ازیر آیت مذکورہ)

اور علامہ آلوسی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ”والظاہر ان الامر اذن له بدخول الجنة حقيقة“ (☆ روح المعانی ج ۱۱ الجزء الثانی والعشر ون ص ۳۴)

دعوت حق اور جذبہ خیر خواہی:

اس مرد پاکباز کے پاکیزہ اور اخلاق رفیعہ کا نمونہ تو دیکھو۔ قوم نے ظلم و بربریت کی حد کر دی پتھر مار مار کر واصل بحق کیا اور جسم پارہ پارہ کر دیا لیکن بایں ہمہ جذبہ ہمدردی اور خیر خواہی سرد نہ پڑا عالم برزخ میں پہنچ کر بھی فقط یہ آرزو ہے کہ کسی طرح میری بد بخت قوم کو میری حالت کا علم ہو جائے انہیں مجھ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و اکرامات سے آگاہی حاصل ہو جائے اور وہ میری شہادت سے ہی سبق حاصل کریں اور اس کفر و ضلالت اور معصیت سے توبہ کر کے ایمان لے آئیں اور جن ابدی لازوال نعمتوں کا مستحق ہو چکا ہوں انہیں بھی حاصل ہو جائیں۔ اللہ! اللہ! کتنا جذبہ خیر خواہی ہے۔ مخلوق خدا کی بھلائی کتنی مقصود ہے۔ اپنے قاتلوں کے لئے بھی بددعا نہیں کرتا بلکہ ان کے لئے جہنم سے رستگاری اور حصول جنت کی آرزو کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے ”

نصح قومًا حیًا و میتًا“ ترجمہ: اس نے قوم کو زندگی اور موت دونوں حالتوں میں نصیحت کی۔

عبدالملک بن عمر سے مروی ہے عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ مجھے اپنی قوم کی طرف بھیجے تاکہ میں انہیں اسلام کی دعوت دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو کہیں قتل نہ کر دیں تو انہوں نے عرض کی کہ اگر وہ مجھے سویا ہوا پائیں تو جگائیں گے بھی نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا جاؤ حضرت عروہ لات وعزیٰ کے پاس سے گزرے تو فرمایا کل میں آپ کے ساتھ برا سلوک کروں گا۔ یہ سن کر ثقیف غضب ناک

ہوئے۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے قوم ثقیف نہ کوئی لات ہے اور نہ عزی۔ تم لوگ اسلام قبول کرو سلامتی پاؤ گے۔ اے گردہ احلاف عزی کچھ نہیں ہے اور لات کچھ نہیں ہے۔ تم اسلام لے آؤ سلامتی پاؤ گے۔ یہ کلمہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا اتنے میں ایک شخص نے تیر مارا اور آپ شہید ہو گئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ صاحب یسین کی مانند ہے۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۷ زیر آیت مذکورہ)

کعب احبار سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ کے سامنے حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا گیا جسے مسلمانوں نے نکڑے نکڑے کر کے شہید کیا تھا جب انھیں یمامہ سے گرفتار کر کے مسلمانوں نے پوچھا شروع کیا کہ کیا تو محمد ﷺ کے رسول اللہ ہو۔ نے کی گواہی دیتے ہو تو آپ فرماتے نعم جی ہاں۔ جب وہ پوچھتا کہ کیا تو میرے رسول اللہ ہونے کی بھی گواہی دیتا ہے تو آپ فرماتے میں نہیں سنتا۔ تو مسلمانوں نے کہا کہ تو اس کلمہ کو تو سنتا ہے لیکن یہ کلمہ نہیں سنتا تو حبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہاں تو وہ ملعون ان کے ایک ایک عضو کو کاٹتا جاتا۔ وہ بار بار پوچھتا جاتا تھا مگر ہر بار حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی جواب دیتے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ جب کعب احبار نے سنا کہ ان کا نام حبیب تھا تو فرمایا واللہ بس میں جس مرد صالح کا ذکر ہے اس کا نام بھی حبیب تھا۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۷ زیر آیت مذکورہ)

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری علامہ قزوینی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب اہل انطاکیہ نے انھیں شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ انطاکیہ میں مومن و کافر دونوں رہتے تھے۔ وہ خوفناک کڑک جس نے کافروں کو موت کی نیند سلا دیا اہل ایمان کو اس سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ جو اہل ایمان محو خواب تھے وہ بدستور سوتے رہے۔ ان کی آنکھ بھی نہ کھلی۔ انطاکیہ شہر میں ایک مسجد ہے اس مسجد کو مسجد حبیب کہا جاتا ہے اس کے صحن میں ان کا مزار ہے لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے جاتے ہیں۔ اور مشہور جغرافیہ دان ملائمہ یاقوت حموی متوفی ۶۳۶ھ اپنی کتاب معجم البلدان میں انطاکیہ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ انطاکیہ میں حبیب نجار کی قبر ہے دور و نزدیک سے لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ آیات انھیں کے بارے



میں نازل ہوئی تھیں و جاء من اقصى المدينة رجل يسعى الخ لیکن یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے علامہ ابن کثیر کی رائے آپ چند صفحات پہلے پڑھ چکے ہیں۔

(☆ تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۷۶ از زیر آیت مذکورہ)

اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اے اہل مکہ جس طرح وہ حبیب نجار اپنی قوم کی فلاح اور ان کی بھلائی و خیر خواہی پر حریص تھا۔ ایسے ہی مسلمان بھی تمہارے خیر خواہ ہیں۔ انہیں تمہارے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ وہ تو تمہیں راہ راست پر لانا چاہتے ہیں۔

آیت کریمہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ موت فنا محض کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو جہان فانی سے ابدی جہاں کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے یہ ایک ایسا پل ہے جو محبوب کو محبوب سے ملانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے یہ ایک ایسا قدم ہے جس کے ساتھ ایک مرد مومن دنیا کی تنگی اور قید سے خلاصی پا کر عالم آخرت کی وسعت میں سما جاتا ہے۔ باطل کے ظلم و ستم سے بچ کر حق کے سکون و اطمینان میں سماتا ہے۔ اور جاہلیت کی ظلمتوں سے نجات پا کر نور یقین کی طرف چلا جاتا ہے۔

(☆ تفسیر فی ظلال القرآن ج ۲ زیر آیت مذکورہ)

اسی لئے تو قرآن میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ”ولا تحسبن الذين قتلوا في

سبيل الله اموات بل احياء“ (آل عمران: ۱۶۹)

ترجمہ: آپ ہرگز ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے مردہ خیال مت کرو، بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ شہداء اپنی قبروں میں اہل دنیا سے باخبر رہتے ہیں ان کیلئے دعائیں کرتے ہیں اور ان کی مصیبتوں اور گناہوں پر پریشان ہوتے ہیں اور ان کے اعمال صالحہ پر خوش ہوتے ہیں۔ ابن کثیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر سے فرمایا اے جابر کیا میں تجھے خوشخبری نہ دوں عرض کی ضرور یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو خیر کی خوشخبری دے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کر کے فرمایا اے میرے بندے! تو جو چاہے تمنا کر میں تجھے عطا کروں گا تو انہوں نے عرض کی اے میرے رب میں تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا میں تجھ سے تمنا کرتا ہوں کہ تو مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج میں تیرے نبی کے ساتھ ملکر

جہاد کروں اور تیری راہ میں دوبارہ شہید کیا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کوئی بھی دوبارہ دنیا میں لوٹ کر نہیں جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ج اول ص ۴۲۷ ال عمران: ۱۶۹)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے عرض کی اے پروردگار پھر تو میری طرف سے

میرے پیچھے رہنے والوں تک میری یہ حالت پہنچا تو یہ آیت نازل ہوئی ”وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا“ (تفسیر ابن کثیر ج اول ص ۴۲۷ سورہ آل عمران: ۱۶۹)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے فرماتے ہیں جب جنگ یمامہ میں لوگ منتشر

ہو گئے تو میں نے ثابت بن قیس بن شماس سے کہا اے چچا! کیا آپ دیکھ نہیں رہے؟ دراں حالیکہ

میں نے انہیں حنوط لگاتے ہوئے پایا۔ تو انہوں نے فرمایا ہم تو اس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ

میں نہیں لڑا کرتے تھے تم نے اپنے دشمنوں کو جس چیز کا عادی بنایا وہ بہت برا ہے اور تم نے جس کا

اپنے آپ کو عادی بنایا وہ بہت برا ہے۔ اے اللہ میں تیری طرف برأت کا اظہار کرتا ہوں اس چیز

سے جسے یہ کافر لائے ہیں اور میں تیری طرف برأت کا اظہار کرتا ہوں ان مسلمانوں کے فعل سے

پھر انہوں نے قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ آپ اور ثابت مولیٰ ابی حذیفہ ثابت قدم رہے

اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ثابت پر ایک نفیس زرہ تھی تو ایک مسلمان اس کے پاس سے گزرا

اسے لے لیا۔ ایک دوسرا مسلمان شخص سویا اسے ثابت خواب میں آئے اور اسے کہا میں تجھے ایک

وصیت کرتا ہوں خبردار! اسے خواب نہ سمجھنا کہ اس وصیت کی پرواہ نہ کرے کل جب میں شہید ہوا تو

ایک مسلمان شخص میرے پاس سے گزرا اور میری زرہ لے گیا ہے اور وہ لوگوں کے آخر میں قیام

پذیر ہے اس کے خیمے کے پاس ایک گھوڑا بندھا ہوا ہے اس نے زرہ پر ایک چادر رکھی ہوئی ہے اور

اس چادر پر کجاوہ ہے آپ خالد بن ولید کے پاس جائیں اسے کہیں کہ وہ آئے اور اسے لے جائے

۔ جب آپ مدینہ میں خلیفہ رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوں تو اسے کہنا کہ مجھ پر اتنا اتنا قرض ہے

اور میرا فلاں فلاں غلام آزاد ہے۔ پس وہ شخص بیدار ہوا اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

پاس آیا اپنا خواب سنایا، پس اس نے اسے زرہ کیلئے بھیجا اس نے اسے اسی طرح پایا جس طرح اس

نے بتایا ہوا تھا اور ابو بکر صدیق کو وہ خواب بیان کیا گیا پس انہوں نے اسکی وصیت کو جائز قرار دیا۔



موت کے بعد ان کے علاوہ کسی کی وصیت کو پورا نہیں کیا گیا۔ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۴۰ زیر عنوان ثابت بن قیس، الاستیعاب ج ۱ ص ۱۲۶، الاصابہ، تہذیب المتہذیب ج ۱ ص ۵۵۵، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۱۹۵)

معلوم ہوا کہ صلحاء اور شہداء مرنے کے بعد بھی فتا نہیں ہوتے بلکہ انکی روہیں اس عالم دنیوی سے بھی باخبر رہتی ہیں اور دنیا میں تصرف بھی کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اور موت فتا محض کا نام نہیں بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا نام ہے۔

تبلیغ کے رہنما اصول:

اگر قرآن سنت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو تبلیغ کے درج ذیل اصول کھل کر واضح ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک کامیاب مبلغ کے لئے رہنمائی کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلہم بالتي هو احسن (النحل ۱۲۵) ترجمہ:- (اے محبوب) آپ انہیں اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے۔ اور ان سے بحث (مباحثہ) اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ ہو۔

(۱) حکمت کے ساتھ تبلیغ کرنا:-

(۱) آیت مقدسہ میں دعوت و تبلیغ کے تین رہنما اصول متعین ہوتے ہیں جو خالق کائنات نے اپنے رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو سکھائے۔ ان میں سے پہلا اصول حکمت ہے حکمت سے مراد ایسے محکم اور پختہ دلائل ہیں جو حق کو روز روشن کی طرح واضح اور عیاں کرنے والے ہوں اور شک و شبہ کی ساری تاریکیوں کو کافور کر کے قلب کی تاریکیوں کو نور یقین سے بدلنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ یعنی بالمقالة المحکمة الصحيحة وهي الدليل الموضح للحق المزیل للشبهة (☆ تفسیر خازن ج ۴ ص ۶۲ زیر آیت ادع الی ربک بالحکمة والموعظة الحسنة الخ تفسیر المدارک ص ۷۰۲ ج ۱ زیر آیت مذکورہ)

یعنی مخاطب کی ذہنی استعداد اور حالات کے مطابق موقع کی مناسبت سے بات کرنا حکمت ہے۔ تاکہ بات دل میں بیٹھ جائے۔



## (۲) موعظۃ حسنة :-

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رقمطراز ہیں موعظہ حسنة اس نصیحت کو کہا جاتا ہے جو خیر و فلاح کی یاد دہانی اس اسلوب سے کرائے کہ پتھر دل بھی موم ہو جائیں۔ علامہ راغب الاصفہانی لکھتے ہیں قال الخلیل (الوعظ) هو التذکیر بالخير فيما يرق له القلب والوعظة الموعظة الاسم (☆ المفردات للراغب ص ۵۳۷) یعنی فلسفیوں کی طرح دلائل کے خشک انبار نہ لگاتے چلو بلکہ تمہارا انداز خطاب ایسا ہونا چاہئے کہ لفظ لفظ سے اخلاص و محبت کے چشمے ابل رہے ہوں آپ کی آواز کا زیروہم شفقت و پیار کا آئینہ دار ہو۔ اور دلسوزی اور خیر خواہی ہر ہر لفظ سے عیاں ہو رہی ہو۔ (☆ تفسیر ضیاء القرآن ج ۲ ص ۲ زیر آیت ادع الی سبیل منک بالحکمة والموعظة الحسنة الخ)

## (۳) مجادلۃ بطریق احسن :-

اگر مد مقابل آمادہ پیکار ہو جائے اور بات بحث مباحثہ اور مناظرہ و جدل تک پہنچ جائے تو بحث مباحثہ احسن اور عمدہ طریقہ سے کیا جائے تہذیب و شائستگی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے کلام میں شیریں بیانی اور شریفانہ برتاؤ جھلک رہا ہو۔ اپنی علمی برتری کے گھمنڈ میں فریق مخالف کو نیچا دکھانے کے لئے ہر حربہ استعمال میں نہ لائے۔ بلکہ مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی سر بلندی اور اس کی رضا جوئی ہو۔

## لوگوں کے تین اقسام :-

پہلی قسم وہ علماء کا ملین ہیں جو عقل صحیحہ اور نظر ثاقب کے مالک اور حقائق اشیاء کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ادع الی سبیل ربک یعنی انہیں دلائل قطعیہ یقینہ کے ساتھ دعوت دیں تاکہ وہ حقائق اشیاء کو جان لیں۔ خود بھی نفع حاصل کریں اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائیں۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو فطرت سلیمہ کے مالک ہوتے ہیں اور خلقت اصلیہ پر ہوتے ہیں یہ لوگوں کی وہ اکثریت ہے جو حد کمال کو نہیں پہنچے ہوتے اور نہ ہی حد نقصان تک گرے ہوتے ہیں یہ درمیانی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا *الموعظة الحسنة* یعنی انہیں موعظہ حسنہ سے دعوت دیں۔

تیسری قسم کے لوگ صاحب جدال اور جھگڑالو ہوتے ہیں انہیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا *جادلہم بالتي هي احسن* تاکہ وہ حق کی طرف مائل ہو جائیں۔ (☆ تفسیر خازن ص ۶۲ ج ۳ زیر آیت ان الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة الخ) اس کے علاوہ بھی ان کے معافی بیان کئے گئے ہیں جنہیں طوالت کے خوف کی بناء پر درج نہیں کیا جاتا۔

(۴) نرم بات چیت :-

دعوت اسلام کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انتہائی نرم لہجہ میں دعوت دی جائے نہ کہ ترش اور کھردرے انداز میں ارشاد باری تعالیٰ ہے *فقولا له قولا لينا* (طہ ۴۴) اس کے ساتھ نرم انداز سے گفتگو کریں۔

علامہ قرطبی رقمطراز ہیں *القول اللين هو الذي لا خشونة فيه فاذا كان موسى امر بان يقول لفرعون قولا لينا فمن دونه اخرى بان يقتدى بذلك بخطابه* (☆ تفسیر ۵۶ مع الاحکام القرآن ج ۶ ص ۹۶ زیر آیت *فقولا له قولا لينا*)

قول لین سے مراد ایسی گفتگو ہے جس میں کسی بھی قسم کی کوئی خشونت (تندکلامی) وغیرہ نہ ہو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ فرعون کے ساتھ بھی نرم لہجہ میں گفتگو کریں تو آپ کے علاوہ دوسرے تو بدرجہ اولیٰ اس بات کے حقدار ہیں کہ وہ آیت کی اتباع کریں اور تندکلامی اور سخت گفتگو سے احتراز کریں اور کلام میں نرمی اور شیریں بیانی کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ اگر مبلغ ترش رد اور سخت خو ہو تو لوگ اس کی طرف مائل ہونے اور اس کی گفتگو کو غور سے سننے کے بجائے اس سے نفرت کریں گے اور اس سے دور بھاگیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا

کہ وہ شخص اپنی بات ہی دوسروں تک نہ پہنچا سکے گا۔ لہذا ایک مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نرم مزاج اور شیریں کلام ہو۔ اور بقول ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں یا دودھ اور شہد کی نہریں بہہ جا رہی ہوں۔

(☆ تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۱۳ از ریاض فقولا له قولاً لیناً الخ)

### (۵) دین کو آسان بنا کر پیش کرنا:

دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے آسان طریقہ اختیار کرنا چاہئے اور لوگوں کو ترغیب دینی چاہئے نہ کہ صرف ترہیب اور خوف دلا کر اسلام کی طرف دعوت دی جائے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام کی دعوت لے کر بھیجا تو فرمایا:

یسروا ولا تعسروا و بشروا ولا تنفروا یعنی تم دین کو آسان بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا اور سخت بنا کر پیش نہ کرنا لوگوں کو خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا۔ (☆ بخاری کتاب العلم باب ما کان النبی ﷺ یتخولہم بالموعظة والعلم کی لاتنفروا)

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں المراد تالیف من قرب اسلامہ و ترک التشدید علیہ فی الابتداء و کذا لک الزجر من المعاصی ینبغی ان یکون بتلطف ليقبل و کذا تعلم العلم ینبغی ان یکون بالتدریج لان الشیء اذا کان فی ابتداءہ سہلاً حب الی من یدخل فیہ و تلقاہ بانبساط و کانت عاقبتہ غالباً الا زیاد بخلاف ضده (☆ فتح الباری ج ۱ کتاب العلم باب ما کان النبی ﷺ یتخولہم بالموعظة والعلم ولا ینفروا)

ترجمہ: اس سے مراد قریب الاسلام کی تالیف قلبی کرنا ہے اور ابتداء اس پر تشدد کو ترک کرنا ہے اس طرح گناہوں پر زجر و تنبیخ بھی تلطیف (مہربانی) سے ہونی چاہیے تاکہ اسے قبول کرے اسی طرح تدریجاً علم کی تعلیم دی جائے کیونکہ جب کوئی چیز ابتداء سہل ہو تو وہ اس میں داخل ہونے کیلئے محبوب ہوا کرتی ہے اور وہ اسے خوشی سے قبول کرتا ہے اور اس کا نتیجہ عموماً زیادتی ہوتی ہے۔



## (۶) عدم اکراہ:

ایک مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقائد و نظریات کی دعوت دلائل و براہین سے دے اور اس پر حق کو واضح کر دے۔ اور اسلام کی حقانیت، توحید اور رسالت کی صداقت اس پر واضح کرے تاکہ وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہو کر ابدی راحت و سکون اور اخروی نعمتوں کا حقدار ٹھہر سکے۔ لیکن اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نظریات یا عقائد کسی پر جبر اور ظلم و اکراہ سے ٹھونس دے کیوں کہ اسلام میں جبر نہیں ہے قرآن حکیم میں اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے لا اکراہ فی الدین (بقرہ/۲۵۶) دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

دین کے اندر جبر ہو بھی کیسے سکتا ہے اور کسی کو مجبوراً اسلام کے دائرہ میں داخل کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے جب کہ دین کا تعلق ایمان سے ہے اور ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور دل تو جبراً کسی کے سامنے سرنگوں ہونا جانتا ہی نہیں نیز اسلام لوگوں کے قلب و باطن کی اصلاح اور وابستگی چاہتا ہے اور قلب و باطن کی درستگی اسی وقت ممکن ہے جب اسلامی تعلیمات کو دل کی گہرائیوں سے حق اور درست سمجھ کر قبول کر لیا گیا ہو۔ اور ان تمام تعلیمات اور نظریات کو اپنے لئے حرز جاں بنالیا جائے اور ان کے تحفظ کے لئے جان و مال کی قربانی دینے سے گریز نہ کیا جاسکتا ہو۔ وہ اسلام اور دین جس کو جبراً تسلیم کیا گیا ہو دل میں سرایت نہ ہوا ہو اسلام کو اس کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی ایسا ایمان اسلام میں قابل قبول ہو سکتا ہے۔ لہذا ایک مبلغ کے لئے کسی بھی طرح یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کو مجبوراً اسلام قبول کروائے بلکہ وہ صرف اور صرف دعوت دے قرآن مجید فرقان حمید میں دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر (الکھف/۲۹) جو چاہے وہ ایمان قبول کرے اور جو چاہے کفر کرے۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعا افانت تکره الناس حتی یکنوا مومنین (الشعراء/۴۳) اگر آپ کا رب چاہے تو سارے زمین والے ایمان لے آئیں کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے۔

## (۷) مبلغ کی بے غرضی اور دلسوزی:

مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیاوی اغراض اور مادی منفعت کو پیش نظر رکھے بغیر فقط اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور دین اسلام کی سر بلندی کے جذبہ کے تحت اسلام کید عوت دے رہا ہو۔ اور بندگان خدا کو راہ راست پر لا کر خالق حقیقی سے ملانا اور اس کی سر زمین پر اسی کے نظام کو قائم کرنے کا ولولہ اس کے دل میں موجزن ہو۔ اور پھر وہ انہیں اپنی بے غرضی اور بے لوث ہونے کا احساس بھی دلائے۔ جس طرح کہ انبیاء کرام کا طریقہ کار رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔ انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون وما اسئلكم علیہ من اجر ان اجری الا علی اللہ رب العلمین (الشعراء ۱۰۷/۱۰۹) بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو میرے رب کے ہاں ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا وما اسئلكم علیہ من اجر ان اجری الا علی اللہ رب العلمین (الشعراء ۱۲۷)

اس طرح حضرت صالح، لوط، شعیب اور دیگر انبیاء کرام نے بھی اپنی بے غرضی اور دلسوزی کا برملا اعلان کر کے اپنی اپنی قوم کو کفر و شرک کے ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی تلقین کی۔ اور حضور ﷺ نے بھی طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں یہاں تک کہ طائف کے مقام پر آپ لہو لہان ہوئے غزوہ احد کے موقع پر آپ زخمی ہوئے آپ کے سامنے کے دو دندان مبارک شہید ہوئے پیشانی سے خون پونجھ رہے تھے اور ساتھ ہی یہ فرما رہے تھے رب غفر لقومی فانہم لا یعلمون اے میرے رب میری قوم کو بخش دے بے شک وہ نہیں جانتے (کہ وہ کیا کر رہے ہیں) طائف کے مقام پر بد بخت آپ کو پتھر برسار برسار لہو لہان کرتے ہیں۔ جب فرشتہ آپ کے پاس آ کر عرض کرتا ہے یا رسول اللہ اگر حکم فرمائیں تو اہل طائف کو تباہ و برباد کر کے

رکھ دوں۔ تو آپ فرماتے ہیں مجھے تو رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ زحمت بنا کر نہیں کیا ہوا ان لوگوں نے مجھے نہ پہچانا ہو سکتا ہے ان کی اگلی نسلیں مجھے پہچان لیں اور مجھ پر ایمان لا کر اسلامی نعمتوں سے مالا مال ہو جائیں۔

### (۸) تدریج کا عمل:

تبلیغ اسلام میں تدریج کے عمل کو بروئے کار لانا چاہئے۔ یعنی آہستہ آہستہ اسے اسلام کے قریب کیا جائے اور وقفہ وقفہ سے اس پر اسلامی احکامات اور ان کے فوائد و ثمرات اور ان پر مرتب ہونے والے اثرات کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ ذہنی طور پر اسلام کو قبول کرنے اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔ اور یہی تعلیم خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام کو فرمائی۔ عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا تم انک ستاسی قوما من اهل الكتاب فادعهم الى شهادة لا اله الا الله و انى رسول الله فان هم اطاعوا لذلک فاعلمهم ان الله افترض علیهم خمس صلوات فی کل يوم و ليلة فان هم اطاعوا لذلک فاعلمهم ان الله افترض علیهم صدقة تؤخذ من اغنیائهم فترد الى فقرائهم فان هم اطاعوک لذلک فایاک و کرائم اموالهم و اتق دعوة المظلوم فانه لیس بینہا و بین الله حجاب .

(☆ مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الدعاء الى الشهادتین و شرائع الاسلام)

تم بعض اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو تو پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میری رسالت کی شہادت دینے کی دعوت دینا جب وہ اس کو مان لیں تو انھیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ ان کو تسلیم کر لیں تو ان کو بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو ان کے دولت مند لوگوں سے لے کر ان کے فقراء میں تقسیم کی جائے



گی جب وہ اس کو قبول کر لیں تو زکوٰۃ میں ان کا بہترین مال ہرگز نہ لینا اور مظلوم کی دعا سے بچنا کیوں کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے اندر آپ ﷺ نے کس انداز میں تبلیغ کے اصول کو واضح فرمایا ہے کہ اگر آپ نے پہلی بار ہی یہ تمام احکامات بتا دیئے تو ہو سکتا ہے وہ اس دین کو ہی اپنے لئے گراں سمجھ بیٹھے۔ اور اس سے اعراض کر کے جہنم رسید ہو جائے لہذا تم انہیں ایک ایک بات کی تعلیم دو جب وہ اسے قبول کرے اس کے بعد تدریجاً اسے احکامات سکھاتے جاؤ کہ یہ چیز بھی اسلام میں فرض ہے لہذا اس پر بھی عمل پیرا ہو جاؤ۔ جب وہ اس پر عمل پیرا ہو پھر دوسرا حکم اسے سنایا جائے۔ الی غیر ذالک

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآن میں سب سے پہلے جو چیز نازل ہوئی وہ ایک مفصل سورۃ ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ جنت کے دائرے میں آ گئے تب حلال و حرام کے احکامات نازل ہوئے اگر بالکل شروع میں ہی یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب کو نہیں چھوڑیں گے جب یہ حکم دیا جاتا کہ زنا نہ کرو تو وہ کہتے ہم ہرگز زنا کو نہیں چھوڑیں گے۔ (بخاری کتاب باب تالیف القرآن)

مبلغ کے اوصاف:

ایک مبلغ دین اور داعی امت کے لئے درج ذیل اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کامیابی سے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچا سکے بصورت دیگر وہ اپنے مقصد میں کما حقہ کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا۔

(۱) صحیح العقیدہ ہونا:

ایک مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح العقیدہ ہو۔ اور اللہ اور رسول اور یوم آخرت پر کامل یقین رکھتا ہو اور معرف اور نیکی و خیر خواہی کا حکم دینے والا اور منکر اور برائی سے روکنے والا ہو

قرآن حکیم میں اسی حقیقت کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس  
تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تؤمنون باللہ تم بہترین امت ہو جنہیں  
لوگوں کی (ہدایت و بھلائی) کے لئے ظاہر کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو  
اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

آیت کریمہ میں امت مسلمہ کی افضلیت کی وجہ اور علت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر  
کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس پر دوام اختیار کرنا ہے۔ جس سے معلوم ہوا  
کہ ایک مبلغ کے لئے صحیح العقیدہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر صحیح العقیدہ ہونا ضروری نہ ہوتا تو  
تو منون باللہ سے متصف کرنے کی چنداں ضرورت نہ ہوتی۔ لہذا ایک مبلغ دین کے لئے صحیح  
العقیدہ ہونا ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان کامل رکھتا ہو اور اسے ذات و صفات اور افعال  
میں یکتا ماننا ہو اور پھر اس کے آخری رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت اور اس کے  
تمام تقاضوں پر ایمان رکھتا ہو۔

## (۲) حق کی بصیرت:

ایک مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام کی کامل بصیرت رکھنے والا ہو حق و  
باطل میں کامل امتیاز رکھتا ہو اور دین اسلام کی صداقت پر دلائل عقلیہ و نقلیہ رکھتا ہو تب جا کر وہ  
اس راہ خازار میں ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ اگر کامل بصیرت اور ایمان و یقین ہی انسان کو مشکل  
وقت میں قدم ڈگمگانے سے بچا سکتا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے قل ہذہ سبیلی  
ادعو الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی و سبخن اللہ و ما انا من المشرکین  
(یوسف/ ۱۰۸) اے محبوب فرما دیجئے! یہ میرا راستہ ہے میں بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف  
واضح دلیل پر ہوں۔ اور جو میری پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور میں  
مشرکین میں سے نہیں۔

علامہ خازن لکھتے ہیں یعنی علی یقین و معرفة و البصيرة هي المعرفة التي يميز بها بين الحق والباطل (☆ تفسیر خازن ص ۳۲۲ ج ۴ زیر آیت مذکورہ) یعنی بصیرت سے مراد یقین اور معرفت ہے اور بصیرت ایسی معرفت کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے حق اور باطل کے درمیان تمیز کی جاسکے۔

علامہ نسفی لکھتے ہیں علی حجة و برهان لا علی هوى یعنی میں حجت اور برهان (دلائل) پر ہوں نہ کہ خواہش نفسانی پر (☆ المدارک ص ۶۲۷ ج ۱ زیر آیت مذکورہ)  
ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں بصیرت سے مراد ایسے واضح دلائل ہیں اور قوی براہین ہیں جن کے بعد کوئی اندھیرا نہیں رہتا۔  
(☆ تفسیر ضیاء القرآن ج ۲ ص ۶۳ زیر آیت مذکورہ)

### (۳) باعمل شخصیت:

ایک مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تعلیمات پر خود بھی عمل پیرا ہو جن کی وہ دوسروں کو تعلیم دے رہا ہے اور جن کے اپنانے کا حکم وہ دوسروں کو دے رہا ہے یا جن سے وہ دوسروں کو منع کر رہا ہے وہ بذات خود ان سے متصف اور منہیات سے دور رہنے والا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم (البقرہ/۴۴)

کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟

حدیث شریف میں آیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میرا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے میں نے جبریل سے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبریل نے بتایا هؤلاء الخطباء من اهل الدنيا (وفی رواية من امتک) یا مرون الناس بالبر و ينسون انفسهم وهم يتلون الكتب افلا يعقلون

(☆ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸۶ زیر آیت اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم الخ)



یہ دنیا کے خطباء ہیں (ایک روایت میں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں) جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور اپنے نفسوں کو بھلائے رکھتے ہیں حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے یا ایہا الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون (لقف: ۲) اے ایمان والو تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر مبلغ کسی حکم پر بتقاضائے بشری عمل پیرا نہ ہو سکے تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وظیفہ ہی کو ترک کر دے، بلکہ ایک مبلغ بیک وقت دو حکموں کا پابند ہے وہ بذات خود نیکی پر گامزن ہونے اور برائی سے رکنے کا بھی پابند ہے اور اس پر دوسروں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی فرض ہے لہذا عمل میں کوتاہی کی صورت میں تبلیغ کے فریضے سے سبکدوشی اسے دو احکام اور دو فریضوں کے ترک کا مرتکب ٹھہرے گا۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں مکلف کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ایک معصیت کو ترک کرنا اور دوسرا غیر کو معصیت سے روکنا ایک حکم پر عمل نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے حکم کو بھی صرف نظر کر دے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ”اتأمرؤن الناس بالبر وتنہون انفسکم“ (البقرہ: ۴۴) کے دو محل ہیں ایک یہ کہ انسان اپنے آپ کو بالکل بھول جائے اس سے منع کیا گیا ہے دوسرا محل یہ ہے کہ جس وقت خود عمل نہ کر رہا ہو اس وقت دوسروں کو حکم دینے سے منع کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک پہلا محل ہی مراد ہے نہ کہ دوسرا۔ (تفسیر کبیر ج اول ص ۳۲۶ بقرہ: ۴۴)

(۴) جذبہ ایثار و قربانی:

مبلغ کے لئے بے لوث اور دنیاوی جاہ و جلال اور مادی منفعت سے بے غرض فقط رضائے الہی کے لئے دین اسلام کی تبلیغ کرنی چاہئے اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر بڑی سے بڑی خدمت اور قربانی کے لئے جذبہ رکھنا چاہئے۔ انبیاء کرام کے پیش نظر صرف یہی چیز تھی اور یہی اعلان بار بار انھوں نے کیا کہ ہمیں کسی قسم کی دنیاوی و مادی منفعت کی کوئی حاجت نہیں ہم

تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے دین کی سر بلندی اور آپ لوگوں کی بھلائی کی خاطر تمہیں دعوت اسلام دے رہے ہیں اور اس کے لئے طرح طرح کی مشکلات اور مصائب برداشت کرتے ہیں ہمیں آپ سے کسی بھی قسم کا کوئی اجر مطلوب نہیں ہے ہمارا اجر ہمارے رب کے ہاں ہے قل ما اسئلكم عليه من اجر الا من شاء ان يتخذ الى ربه سبيلا (فرقان/ ۵۷) فرمادیتجئے میں تم سے (اس خیر خواہی) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔

یعنی میں اس دین کی تبلیغ اور اس کے بدلے تمہاری جانب سے طرح طرح کی تکالیف، طعنے اور گالیاں فقط اس لئے برداشت کرتا ہوں تاکہ تم میں سے سلیم الفطرت لوگ ایمان کی دولت اس کے نیچے استقرار پذیر ہو کر سجدہ کرتا ہے۔ حالانکہ امام الحرمین وغیرہ نے تصریح کر دی ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورج ایک قوم پر غروب ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے اور ایک قوم کے ہاں رات طویل ہوتی ہے تو دوسری قوم پر چھوٹی۔ اور خط استواء میں رات و دن کے درمیان طول و قصر کا اختلاف اور بلاد بلخار میں تو سورج شفق کے غروب ہونے سے قبل ہی طلوع ہوتا ہے۔ اور اس پر دائل قائم ہو چکے ہیں کہ غروب کے وقت یہ ساکن نہیں ہوتا۔ ورنہ طلوع کے وقت بھی سکون پذیر ہوگا۔ اور پھر یہ اپنے مدار سے جدا بھی نہیں ہوتا۔ پھر ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف طلوع ہو کر عرش تک کیسے پہنچتا ہے؟

سے مالا مال ہو کر عند اللہ ماجور ہوں اور عذاب الیم سے بچ جائیں اس کے علاوہ میرے پیش نظر کوئی دوسری مادی منفعت یا کسی جاہ جلال کی کوئی خواہش نہیں ہے میری مشقتوں اور جانفشانیوں کا اجر و صلہ صرف یہی چیز ہے۔

(۵) باوقار شخصیت:

مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک باوقار شخصیت ہو جس کو دیکھنے سے ہی اس کا رعب داب اور اس کی پروقار اور پر عظمت شخصیت انسان کو متاثر کرے اور دوسرا شخص اس کی بات سننے اور

اس پر عمل کرنے کے لئے بے تاب ہو جائے اور حاضرین اسے خفیف اور گزرا ہوا آدمی نہ سمجھ بیٹھیں تاکہ اس کی بات پر توجہ ہی نہ دے سکیں قرآن حکیم اس حقیقت کو یوں بیان فرماتا ہے۔

ولا يستخفنک الذین لا یوقنون (الروم/۶۰)

آپ کو ہرگز سبک نہ کریں وہ لوگ جو ایقان نہیں رکھتے۔

علامہ راغب الاصفہانی لکھتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو (ہلکا پھلکا سمجھ کر) اپنے اعتقاد سے شبہات میں ڈال کر پھلانا دیں۔ ای لا یزعجنک ولا یزیلنک عن اعتقادک ما یوقعون من الشبهة۔

(☆ المفردات للراغب ص ۱۵۲)

## (۶) قلبی تڑپ:

ایک کامیاب مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دل میں مخلوق خدا کی بھلائی اور خیر خواہی کی تڑپ موجود ہو وہ انہیں گمراہی و ضلالت اور کفر و شرک کی لعنت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات دلانے کے جذبہ سے موجزن ہو۔ اور ان کی ابدی نجات کے لئے کوئی بھی قربانی دینے کے لئے تیار ہو یہی وہ جذبہ تھا جس کی بنا پر خود مبلغ اعظم ہادی عالم رحمت مجسم حضرت محمد مصطفیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔ اپنا جسم لہو لہان کر دیا گالیاں سنیں۔ دندان مبارک شہید کر دئے تین سال تک محصور رہے لیکن بایں ہمہ دعوت و تبلیغ کو نہ چھوڑا بلکہ مکہ کے بازاروں میں، کعبۃ اللہ کی دیواروں کے سائے میں، ان کی خلوت اور جلوت گاہوں میں اور ان کے میلوں میں جا جا کر درد و سوز میں بھری ہوئی آواز میں اسلام کا پیغام سنایا۔ اور راتوں کو سر بسجود ہو کر بارگاہ ایزدی میں ان کی ہدایت کی دعائیں مانگتے رہے۔ خداوند قدوس نے اپنے محبوب کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا فلعلک باخع نفسک علی اثارہم ان لم یؤمنوا بهذا الحدیث اسفاً (الکھف/۶)

گویا آپ فرط غم سے اپنی جان کو تلف کر دیں گے ان کے پیچھے اگر وہ اس قرآن کریم پر ایمان نہ لائے افسوس کرتے ہوئے۔



(۷) تعصب سے بالاتر ہونا:

مبلغ کے لئے یہ بات بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ وہ ہر قسم کی ذات پات، رنگ و نسل اور دیگر ہر قسم کے تعصب سے پاک ہو کر سب کو اسلام کی تبلیغ کرے۔ امیر کبیر، چھوٹے بڑے اور خاندان و حسب و نسب کے امتیاز سے بالاتر ہو کر حق کا پیغام سنائے اور اس سلسلہ میں لومۃ لائم کی کوئی پروا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غینا او فقیرا فاللہ اولیٰ بہما فلا تتبعوا الهویٰ ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا (النساء/۳۵) اے ایمان والو انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ محض اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دینے والے بن جاؤ چاہے تمہیں یہ گواہی اپنے نفسوں، والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) چاہے وہ امیر ہو یا غریب پس اللہ تعالیٰ دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے انصاف کرنے میں نفسوں کی اتباع نہ کرو۔ اگر تم بہیر پھیر کر و یا منہ موڑو تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:-

یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شان قوم علی ان لاتعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقویٰ (مائدہ/۸) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ کسی قوم کی عداوت تمہیں ہرگز عدل نہ کرنے پر نہ اکسائے عدل لیا کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ ان آیات مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اور دوسرے مقام پر امت مسلمہ کی فضیلت کا بیان کرتے ہوئے انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی وجہ سے خیر امت کا تاج سر پر رکھ کر انہیں عزت و شرف سے نوازا لہذا ایک مبلغ کے لئے ضروری ٹھہرا کہ وہ ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر فقط اللہ جل مجدہ

کی رضا جوئی کی خاطر انصاف پر مبنی احکام لوگوں تک پہنچائے۔ اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کی کوئی دوسری چیز اسے سچی بات اور حق پہنچانے سے باز نہ رکھے۔

### (۸) صبر و استقامت:

مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے وقت مصائب و تکالیف اور آلام و شدائد کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور ان کے سامنے سینہ سپر ہو کر اپنے کام میں لگن رہے۔ لوگوں کے طعن و تشنیع کے تیروں، مالی نقصان اور جسمانی و ذہنی اذیتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دین اسلام کی سر بلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جان کی بازی لگانے سے بھی احتراز نہ کرے۔ کیوں کہ وہ لوگ جو دین اسلام کی تعلیمات سے کوسوں دور رہ کر کفر و عصیان کی زندگی گزار رہے ہوں نفس امارہ کی اطاعت گزار اور ہوائے نفسانی کے مطیع ہوں انھیں ایمان و ایقان اور اطاعت و فرمانبرداری کی جانب لانا اتنا آسان کام نہیں ہے یہ کام جتنا اہم ہے اتنا ہی مشکل بھی ہے۔ اس کے لئے صبر و استقامت کی بھی بڑی ضرورت ہے قرآن حکیم میں فرمان ہے حضرت لقمان اپنے فرزند کو اسی چیز کی تعلیم دے رہے ہیں۔ یا بنی اقم الصلوٰۃ و امر بالمعروف و انه عن المنکر و اصبر علی ما اصابک ان ذالک من عزم الامور (لقمان/۱۷)

میرے پیارے بچے! نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

### (۹) خدا کی نصرت اور تائید پر ایمان:

ایک مبلغ اسلام اور داعی امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید پر پورا پورا بھروسہ ہونا ضروری ہے اور اس راہ میں آنے والی مشکلات و پریشانیوں سے دل برداشتہ ہو کر دعوت و تبلیغ سے کنارہ کش نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خود بخود اس کے لئے راہیں کھولتا رہے گا خود رب العزت کا فرمان ہے والذین جاهدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین۔

(العنکبوت/۶۹)

اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لئے ہم ضرور انھیں اپنے راستے

دکھا دیں گے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے۔

یعنی جو شخص ہمارے دین کی سر بلندی کے لئے ہماری رضا جوئی کے لئے ظاہری و باطنی دشمنوں سے برسر پیکار رہے اور اپنی تمام کوششیں، اپنی تمام توانائیاں دین اسلام کے پیغام کو عام کرنے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے صرف کرے گا تو ہم انھیں ایسی راہوں پر پہنچا دیتے ہیں جن پر چل کر وہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ ہماری رحمت اسے کسی بھی وقت کہیں بھی تنہا نہیں چھوڑتی۔ بلکہ ہر نازک وقت میں ہر مشکل گھڑی میں ان کی دستگیری کرتی ہے اور ان کے قدموں کو جادہ حق سے بھٹکنے نہیں دیتی اور میرے بندے کہیں بھی بے یار و مددگار نہیں ہوتے بلکہ میری نصرت و تائید ہمیشہ ان کے شامل حال رہتی ہے سبحان اللہ! جب ایک مبلغ کو اس بات کا قوی یقین ہو بلکہ اس بات پر اس کا ایمان ہو کہ اس کے رحیم و کریم پروردگار کی نصرت و تائید اس کے ساتھ ہے وہ اکیلا نہیں ہے تو پھر اس راہ میں پیش آنے والی مصیبتیں اس کے سامنے ہیج ہوتی ہے اور ارشاد و تبلیغ سے اسے روک نہیں سکتی۔

(۱۰) پاکیزہ کردار:

ایک مبلغ کا صاحب کردار ہونا بھی ضروری ہے جب تک ایک مبلغ خود پاکیزہ کردار کا مالک نہیں ہوگا اس کی بات کسی پر اثر انداز نہ ہوگی اور نہ کوئی دوسرا اس کی بات سننے کے لئے آمادہ ہوگا خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دعوت اسلام کا آغاز فرمایا تو اپنی ذات کو اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کیا اور اپنی چالیس سالہ زندگی کا کردار ان کے سامنے رکھا چنانچہ کفار مکہ کی انتہائی مخالفت کے باوجود اور خون کے پیاسے ہونے کے باوصف وہ لوگ حضور ﷺ کی سیرت پر انگلی نہیں اٹھا سکتے تھے تاریخ گواہ ہے کہ اس مخالفت کے باوجود اپنی امانتیں بھی آپ کے پاس انتہائی محفوظ سمجھتے ہوئے رکھتے تھے اور آپ کو "الصادق والامین" کے لقب سے پکارتے بھی تھے۔ ابو جہل نے بھی ایک دن کہا تھا اے محمد (ﷺ) میں آپ کو جھوٹا نہیں کہتا مگر کیا کروں آپ کی دعوت پر میرا دل نہیں ٹھہرتا۔ آپ کے بعد صحابہ کرام اور اولیاء عظام نے بھی اپنی پاکیزہ سیرت کے ذریعے ہی دین اسلام کو دنیا کے دور دراز گوشوں تک پھیلا یا۔ اللہ جل مجدہ کا فرمان ہے



و ثيابك فطهر والرجز فاهجر اپنے کپڑوں کو پاکیزہ رکھئے اور گندگی سے احتراز فرمائیے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاہ اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ اپنی ذات کو ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاکیزہ رکھنا ہی اعلیٰ سیرت و کردار ہے۔ لہذا جب تک ایک مبلغ خود اپنے کردار کو درست نہیں کرے گا اس کی بات غور سے نہیں سنی جائے گی۔ لہذا مبلغ کا پاکیزہ کردار والا ہونا نہایت ضروری ہے۔

(۱۱) تبلیغ کے مواقع تلاش کرنے والا ہو:

مبلغ کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تبلیغ کے مواقع کی تلاش میں ہو جب بھی کوئی اہم موقع ہو جہاں لوگ جمع ہوں اور اسکی بات سننے کیلئے تیار ہوں لوگوں کے دل نرم ہوں تو اسے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے تبلیغ کے فریضے کی ادائیگی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرنا چاہیے۔ تبلیغ کے چند ایک مواقع درج ذیل ہیں:

۱۔ دعوت کا اہتمام کرے : مبلغ کیلئے تبلیغ کا ایک سنہری موقع دعوت کا اہتمام کر کے انہیں پیغام حق سناتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہوا ”وانذر عشیرتک کالاقربین“ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ تو حضور ﷺ نے خاندان مطلب کو دعوت دی اور دعوت کھلانے کے بعد آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ”اے خاندان بنی مطلب! میں تمہاری طرف بالخصوص اور عام لوگوں کی طرف بالعموم مبعوث کیا گیا ہوں اس آیت میں تم نے دیکھا جو کچھ دیکھا پس تم میں سے کون میری بیعت کرتا ہے کہ وہ میرا بھائی اور میرا ساتھی ہو جائے پس کوئی بھی نہ اٹھا۔ حضرت علی فرماتے ہیں میں اٹھا حالانکہ میں سب سے چھوٹا تھا۔ فرماتے ہیں آپ نے فرمایا، تم بیٹھ جاؤ یہ آپ نے تین بار فرمایا ہر بار میں آپ کی طرف اٹھتا آپ مجھے فرماتے بیٹھ جائیے، تیسری بار آپ نے اپنے دست مبارک سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۶۲ سورۃ شعراء ۲۱۴، معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۰۶، تفسیر خازن ج ۴ ص ۵۰۶ سورۃ شعراء ۲۱۴)

۲۔ ختم قرآن کا موقع : ختم قرآن کی تقریب بھی مبلغ کیلئے ایک اہم موقع ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا کر اپنے فریضہ کو حسن و خوبی ادا کر سکتا ہے، اور ختم قرآن کے آداب میں سے ایک

ادب یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے اہل و عیال اور دوست و احباب کو اس موقع پر جمع کرے۔ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”شعب الایمان“ میں لکھتے ہیں، ختم قرآن کے آداب میں سے ہے کہ قاری اپنے اہل و عیال کو جمع کرے اور کوشش یہ کرے کہ یا تو اول نہار یا اول لیل میں ختم قرآن کرے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۳۲۷ باب فی تعظیم القرآن)

حضرت قتادہ سے مروہ ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسکی تاڑ میں رہے جس دن اس نے ختم قرآن کیا آپ اٹھے اور اسکے پاس تشریف لائے۔ (سنن دارمی باب ختم القرآن ج ۴ ص ۲۱۷۹)

حضرت ثابت نبانی فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک جب رات کو ختم قرآن کے قریب پہنچتے تو کچھ حصہ باقی رکھتے صبح کو اپنے اہل و عیال کو جمع کر کے ان کے ساتھ ختم قرآن کرتے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۳۶۸ باب فی تعظیم القرآن، سنن دارمی ج ۴ ص ۲۱۸۰) دوسری روایت میں ہے کہ آپ اپنے اہل و عیال کو جمع کر کے ان کیلئے دعا کرتے۔ معلوم ہوا کہ ختم قرآن وہ بہترین موقع ہے جس میں شریک آدمیوں کو بآسانی ایک مبلغ تبلیغ کر کے اپنے فریضہ کو بحسن و خوبی ادا کر سکتا ہے۔

۳۔ وفات کے موقع پر جب لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور اس وقت ترغیب و ترہیب ان پر بڑی موثر ہوتی ہے لہذا مبلغ کو چاہیے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے اور پیغام حق لوگوں تک پہنچائے جیسا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے اقرار زنا پر جب حضور ﷺ نے رجم کا حکم ارشاد فرمایا اور انہیں رجم کیا گیا تو حضور ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے فرمایا ”ہم جب اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے جاتے ہیں تو کوئی شخص پیچھے ہماری عورتوں میں رہ جاتا ہے اور بکرے کی طرح آوازیں نکالتا ہے مجھ پر لازم ہے کہ میں ہر اس شخص کو عبرتناک سزا دوں جس نے یہ کام کیا ہو اور اسے میرے سامنے لایا گیا ہو“ (مسلم کتاب الحدود باب حد الزنا)



معلوم ہوا کہ اس موقع سے بھی مبلغ دین فائدہ اٹھا سکتا ہے اور تبلیغ کے فریضے سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔

۴۔ شادی بیاہ کے خوشی کے موقع پر بھی ایک مبلغ دین فائدہ اٹھا سکتا ہے اور خطبہ نکاح اور اس میں پڑھی جانے والی آیات و احادیث کا ترجمہ اور انکی شرح کر کے لوگوں تک پیغام حق پہنچایا جاسکتا ہے۔

۵۔ جمعرات کو ذکر و نعت وغیرہ کی محافل کا انعقاد کر کے بھی تبلیغ دین کے فریضہ کا ادا کیا جاسکتا ہے۔ جمعرات کو خود حضور ﷺ روزہ کا اہتمام کیا کرتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے میں نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا سوموار اور جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ جب میرے نامہ اعمال پیش کئے جائیں تو میں روزہ میں ہوں۔ معلوم ہوا کہ جمعرات کو خصوصیت کے ساتھ عبادت کی جائے اور محافل ذکر و نعت کا اہتمام کیا جائے اور اس میں تبلیغ کے فریضہ کو بھی ادا کیا جائے۔ (سنن دارمی کتاب الصوم باب فی صیام یوم الاثنین واثمیس، جامع الترمذی کتاب الصوم باب ماجاء فی صوم یوم الاثنین واثمیس، سنن ابن ماجہ کتاب الصوم باب صیام یوم الاثنین واثمیس) وغیرہ۔

### عصر حاضر کے مبلغین کا طریقہ تبلیغ اور اس کا اثر:

عصر حاضر کے مبلغین نے انبیاء کرام کے طریقہ تبلیغ کو نظر انداز کر دیا ہے اور اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس روگردانی کا اثر یہ ہے کہ صبر و تحمل، تدبیر، برداشت اور حکمت کی جگہ مبلغین بات بات پر غصے ہوتے ہیں۔ جوش خطابت میں آ کر مخالفین پر نہ صرف جملے کتے ہیں بلکہ بسا اوقات ناجائز گالیاں بھی ان کی زبان پر آ جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بجائے عبرت پذیری اور نصیحت حاصل کرنے کے مخالفین میں جذبہ ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کا پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اور بجائے اسلام کے قریب آنے کے وہ اسلام سے زیادہ دور ہی ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ پیغمبری پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے اور اپنے حسن عمل سے لوگوں کو دین اسلام کے قریب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے



اندر جذبہ خلوص اور للہیت پیدا فرمائے آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم وعلی الہ واصحابہ اجمعین آمین۔

### ولی اللہ کی شہادت اور قوم کی تباہی:

جب ان ظالموں نے اللہ کے ایک ولی کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرما کر انہیں ہلاک کر دیا کیوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ولی کے ساتھ دشمنی کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب ہم نے ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا تو ہمیں ان کی ہلاکت کے لئے آسمان سے فرشتوں کے لشکر بھیجنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور نہ ہی ہماری حکمت و مصلحت اس بات کی مقتضی ہے کہ کسی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے آسمان سے فرشتوں کا لشکر اتاریں اور نہ ہی ہمیں اس کی ضرورت تھی بلکہ ہمارے نزدیک تو پوری کائنات کو تباہ و برباد کر دینا بھی ایک معمولی کام ہے۔ اس حقیر سے کام کے لئے ایک ایسی کڑک اور گرج پیدا ہوئی کہ چشم زدن میں وہ سرکش قوم را کھ کا ڈھیر بن گئی اور ان کا سارا جوش و خروش اور اپنی طاقت پر گھمنڈ خاک میں مل گیا۔ اور ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔

مفسرین نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کے لئے حضرت جبرائیل امین کو بھیجا اور انہوں نے شہر کے دروازے کے دونوں اطراف کو پکڑ کر اس زور سے ہیت انگیز چیخ نکالی کہ کوئی ذی روح چیز اس کو برداشت نہ کر سکی۔ سب کے سب مر گئے۔ اور ان کے مرنے کو قرآن نے خامدون سے تعبیر کیا۔ (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۷ زیر آیت مذکورہ)

### معجزہ کی تعریف :

ایسا خارق للعادة امر جو خیر و سعادت کی دعوت دینے والا اور دعویٰ نبوت کے ساتھ مقرون ہو۔ اور مدعی نبوت کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کا اس سے قصد کیا گیا ہو معجزہ کہلاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۵۳)

## کرامت کی تعریف:

ایسا خارق للعادة امر جو غیر مدعی نبوت مومن، صالح، اولیاء اللہ میں سے کسی شخص کے ہاتھ پر صادر ہو کرامت کہلاتا ہے اگر ایمان و عمل صالح مقرون نہ ہو تو استدراج کہلاتا ہے۔  
(کتاب التعریفات ص ۱۲۹)

## معجزہ اور کرامت میں فرق:

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں ”معجزہ ایسا فعل ہے جو بشریت کو اسکی مثل لانے سے عاجز کرتا ہے۔ اسی لئے اسے معجزہ کہا جاتا ہے یہ انسانی مقدورات کی جنس میں سے نہیں ہوتا اور اس کے محل قدرت سے باہر ہوتا ہے۔“

وہ مزید لکھتے ہیں ”عام متکلمین کینزدیک معجزات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم سے صرف چیلنج کرنا مقصود ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اس کے وقوع سے پہلے اسے اپنی نبوت کی تصدیق کیلئے بطور ثبوت پیش کرے۔ جب یہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے سچے نبی ہونے پر قول صریح کی مانند ہو جاتا ہے اس وقت اس معجزہ کی دلالت صدق قطعی پر ہوتی ہے پس معجزہ خارق للعادة اور تحدی دونوں پر بیک وقت دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے تحدی اس کا جزو ہے۔“

تحدی معجزہ اور کرامت و سحر میں فرق کر نیوالی ہے۔ کیونکہ ان دونوں کو تصدیق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس تحدی کا وجود ان میں سوائے اتفاق کے نہیں پایا جاتا۔ کرامت میں تحدی (چیلنج) کے مجوزین کے نزدیک تحدی کا وقوع ولایت پر دلالت کرنے کیلئے ہوتا ہے جو غیر نبوت ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۰۳)

## بدر و حنین میں فرشتوں کے نزول کی وجہ:

جنگ بدر اور احزاب و حنین کے اندر فرشتوں کا نزول آنحضرت ﷺ کی تعظیم و تکریم کے باعث تھا یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی اور آپ ﷺ کی عظمت شان اور جلالت قدر کے اظہار

کے لئے فرشتوں کے لشکروں کو نازل کیا گیا اور صحابہ کرام کی طمانیت قلب بھی مطلوب تھی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما جعل الله الا بشري لكم ولتطمئن به قلوبكم وما النصر الا من عند الله۔ (ال عمران: ۱۲۶)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یوم بدر و خندق کو فرشتے کیوں نازل فرمائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فارسلنا عليهم ريحاً و جنوداً لم تروها (الاحزاب ۹) اور فرمایا بالف من الملائكة منزليين (انفال ۹) اور دوسری جگہ فرمایا بخمسة الاف من الملائكة مسومين (ال عمران ص ۱۸۰) فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ ایک فرشتہ بھی کافی تھا، اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو جبریل امین کے ایک پر کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ قوم ثمود و قوم صالح ایک چیخ سے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں تمام انبیاء پر اور اولوالعزم رسولوں پر حضور ﷺ کو فضیلت دی ہے اور آپ کو وہ عزت و شرف بخشا ہے جو کسی اور کو نہیں۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آسمان سے فرشتوں کو نازل فرمایا اور وما انزلنا اور وما کنا منزلين سے اس طرف اشارہ تھا کہ فرشتوں کی جماعتوں کا نزول ان عظیم امور کے لئے ہے جس کے اہل صرف آپ ہی ہیں اور آپ کے بغیر ہم کسی کے لئے فرشتوں کو نازل نہیں فرماتے۔

(تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۸ ص ۸۸ از ریاض ایت مذکورہ)

کفار کا انبیاء کا تمسخر اڑانا:

ان ظالموں اور سرکشوں کے پاس جب بھی کوئی رسول پیام حق لے کر آیا تو انھوں نے ان مقدس ہستیوں کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا پھر جب اللہ جل مجدہ نے اپنے مقدس بندوں کی استہزاء کی سزا کے طور پر انھیں تباہ و برباد کر دیا ان پر اپنا عذاب مسلط کر دیا تو یہی تمسخر اور استہزاء ان کے لئے باعث پشیمانی اور ندامت بن گیا۔ پھر کف افسوس ملنے لگے کہ کاش ہم نے ان انبیاء کرام کی نصیحت کو گوش و ہوش سے سن کر اسے اپنے لئے حرز جان بنا لیا ہوتا۔ تو یہ ذلت و رسوائی ہمیں نہ اٹھانا پڑتی۔ لیکن اب چھتھانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ یہ ان کی حسرت میں مزید اضافہ کا باعث ہی بنے گا۔



علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ قیامت میں جب یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے اس وقت انھیں سخت ندامت ہوگی کہ کیوں کر ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا کیوں کہ وہ دنیا میں اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔

(☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۸ زیر آیت مذکورہ)

### گزشتہ امتوں کی ہلاکت اور درس عبرت:

اب کلام کا رخ اہل مکہ کی جانب موڑا جا رہا ہے یعنی اہل مکہ کتنے ناعاقبت اندیش ہیں سابقہ اقوام و ملل کی روش اپنائی ہوئی ہے۔ اور انھیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب اور آپ اور آپ کے صحابہ کا تمسخر و استہزاء اڑانا اپنا مشغلہ بنایا ہوا ہے۔ ان کا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی طرف آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں اور ان پر پھبتیاں کتے ہیں اور یہ کتنے تعجب کی بات ہے۔ سابقہ امتوں اور قوموں کے انجام بد سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے جنہیں ان کی انھیں جرمانہ سرگرمیوں کی پاداش میں عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔ کسی قوم کو زمین میں گاڑا گیا تو کسی کو چنگاڑ اور گرج سے ہلاک کیا گیا۔ اور کسی پر پتھروں کی بارش کر کے تباہ و برباد کر کے آنے والی قوموں کے لئے باعث عبرت بنا دیا۔ لیکن اہل مکہ ہیں کہ تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے تجارتی قافلوں کا گزر بھی بسا اوقات ان اجڑی ہوئی بستیوں کے پاس سے ہوتا رہتا ہے جو اپنے ساکنین کی تباہی اور بربادی کا پتہ دیتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اپنی روش کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں حالانکہ انھیں بخوبی علم ہے کہ جن قوموں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا ان کا نام و نشان بھی اب دنیا سے مٹ چکا ہے۔ اور کوئی واپس اس دنیا میں بھی نہیں آیا۔ مرنے کے بعد تو دنیا میں کوئی واپس نہیں آ سکتا۔ مگر یوم حشر سب لوگ جمع ہو کر عند اللہ اپنے اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے۔ نیکو کار اپنے اعمال کا اچھا بدلہ جب کہ بدکار پابجولاں ہو کر جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

ان آیات کریمہ میں دھریوں اور ہناد کہ وغیرہ کا رد بھی ہے جو اپنی جہالت کی بنا پر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دنیا میں دوبارہ ایسے ہی لوٹ آئیں گے جیسے وہ پہلے تھے۔

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

ان کے لئے ایک نشانی یہ مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندگی بخشی اور ہم نے اس سے غلہ نکالا پس وہ اس سے

يَأْكُلُونَ ۳۳ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّنْ نَّحِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجْرْنَا فِيهَا

کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات اگائے اور اس میں چشمے جاری

مِنَ الْعُيُونِ ۳۴ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا

کر دیئے۔ تاکہ وہ اس کے پھلوں سے کھائیں سب کچھ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ پھر کیا وہ ان نعمتوں پر شکر

يَشْكُرُونَ ۳۵ سُبْحَنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِثُ

اور انہیں کرتے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے پیدا فرمایا۔ خواہ وہ زمین کی نباتات میں ہوں یا

الْأَرْضُ وَمِنَ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ۳۶ وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ

ان کے اپنے نفسوں میں سے (بنی نوع انسان میں سے) اور ان اشیاء کو بھی جنہیں یہ نہیں جانتے۔ اور دوسری نشانی ان

نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ۳۷ وَالشَّمْسُ تَجْرِي

نے لئے رات ہے ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو تو ایک نکتہ وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور یہ آفتاب ہے جو چلتا

لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَالِكِ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۳۸ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ

رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس (خدا کا) جو عزیز (اور) علیم ہے۔ اور (ذرا) چاند کو دیکھو

مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۳۹ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا

ہم نے مقرر کر دی ہے اس کے لئے منزلیں آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی طرح۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ

أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ

(پیچھے سے) چاند کو آگے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے اور یہ سب سیارے اپنے اپنے

يَسْبَحُونَ ۴۰ وَآيَةٌ لَهُمُ إِنَّا هَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ فِي الْفُلِكِ

فلک میں تیر رہے ہیں۔ ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی ذریت کو بھربھری شے میں

الْمُشْحُونِ ۝ (۳۱) وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۝ (۳۲) وَإِنْ

اٹھایا۔ اور ہم نے ان کے لئے اس کشتی کی مثل اور چیزیں بھی پیدا فرمائیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو

نَشَاءُ نَغْرِقُهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقِذُونَ ۝ (۳۳) إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا

ان کو غرق کر دیتے نہ ان کی آواز کوئی سننا اور نہ ہی کوئی انھیں بچانے والا ہوتا۔ بجز ہماری رحمت کے (نہ ہم انھیں پار

وَمَتَاعاً إِلَىٰ حِينٍ ۝ (۳۴) وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا

لگا میں) اور انھیں لطف اندوز ہونے دیں ایک مقررہ وقت تک۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس عذاب سے

خَلَفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (۳۵) وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ

ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (تو وہ اعراض کرتے ہیں) اور نہیں آتی ان

رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ (۳۶) وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ انْفِقُوا مِمَّا

کے پاس کوئی نشانی رب کی نشانیوں میں سے مگر یہ کہ وہ اعراض کرتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

رَزَقَكُمْ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا انْطَعِمُوا مَنْ لَوْ يَشَاءُ

دیئے ہوئے میں سے خرچ کرو (اس کی راہ میں) تو کافر معلموں کو کہتے ہیں کیا ہم اسے کھلائیں جسے اللہ چاہتا

اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ (۳۷) وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا

تو کھلا دیتا تم تو کھلی گمراہی میں ہو۔ کافر کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو

الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (۳۸) مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً

(تو اس کا وقت سقر ہمیں بتاؤ) یہ (بد بخت) صرف ایک گرج کا انتظار کر رہے ہیں

تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ۝ (۳۹) لَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ

جو (اچانک) انھیں آ لے گی دریاں حالیکہ وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے پس نہ تو وہ وصیت کر سکیں گے اور نہ ہی

أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ۝ (۴۰)

اپنے گھروں کو لوٹ سکیں گے۔



## تکوینی دلائل سے توحید باری پر استدلال:

پہلے دور کو عموماً میں کفار کے انکار و تکذیب کے رویہ پر مذمت کی گئی۔ اب تکوینی امور سے توحید اور قیامت کے ثبوت پر دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ انسان پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات و احسانات اور ان میں انسان کے لئے ودیعت کئے گئے فوائد و حکمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ دلائل اتنے سادہ، واضح اور ہمہ گیر ہیں کہ ایک عامی سے لے کر فلسفی اور سائنس دان سب کے لئے ان میں تسلی و تشفی کا سامان موجود ہے ان آیات اور نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے جو اپنے خالق و مالک و مدبر کے وجود پر دالالت کرتی ہیں۔ ان نشانیوں میں پہلی اور سب سے بڑی نشانی کے طور پر مردہ اور بنجر زمین کو پیش کیا جا رہا ہے جس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نظر نہیں آتی پھر اللہ جل مجدہ اس پر بارش برساتا ہے اور اس میں ازسرنو زندگی کی توانائیاں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے، خشک، بے آب و گیاہ اور بنجر زمین رنگ برنگے پھولوں اور کلیوں سے بھر جاتی ہے باغات طرح طرح کے پھلوں سے لد جاتے ہیں کھیت ہریالی فصلوں سے لہلہانے لگتے ہیں اور ہر چیز اپنے دیکھنے والوں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہے۔ یہ کاریگری کس کی ہے؟ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہوئے جا رہا ہے؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ایک خالق و مالک ہے جس نے ہر چیز میں ایک تناسب رکھا ہے جو مردہ اشیاء میں زندگی ڈالنے پر قادر ہے جو مردہ زمین میں دوبارہ زندگی ڈال کر اسے دوبارہ کاشت کے قابل بناتا ہے؟ کیا وہ مردوں کو دوبارہ اٹھا کر حساب کتاب لینے پر قادر نہیں ہے؟ یقیناً ہے لیکن تم عقل خدا داد سے کام لو تو سمجھو۔

## مردہ زمین کے احیاء سے استدلال:

زندگی کا جاری کرنا اعجاز ہے اور معجزہ دستِ قدرت سے ہی صادر ہو سکتا ہے مردہ زمین میں زندگی ڈالنا اور پھر اس سے مختلف انواع و فصلیں، پھلوں اور درختوں کا پیدا کرنا صرف اللہ جل مجدہ ہی کے شایانِ شان ہے کیا تم آنکھیں کھول کر دیکھتے نہیں کہ یہ اتنے لمبے لمبے کھجور کے درخت

کس کی کرشمہ سازی ہے؟ کس کی قدرت کاملہ سے انگور کی نرم و نازک نیل زمین سے لاکھوں من مٹی کا بوجھ ہٹا کر روشنی کی تلاش میں نکلتی ہے؟ اور پھر اس پر تر و تازہ پتوں اور شاخوں سے مزین ہو کر دیکھنے والوں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پھلوں سے لد جاتی ہے اور پک کر تمہارے توڑنے کے لئے کس کی قدرت سے تیار ہو جاتی ہے۔ کون ہے جو مردہ زمین سے باغات پیدا کر کے اس کو مختلف پھلوں سے مزین کرتا ہے اور تمہارے کھانے اور لذت اٹھانے کے لئے مختلف رنگ و ذائقہ کے پھلوں کے تیار کرتا ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات وہ ہستی ہے جس نے یہ سارا نظام ایک ترتیب کے ساتھ قائم کیا ہوا ہے۔ لیکن تم ہو کر عبرت حاصل کرتے ہی نہیں اس خدائے وحدہ لا شریک کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرنے سے انکار کر رہے ہو۔

آیت مقدسہ کے اندر دو چیزوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ایک کھجور اور دوسرا انگور۔ علامہ قاضی شوکانی لکھتے ہیں پھلوں میں سے سب سے اعلیٰ اور بندوں کے لئے سب سے زیادہ منافع بخش ہونے کی وجہ سے ان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔ وخصهما بالذکر لانہما اعلیٰ الاثمار و انفعھما للعباد (☆ فتح القدیر الشوکانی ص ۴۸۵ ج ۳ زیر آیت مذکورہ)

علامہ رازی لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بالخصوص کھجور اور انگور کا ذکر اس لئے کیا کیوں کہ یہ میٹھے ذائقہ دار پھلوں میں سب سے زیادہ لذیذ ہوتے ہیں اور اس لئے بھی کیوں کہ یہ دونوں پھل بھی ہیں اور غذا بھی۔ جب کہ دوسرے پھلوں میں یہ چیز نہیں ہے اور پھر ان کا نفع بھی عام ہے اور انہیں دور دراز جگہوں تک منتقل بھی کیا جاتا ہے۔ (☆ تفسیر کبیر للرازی ج ۹ زیر آیت مذکورہ ص ۲۷۳)

### موت کا معنی :

علامہ راغب اصفہانی موت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”حیات کی انواع و اقسام کے مطابق موت کی انواع و اقسام ہیں۔“

اول : انسان، حیوان اور نباتات میں قوتِ نامیہ کے مقابلہ میں موت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ”یحیی الارض بعد موتھا“ (روم: ۱۹) اور یہ فرمان ”واحییابہ بلدۃ میتاً“ (ق: ۱۱) ترجمہ : اور ہم نے اس سے بنجر زمین کو حیات بخشی۔

دوم: قوتِ حاسہ کے زائل ہونے کا نام موت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ”یا لیتنی مت قبل هذا“ (مریم: ۲۳) ترجمہ: ہائے کاش میں اس سے پہلے ہی مر چکی ہوتی۔  
سوم: قوتِ عاقلہ کے زائل ہونے کا نام موت ہے اور یہ جہالت ہے جیسے یہ فرمان ”او من كان ميتا فا حييناه“ (انعام: ۱۲۲) ترجمہ: کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے۔

چہارم: حزن جو زندگی کو مکدر کر دے اسے بھی موت سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے یہ فرمان ”وياتيهِ الموت من كل مكان وما هو بميت“ (ابراہیم: ۱۷) ترجمہ: اور آئے گی اس کے پاس موت ہر سمت سے اور وہ (بایں ہمہ) مرے گا نہیں۔

پنجم: نیند کو بھی موت کہا جاتا ہے نیند موتِ خفیف ہے اور موتِ نیند ثقیل۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو وفات سے تعبیر کیا ہے جیسے یہ فرمان خداوندی ”هو الذى يتوفاكم بالليل“ (انعام: ۶۰) ترجمہ: اور وہ وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو۔

اور یہ فرمان ”الله الذى يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت فى منامها“ (زمر: ۴۲) ترجمہ: اللہ تعالیٰ قبض کر تا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روہیں) حالتِ نیند میں۔

اسی طرح یہ فرمان ”ولا تحسبن الذين قتلوا فى سبيل الله امواتا بل احياء“ (ال عمران: ۱۶۹) ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کو مردہ مت گمان کریں جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے بلکہ وہ زندہ ہیں۔ (المفردات فی غرائب القرآن ص ۴۷۷)

مذکورہ بالا لغوی وضاحت سے یہ ثابت ہوا کہ موت جس طرح زوالِ حیات کیلئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح یہ لفظ عدمِ حیات کیلئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کئی مقامات پر بتوں کیلئے مردہ اور اموات کا لفظ استعمال کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ”اموات غیر احياء وما يشعرون ايان يبعثون“ (نحل: ۲۱) ترجمہ: وہ مردہ ہیں زندہ نہیں اور اس بات کا شعور نہیں رکھتے کہ انہیں کب اٹھایا جائیگا۔



علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں قتادہ نے کہا اس سے مراد بت ہیں جنکی عبادت کی جاتی ہے وہ مردہ ہیں انکے اندر روحوں نہیں ہیں۔ اور نہ اپنے اہل کیلئے نفع و ضرر کے مالک ہیں۔

(جامع البیان ج ۸ ص ۱۱۹ سورہ نحل: ۲۱)

اور ”وما یشعرون“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ بت نہیں جانتے کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو کہ کب اٹھایا جائے گا؟

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس سے مراد بت ہیں انہیں روحوں نہیں ہیں نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ یعنی یہ جمادات ہیں آپ انکی عبادت کیسے کرتے ہیں حالانکہ تم حیات کی وجہ سے ان سے افضل ہو (تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۱۰۰۰۔۔۔۔۔ سورہ نحل) قاضی شوکانی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ بت اجساد مدیتہ ہیں ان میں اصلاً کوئی زندگی نہیں ”غیر احیاء“ کی زیادتی اس بیان کیلئے ہے کہ یہ ان بعض احیاء کی طرح بھی نہیں کہ جن میں ثبوت حیات کے بعد موت طاری ہوتی ہو بلکہ ان میں تو اصلاً زندگی ہے ہی نہیں۔ پس وہ کس طرح انکی عبادت کرتے ہیں حالانکہ وہ ان سے افضل ہیں اور ”وما یشعرون ایان یشعرون“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ جمادات بت نہیں جانتے کہ انکے پجاری کفار کب زندہ کئے جائیں گے؟ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۶۸ سورہ نحل: ۲۱)

علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں یہ بت جمادات ہیں ان میں روحوں نہیں ہیں نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں ”وما یشعرون ایان یشعرون“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کب قیامت واقع ہوگی پس کیسے ان سے ثواب یا جزاء کی امید کی جاسکتی ہے؟ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۲ سورہ نحل: ۲۱)

موت کی لغوی وضاحت اور مفسرین کے اقوال سے یہ بات نصف النہار کی طرح ظاہر و باہر ہوگئی کہ اموات غیر احیاء سے مراد بت ہیں نہ کہ اولیاء و شہداء اور انبیاء کرام۔ اب اگر ان کو کوئی مراد لے اور بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات کا مصداق اپنی انا کی تسکین کیلئے اور عامۃ المسلمین کو مشرک قرار دینے کے لئے انبیاء کرام اور اولیاء و شہداء کو قرار دے تو ہم اسکی فہم پر سوائے افسوس کے کیا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہ راست پر چلائے اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن کی ہدایت سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کھجور کے درخت کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

کھجور کا درخت اپنے گونا گوں فوائد کے باعث ہر مذہب اور ہر دین میں قابل عزت و تعظیم رہا ہے۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کے نزدیک بھی قابل تعظیم ہے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے درختوں میں سے مسلمان درخت کہا۔ اور کتب مقدسہ میں بھی اس کا ذکر کثرت سے ملتا ہے اس کا کوئی حصہ بھی بیکار اور ناکارہ نہیں جاتا۔ پتوں سے ٹوکریاں بنتی ہیں تنا عمارتی لکڑی کے طور پر کام آتا ہے شاخیں کرسیاں بننے اور جلانے کے کام آتی ہیں۔

قرآن کریم میں اس درخت کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس کا تذکرہ جا بجا کیا گیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ایود احدکم ان تکن لہ جنة من نخیل و اعناب "البقرة" ترجمہ: کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو۔

اور یہ ارشاد و هو الذی انشاء جنت معروشات و غیر معروشات والنخل والزرع مختلفا اكله (۱۱ انعام ۱۳۱) اور وہی ہے وہ ذات جس نے پیدا کئے ہیں باغات کچھ چھپروں پر چڑھائے ہوئے اور کچھ بغیر اس کے اور کھجور اور کھیتی الگ الگ، ہیں کھانے کی چیزیں ان کی۔

ینبت لکم بہ الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات (النحل ۱۱) اگاتا ہے تمہارے لئے اسی کے ذریعے طرح طرح کے کھیت اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ان کے علاوہ ہر قسم کے پھل۔

ومن الثمرات النخیل والاعناب (النحل ۶۷)

اور (ہم پلاتے ہیں تمہیں) کھجور اور انگور کے پھلوں سے۔

فانشا نالکم بہ جنت من نخیل و اعناب لکم فیہا فواکہ کثیرة ومنہا

تاکلون (المومنون ۱۹)

پھر ہم نے اگائے تمہارے لئے اس پانی سے باغات کھجوروں اور انگوروں کے ان میں

بہت سے پھل ہیں۔ اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔

وجعلنا فيها جنت من نخيل و اعناب (سین ۳۴)

اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجوروں اور انگوروں کے۔

اور اسی قسم کی دیگر کئی آیات مقدسہ میں اس متبرک اور کثیر الفوائد درخت کو اپنی نعمتوں کے بیان میں ذکر کیا۔

حدیث میں کھجور کی اہمیت :-

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھجور بڑی مرغوب تھی اور بڑے اشتیاق سے کھجور تناول فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ہبل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا

ان النبی ﷺ کان یاکل الرطب بالبطیخ۔

کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کھجوروں کے ساتھ تربوز کھا رہے ہیں۔

یوسف بن عبد اللہ بن سلام سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو میں نے دیکھا:

اخذ كسرة من خبز الشعير فوضع عليها تمره فقال هذه ادم و هذه اكل

(☆ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الاطعمہ ص ۳۶۶ الفصل الثانی)

آپ ﷺ نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اس پر کھجور رکھی اور فرمایا یہ سالن ہے اور یہ کھانا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

ان النبی ﷺ کان یاکل البطیخ بالرطب رواہ الترمذی و زاد ابو

داؤد و یقول یکسر حر هذا ببرد هذا و ببرد هذا بحر هذا

(☆ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الاطعمہ ص ۳۶۷ الفصل الثانی)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام خر بوزہ کو کھجور کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔ ابو داؤد

نے اس پر یہ زیادتی بھی کی ہے کہ آپ نے فرمایا اس کی گرمی اس کی ٹھنڈک سے زائل ہوتی ہے

اور اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی سے ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کھجوریں تناول فرما رہے تھے دوسری روایت



میں ہے کہ آپ ﷺ تیزی تیزی سے کھجوریں تناول فرما رہے تھے۔

رواہ مسلم (☆ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الاطعمۃ الفصل الاول)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا لا یجوع اهل

بیت عندهم التمر و فی رواية قال یا عائشة بیت لا تمر فیہ جیاع اہلہ قالہا ثلاثا  
(رواہ مسلم) (☆ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الاطعمۃ الفصل الاول)

یعنی جس گھر میں کھجوریں ہوں وہ کبھی بھوکے نہیں رہ سکتے۔ دوسری روایت میں ہے

اے عائشہ جس گھر میں کھجوریں نہیں اس گھر والے بھوکے ہیں یہ ارشاد مبارک آپ نے دو یا تین بار ارشاد فرمایا۔

نیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد مبارک بھی ہے جس کو حضرت سعد رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

من یصبح بسبع تمرات عجوة لم یضرہ الیوم سم ولا سحر

(☆ مشکوٰۃ المصابیح کتاب السعیم الفصل الاول) (متفق علیہ)

ترجمہ:- جس آدمی نے صبح سات عجوة کھجوریں کھائیں اس دن نہ اسے زہر اثر کرے گا اور نہ جادو۔

اور پھر آپ ﷺ بچوں کو گھٹی بھی کھجور کی دیا کرتے تھے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر

رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں مجھے مکہ المکرمہ میں عبداللہ بن زبیر پیدا ہونے والا ہو گیا تھا یہ بچہ مجھے

قبائیں آ کر پیدا ہوا میں بچہ کو لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئی۔ اور بچے کو آپ ﷺ کی گود میں

ڈال دیا آپ نے کھجور منگوائی اسے اپنے منہ میں چبایا پھر اپنا لعاب دہن مع کھجور کے بچے کے منہ

میں ڈال دیا اور اس کے تالو سے لگا دیا اور پھر بچے کے لئے برکت کی دعا کی۔ مدینہ میں یہ

مسلمانوں کا پہلا بچہ تھا۔ متفق علیہ (☆ مشکوٰۃ المصابیح کتاب السعیم الفصل الاول)

اور ہمیں یہ حدیث بھی ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے کھجور کو دل کے دورہ کے علاج کے لئے

بھی استعمال کیا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا

میری عیادت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے انھوں نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں کے

درمیان رکھا تو اس کی ٹھنڈک میں نے اپنی چھاتی میں پھیلتی ہوئی محسوس کی پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا انک رجل مفود آپ کو دل کا دورہ پڑ چکا ہے۔ اسے حارث بن کلدہ کے پاس لے جاؤ جو ثقیف میں مطب کرتا ہے حکیم کو چاہئے کہ وہ مدینہ کی سات عجوبہ کھجوریں گھٹلیوں سمیت کوٹ کر اسے کھلائے انت حارث بن کلدہ اخا ثقیف فانه رجل یطیب فلیاخذ سبع تمرات من عجوة المدينة فلیجاہن بنواہن ثم لیلد لک بہن رواہ ابوداؤد

(☆ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الاطعمۃ الفصل الاول)

### کھجور کی افادیت جدید طب میں:

ڈاکٹر خالد محمود غزنوی اپنی کتاب طب نبوی اور جدید سائنس میں کھجور کی افادیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں کھجور کی افادیت کے درج ذیل پہلو سامنے آتے ہیں۔

(۱) شدید کمزوری کے لئے رطب۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کو قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق نصیحت کی گئی۔

(۲) جسمانی کمزوری کے لئے خاص طور پر جب کسی کو کچھ کھانے کو نہ ملے تو وہ اپنی توانائی کی جلد بحالی کے لئے کھجور پر بھروسہ کر سکتا ہے اسی اصول کے مطابق روزہ افطار کرنے کے لئے کھجور کھانے کی ہدایت کی گئی ہے۔

(۳) جنسی اور جسمانی کمزوری کے لئے اور جب اعتدال سے زیادہ دبلا ہو تو کھجور کے ہمراہ کھیرا، کلڑی، بھارتی ماہرین اس غرض کے لئے تربوز کو بھی تجویز کرتے ہیں۔

(۴) پیٹ کے کیڑے مارنے کے لئے نہار منہ

(۵) گردوں، مثانوں، پتہ، آنتوں میں قونجی دردوں کو روکنے کے لئے۔

(۶) تازہ پکی کھجور کا مسلسل استعمال (Menorrhagix) یعنی عورتوں میں حیض کے

خون کا کثرت سے آنا میں مفید ہے یہ کیفیت غددوں کی خرابی، جھلیوں کی سوزش،

غذائی کمی اور خون میں فولاد کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے کھجور ان میں سے ہر ایک کا علاج ہو سکتی ہے۔

(۷) آنکھوں کی سوزش میں کھجور کا کھانا درست نہیں اور بیماری سے اٹھنے کے فوراً بعد زیادہ مقدار میں کھجوریں درست نہیں۔

(۸) دل کے دورہ میں کھجور کی گھٹلی سمیت کوٹ کر دینا جان بچانے کا باعث ہو سکتا ہے احادیث میں اس غرض کے لئے عجوبہ کھجور تجویز کی گئی ہے۔ تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ اس غرض کے لئے دوسری کھجوریں بھی استعمال کی جاسکتی ہیں۔

(۹) کھجور کا مسلسل استعمال اور اس کی پیسی ہوئی گھٹلیاں دل کی توسیع (عظیم القلب) میں مفید ہیں۔

(۱۰) پرانی قبض کی بہترین دوائی اور بہترین ناشتہ ہے۔

(۱۱) طب نبوی اور جدید سائنس ص ۲۸۸، ۲۸۹، جلد ۱)

### کھجور کی مومن کے ساتھ مشابہت:

ان تمام طبی خصوصیات کے ساتھ ساتھ کھجور کے درخت کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ یہ بندہ مومن کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس درخت کو ایک مومن کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مومن کے مشابہ ہے وہ کون سا درخت ہے؟ فرماتے ہیں لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گیا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میرا ذہن کھجور کے درخت کی طرف گیا، لیکن مجھے شرم آئی۔ پھر لوگوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کھجور کا درخت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اس کا ذکر حضرت عمر سے کیا انہوں نے کہا اگر آپ بتا دیتے تو مجھے یہ فلاں فلاں چیز سے پسند ہوتا۔

(صحیح بخاری ج ۱ کتاب العلم باب ۵ مسلم کتاب المنافقین)

حضور ﷺ نے کھجور کے درخت کو مومن کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی کیونکہ اسکی ہر چیز



فائدہ بخش ہے اس کا سایہ پھل تنا اور پتے غرض ہر چیز یہاں تک کہ گھٹلی بھی فائدہ مند ہے۔ اور بندہ مومن کا ہر کام بھی حسن نیت اور عبادت کی غرض سے ہر قدم اسکی انفرادی زندگی سے لیکر بین الاقوامی زندگی تک اس کے سیاسی و سماجی، معاشی و معاشرتی اور غرض اس کا اٹھنا بیٹھنا، سونا اور جاگنا تک جب اتباع رسول اور احکام الہی کے مطابق گزارا جائے تو یہ اس کیلئے فائدہ بخش ہوتا ہے۔

پھر اسکی مومن کے ساتھ مشابہت اس وجہ سے بھی ہے کہ درختوں میں سے یہ درخت خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند امام احمد وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ استوان حنانہ فراق نبی میں بچوں کی طرح بلبل کر رویا تھا اور اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے سینے سے لگایا اور اسے دنیا یا آخرت میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا جس پر اس نے آخرت کو ترجیح دی۔ (بخاری کتاب الحج باب الخطبة علی المنبر حدیث نمبر ۹۱۸)

علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں علامہ قرطبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ مومن کا دین ثابت ہے اور اس سے جو علوم و خیر صادر ہوتے ہیں وہ ارواح کی غذا ہیں جس سے وہ جلا پاتی ہیں، اور وہ ہمیشہ اپنے دین کے ساتھ مستور رہتا ہے اور حالت حیات و ممات میں جو اس سے صادر ہوتا ہے اس سے نفع اٹھاتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۵ کتاب العلم باب ۴ حدیث ۶۱۰)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں اس میں کھجور کے درخت کی فضیلت ثابت ہے مفسرین نیک کہا کہ ”کلمۃ طیبۃ“ سے مراد ”لا الہ الا اللہ“ اور ”کشجرة طيبة“ سے مراد کھجور کا درخت ہے ”اصلها ثابت“ سے مراد اسکی جڑوں کا زمین میں مضبوط ہونا ہے ”و فرعها فی السماء“ سے مراد اسکی چوٹی ہے ”توتی اکلها کل حین“ جو ہمہ وقت اپنا پھل دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو قلب مومن میں ثابت ہونے کی وجہ سے کھجور کے درخت کے زمین میں مضبوط ہونے کیساتھ تشبیہ دی ہے اور اسکے عمل کے آسمان کی طرف بلند ہونے کو کھجور کی فروع کی بلندی کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور مومن جو ایمان کی برکت اور وقت و زمانہ میں

ثواب اور ایمان کی برکت حاصل کرتا رہتا ہے۔ اس کو کھجور کے درخت سے حاصل ہونے والے سال بھر خشک و تر کھجوروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۲۱ کتاب العلم باب ۲ حدیث ۶۱)

اور مسلمانوں کیلئے محبت رسول ﷺ واجب ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ”لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ وولده والناس اجمعین“ ترجمہ: جب تک میں تمہارے نزدیک تمہارے آباء و اجداد، تمہاری اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں تم اس وقت تک مومن ہی نہیں ہو سکتے۔ (بخاری کتاب الایمان باب حب الرسول من الایمان، مسلم کتاب الایمان باب وجوب محبت الرسول اکثر من اهل والولد والوالد۔ الخ)

معلوم ہوا ان تمام اوصاف و خصائص میں کھجور کا درخت بندہ مومن کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ یہی وہ خصوصیات اور گونا گوں فوائد ہیں جنکی بنا پر قرآن نے اس درخت کا ذکر بڑی خصوصیت کے ساتھ کیا ہے اور اسے اپنی نشانیوں اور آیات بینات میں شمار کیا ہے۔

### احیاء ارض کی حکمت:

اس مردہ زمین سے لہلہاتے کھیتوں، پھولوں اور پھلوں سے مزین باغات کو ہم نے اس لئے پیدا کیا تاکہ بنی نوع انسان اس سے پیدا ہونے والے پھلوں کو کھائیں اور پھر انھیں مختلف روپوں میں بدل کر ان سے لطف اٹھائیں اور ہمارے انعامات و اکرامات پر سجدہ شکر بجالائیں۔

شکر کا معنی:

نعمت کا تصور اور اس کا اظہار کرنا شکر ہے اس کی ضد کفر ان نعمت ہے۔ یعنی نعمت کو بھول جانا اور اس کو چھپا لینا اور شکر کی تین اقسام ہیں۔ (۱) دل کا شکر اور یہ نعمت کا تصور ہے۔ (۲) زبان سے شکر کرنا اور یہ منعم کی تعریف و توصیف کرنا ہے۔ (۳) اور تمام اعضاء سے شکر بجالانا اور یہ نعمت کے استحقاق کے مطابق بدلہ دینا ہے۔ اللہ جل مجدہ کا فرمان ہے اعملوا ال داؤد شکرا فان قليلا من عبادی الشکور (سبا/۱۳)

ترجمہ: اے داؤد کے خاندان والو! ان نعمتوں پر (اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر کرتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

اشکر لی ولو الذیک (لقمان: ۱۴)

ترجمہ:- اور یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

اور یہ فرمان:

و سنجزی الشاکرین (ال عمران: ۱۴۵)

ترجمہ:- اور قریب ہے کہ ہم شکر کرنے والوں کو صلہ دیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

و قلیل من عبادی الشکور

ترجمہ:- اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر کرتے ہیں۔

اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا حق بجالانا مشکل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے

اپنے خاص بندوں میں سے صرف حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

اپنا شکر گزار فرمایا ہے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد فرمایا شاکرا لانعمہ

اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا انہ کان عبدا شکورا

جب شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کی جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

انہ شکور حلیم

اس سے مراد بندوں پر انعام فرمانا اور ان کی عبادات کی جزاء دینا ہے۔

(☆ المفردات فی غریب القرآن ص ۲۶۶)

شکر کی فضیلت قرآن کی نظر میں:-

(۱) فاذکرونی اذکرکم واشکر والی ولا تکفرون (البقرہ ۱۵۲)

ترجمہ:- تم میری یاد کرو میں تمہارا چہ چاکروں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

(۲) قل هو الذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار والافئدة قلیلا

ما تشکرون (الملك/ ۲۳)



ترجمہ:- فرمادیجئے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے (لیکن) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

(۳) ومن شکر فانما يشكر لنفسه (النمل/۴۰)

ترجمہ:- اور جس نے شکر کیا وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے۔

(۴) نعمة من عندنا كذا لك نجزي من شكر (القمر/۳۵)

ترجمہ:- اور یہ خاص مہربانی تھی ہماری طرف سے اسی طرح ہم جزاء دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے۔

(۵) واذا تاذن ربكم لئن شكرتم لازيدنكم ولئن كفرتم ان عذابی لشديد

(ابراہیم/۵۷)

ترجمہ:- اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے (اس حقیقت سے) کہ اگر تم پہلے احسانات کا شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو (جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے۔

(۶) واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم لاتعلمون شینا وجعل لکم السمع والابصار والافئدة لعلکم تشکرون (النحل/۷۸)

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے تمہاری ماؤں کے شکموں سے اس حالت میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور بنائے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل تاکہ تم شکر ادا کرو (ان بے بہا نعمتوں پر)

(۷) ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثرہم لایشکرون۔ (یونس/۶۰)

ترجمہ:- بے شک اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرماتا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

شکر کی اہمیت احادیث میں:-

احادیث میں شکر کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے چند ایک احادیث بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز تہجد میں اتنا قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آ گیا عرض کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے ذنوب کی مغفرت فرمادی ہے (پھر آپ اس قدر تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "افلا اکون عبدا شکورا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔" (☆ صحیح البخاری کتاب رقم ۴۸۳۲، ۱۱۳۰، ۴۸۳۶ صحیح مسلم کتاب رقم ۲۵۱۹) متفق علیہ

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا الايمان نصفان نصف صبر و نصف شكر (☆ الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ج ۵ ص ۲۴۱ زیر آیت ان فی ذالک لآیت لكل صبار شكور)

ترجمہ: ایمان کے دو حصے ہیں نصف صبر ہے تو نصف شکر۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا الطاعم الشاكر كالصائم الصابر کھا کر شکر بجالانے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے۔

(☆ شعب الايمان ج ۵ ص رقم حدیث ۴۴۶۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اور اے معاذ! میں تم کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرو:-

اللهم اعنني على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك (☆ ابوداؤد رقم حدیث ۱۵۲۲ انسائی ۱۳۰۲)

ترجمہ: اے اللہ اپنے شکر اور اپنی اچھے طریقہ سے عبادت پر میری مدد فرما۔ (رواہ ابوداؤد و نسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا! میرا مومن ہر خیر کے مرتبہ میں ہے وہ اس وقت بھی میری حمد کرتا ہے جب اس کی پیشانی سے روح نکال رہا ہوتا ہوں۔ (☆ شعب الايمان رقم حدیث ۴۴۹۴)

ابوالخالد سے مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کی یا رب میں تیرا شکر کس طرح ادا

کروں جو شکر ادا کروں گا وہ تیری نعمت سے ادا کروں گا فرمایا اے داؤد کیا تم یہ نہیں جانتے کہ تمہارے پاس جو نعمتیں ہیں وہ میری دی ہوئی ہیں عرض کی کیوں نہیں فرمایا پھر میں تیرے شکر سے راضی ہوں۔ (۵۸ شعب الایمان رقم الحدیث ۴۴۱۴)

**شکران نعمت مزید نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے:-**

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس حقیقت کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جو شخص بھی نعمتوں کے حصول پر میرا شکر بجالائے گا میں اس پر مزید اپنی نعمتوں کی بارش فرماؤں گا۔ اور اس شکر سے صرف اسی کا اپنا فائدہ ہے میری ذات پر شکران نعمت یا کفران نعمت کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کسی کے شکر کرنے کی وجہ سے میری شان میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کے کفران نعمت کی بنا پر میری شان میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ومن یشکر فانما یشکر لنفسه (النحل ۴) جس نے شکر کیا وہ اپنے لئے ہی شکر بجالاتا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا نعمة من عندنا کذا لک نجزی من شکر (القمر ۳۵)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ومن یرد ثواب الاخرة نؤتہ منها وسنجزی الشاکرین (ال عمران ۳۴)

ترجمہ:- اور جو آخرت کا ثواب چاہے ہم اسے اس میں سے عطا کرتے ہیں اور قریب ہے کہ ہم شکر ادا کرنے والوں کو صلہ عطا کریں۔

واذ تاذن ربکم لنن شکرکم لازیدنکم ولنن کفرکم ان عذابی لشدید (ابراہیم ۷)

ترجمہ:- اور یاد کرو جب تمہارے رب نے سنا دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر میں مشغول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں میں اضافہ فرما دیتا ہے پھر زیادتی نعمت کی مختلف قسمیں ہیں ان میں سے روحانی اور جسمانی نعمتیں ہیں۔



روحانی نعمتوں سے مراد یہ ہے کہ شاکر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی اقسام اور اس کے فضل و کرم کے انواع کے مطالعہ میں مشغول رہتا ہے جس شخص پر کسی کے بہت سے احسان ہوں۔ وہ اس محسن سے محبت کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے مختلف فضل و احسانات کا مطالعہ انسانی نفس کو اللہ تعالیٰ کا محبت بنا دیتا ہے۔ اور محبت کا یہ اعلیٰ و ارفع مقام صدیقین کا ہوتا ہے پھر بندہ اس حالت سے ترقی کرتے کرتے صرف منعم کا ہی محبت ہو جاتا ہے۔ اور نعمتوں کی طرف اس کی نظر التفات جاتی ہی نہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ شکر میں مشغول ہوتا ہے روحانی نعمتوں کی زیادتی کو واجب کرتا ہے۔

جہاں تک جسمانی نعمتوں کی زیادتی کا تعلق ہے تو یہ بات استقراء سے ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا زیادہ سے زیادہ شکر بجالاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں، فی الجملہ شکر بہت اچھی چیز ہے کیوں کہ یہ معبود کی معرفت کے ساتھ مشغول ہونا ہے۔ اور ہر وہ مقام جہاں سے انسان عالم غرور سے عالم قدس کی طرف حرکت کرے وہی وہ بلند و بالا مقام ہے جو سعادت دارین کو واجب کرتا ہے۔ (☆ تفسیر کبیر ج ۷ ص ۶۷ سورۃ ابراہیم، زیر آیت لنن شکرتک الخ)

### احادیث کی روشنی میں شکر:

ابوزہیر یحییٰ بن عطار دبن مصعب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ما اعطی احد اربعة فمنع اربعة ما اعطی احد الشکر فمنع الزیادة لان الله تعالى يقول لنن شکرتک لازیدنکم وما اعطی احد الدعاء فمنع الاجابة لنن الله يقول ادعونی استجب لکم وما اعطی احد الاستغفار فمنع المغفرة لنن الله بقول استغفروا ربکم فانه کان غفارا وما اعطی احد التوبة فمنع التقبل لان الله يقول وهو الذی یقبل التوبة عن عباده (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) (☆ درمنثور ج ۵ ص ۷۷ زیر آیت لنن شکرتک لازیدنکم الخ)

جس شخص کو چار چیزوں کی توفیق دی گئی اس کو چار چیزیں عطا کی جائیں گی۔ جس کو شکر کی توفیق بخشی گئی اس کی نعمتوں میں اضافہ کیا جائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اگر تم میرا شکر بجالاؤ گے تو میں ضرور (تمہاری نعمتوں میں) اضافہ کروں گا۔ جس کو دعا کی توفیق بخشی گئی اس کی

دعا قبول ہوگی کیوں کہ اللہ جل مجدہ کا فرمان ہے مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ اور جس کو استغفار کی توفیق عطا کی گئی اس کی مغفرت کر دی جائے گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تم اپنے رب سے استغفار کرو بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا ہے اور جس شخص کو توبہ کی توفیق عطا کی گئی اس کی توجہ قبول کر دی جائے گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے مومن پر تعجب ہے اسے کچھ دیا جائے تو الحمد للہ کہہ کر شکر ادا کرتا ہے اور اگر وہ مصیبت میں مبتلا ہو تو الحمد للہ کہہ کر صبر کرتا ہے پس مومن کو ہر حال میں اجر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ لقمہ جو وہ منہ میں رکھتا ہے اس میں بھی۔ (☆ شعب الایمان رقم الحدیث ۴۴۸۵)

ناشکری نعمتوں کے زوال کا باعث ہے:

اللہ جل مجدہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَنُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَنَجْزِيَنَّ أَجْرَكُمْ أَتَوْا بِالنَّدَامَةِ

اگر تم میری نعمتوں کی ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

یعنی اگر تم میری نعمتوں کی قدر دانی نہیں کرو گے اور کفران نعمت کے مرتکب ہو کے تو میں اپنی نعمتیں تم سے چھین لوں گا اور تمہیں عذاب الیم کی بھیجی میں جھونک دوں گا۔ امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ کفران نعمت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب اس نعمت کے من جانب اللہ ہونے سے انسان جاہل ہو، اس نعمت کے من جانب اللہ ہونے سے جہالت اللہ تعالیٰ سے جہالت ہے اور اللہ تعالیٰ سے جہالت عقاب و عذاب کی اقسام میں سے سب سے بڑی قسم ہے۔ (مذاہفہ کبیر ج ۷ الجزء التاسع عشر ص ۶۷ زیر آیت وَلَنُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَنَجْزِيَنَّ أَجْرَكُمْ أَتَوْا بِالنَّدَامَةِ)

حدیث شریف میں ہے ان العبد لیحرم الرزق بالذنب یصیبه انسان کو اپنے

گناہ کے باعث رزق سے محروم کیا جاتا ہے۔ (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۳۸ زیر آیت مذکورہ)  
حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے ایک سائل گزرا تو آپ ﷺ نے  
اسے ایک کھجور عطا فرمائی وہ اس پر ناراض ہوا اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا پھر ایک دوسرا  
سائل گزرا آپ ﷺ نے وہ کھجور اسے عطا فرمادی اس نے قبول کر لی اور عرض کی تمرة من  
رسول اللہ ﷺ حضور ﷺ کی جانب سے ایک کھجور تو حضور ﷺ نے اسے چالیس درہم دینے  
کا حکم ارشاد فرمایا۔ (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۳۸ زیر آیت مذکورہ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے  
ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا شکر ہے اور ان کو بیان نہ کرنا ناشکری ہے جو کم نعمتوں کا  
شکر ادا نہیں کرتا وہ زیادہ نعمتوں کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ (☆ شعب الایمان رقم حدیث ۴۴۱۹)  
ابوالاحوص بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت  
میں پراگندہ حال تھا تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے میں نے عرض کی کہ مجھے اللہ  
تعالیٰ نے ہر قسم کا مال عطا کیا ہے اونٹ، گھوڑے، غلام اور بکریاں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب  
اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو تم پر نظر آنا چاہئے۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی) (☆ سنن ابوداؤد ج کتاب رقم حدیث ۴۰۶۳ ترمذی کتاب رقم ۲۰۰۶)  
حسن کہتے ہیں مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اللہ عز و جل جب کسی قوم کو نعمت عطا کرتا ہے تو  
اس کے شکر کا سوال کرتا ہے وہ شکر ادا کریں تو وہ ان کی نعمت کو زیادہ کرنے پر قادر ہے اور جب وہ  
ناشکری کریں تو وہ ان کو عذاب دینے پر قادر ہے اور ان کی نعمت کو ان پر عذاب بنا دیتا ہے۔

(☆ رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ ج ۲ رقم الحدیث نمبر ۶)

جو شخص بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی نہیں کرتا:

حضور ﷺ کا ارشاد ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ  
والسلام نے فرمایا من لم يشكر الناس لم يشكر الله جو شخص بندوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ



تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہے۔ (☆ سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۹۵۴ ابوداؤد، رقم الحدیث ۴۸۱۱)  
مطلب یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کے احسانات کی قدر دانی نہیں کرتا ان کی نیکیوں کا انکار کر کے ان کا شکر بجا نہیں لاتا وہ اللہ تعالیٰ کے شکر کو بھی قبول نہیں کرتا اور اس کی نیکیوں، احسانات اور کرامات کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنی فطرت اور اپنی عادت کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے۔ اسی عادت کی وجہ سے وہ شکر یہ بجا نہیں لاتا۔ جب انسان کسی دوسرے شخص کے احسانات کا بار نہیں اٹھاتا اس پر سپاس شکر بجا نہیں لاتا وہ اس قابل ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات کا کبھی شکر بجا بھی لائے تو بھی گویا اس نے شکر بجا نہیں لایا۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات کا کما حقہ شکر بجا نہیں لایا جاسکتا:

اللہ کے احسانات کا کما حقہ شکر بجا لانا انسانی طاقت سے باہر ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ جل مجدہ نے ال داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **اعملوا ال دائود شکرا و قلیل من عبادی الشکور** (الباء/۱۳) اے آل داؤد میرا شکر بجا لاؤ میرے بندوں میں سے بہت ہی کم میرا شکر بجا لاتے ہیں۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی یا رب کیف اطبق شکرک علی نعمک والهامی و قدرتی علی شکرک نعمۃ لک اے رب میں تیری نعمتوں پر تیرا شکر ادا کرنے کی طاقت کیسے رکھ سکتا ہوں۔ حالانکہ تیرے شکر کا الہام اور میرا اس پر قادر ہونا بھی تیری نعمت ہے فرمایا **دائود الان عرفنی اے داؤد اب تو نے مجھے پہچان لیا ہے۔**

(☆ الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ج ۷ ص ۲۰۴ زیر آیت **اعملوا ال دائود شکرا الخ**)

سبحان کا معنی:

سبحان سح تسبیح مصدر کا علم ہے اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص

سے منزہ و مبرا ہے علامہ زمخشری لکھتے ہیں **علم للتسبیح کعثمان للرجل وانتصابه بفعل**

**مضمر و دل علی التنزیہ البلیغ من جمیع التی یضیف الیہ اعداء اللہ**

یعنی یہ تسبیح مصدر کا علم ہے جیسے عثمان کسی شخص کا نام / علم ہوتا ہے اور یہاں فعل مضمر ہے جو اس کو نصب دیتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کمزوریوں، عیوب اور کوتاہیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے جن سے کفار اللہ تعالیٰ کو متہم کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا جوار شاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے عن طلحة قال سالت رسول الله ﷺ عن تفسير سبحن الله فقال تنزيه الله عن كل سوء

(☆ تفسیر ضیاء القرآن ج ۲ ص ۲ زیر آیت سبحن الذی اسرى بعدہ الخ)

یعنی اللہ تعالیٰ ہر نقص، عیب اور قسم کی کمزوری اور غلطی سے پاک ہے اور ہر قسم کے شرک سے منزہ ہے کوئی بھی اس کا مثل و مثیل ہے اور نہ ہی کوئی اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے اور کوئی بھی اس کا شریک و سہیم نہیں وہ تمام صفات کمال سے متصف ہے اور وہ ذات و صفات میں یکتا ہے شرک کی تمام صورتیں اپنے ضمن میں کسی نہ کسی نقص، عیب اور کمی کو لئے ہوئے ہیں بلکہ بذات خود شرک ہی عیب ہے جو الوہیت کے منافی ہے۔

نباتات کے اندر تذکیہ و تانیث سے دلائل تو حید:

دلائل تو حید بیان کرتے ہوئے اللہ جل مجدہ نے فرمایا کہ اے انسان اگر تو ذرا غور و فکر اور تدبر سے کام لے تو شب و روز جن اشیاء اور حقائق کا تم مشاہدہ کرتے ہو اور نظر و فکر کئے بغیر ان کے پاس سے گزر جاتے ہو اگر تم ان پر نظر بصیرت ڈالو اور ان میں تدبر کرو تو یہ حقیقت تم پر آشکارا ہو جائے گی اس عالم آب و گل کا ایک خالق و مالک ہے جس نے ہر شے کو زوج و زوج بنا کر پیدا فرمایا ہے صرف انسانوں اور حیوانات کے اندر ہی زوجیت کا قانون کارفرما نہیں ہے بلکہ کائنات کی ہر ہر شے کے اندر زوج کا عمل پایا جاتا ہے۔ چاہے انسان ہوں یا حیوانات، جمادات ہوں یا نباتات ان میں عمل ازدواج پایا جاتا ہے۔ اس خالق کائنات نے اس زمین میں جو جو اشیاء پیدا

فرمائی ہیں وہ سب جوڑا جوڑا ہیں۔ نر اور مادہ کا یہ سلسلہ درختوں، پودوں، پھلوں، پھولوں، گھاس پھوس، جھاڑیوں غرض زمین سے اگنے والی ہر چیز میں موجود ہے۔

### نباتات میں عمل لواح قح:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وجعلنا الرواح لواقح (الحجر/۳) ہم نے ہواؤں کو بار بردار بنا کر بھیجا۔

لواح قح لاقحہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے حاملہ۔ عرب کہتے ہیں لقحت الناقة اونٹنی حاملہ ہوگئی۔ لقحت الشجرة درخت پھلدار ہو گیا، اسی لئے لواح قح کا معنی وہ ہوائیں ہیں جو پانی سے بھرے بادلوں کے مشکیزوں کو اٹھائے ہوں۔ لاقحہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جو دودھ دیتی ہے اس کی جمع لقاح آتی ہے۔ اور اونٹنیوں کے پیٹوں میں جو بچے ہوتے ہیں انھیں ملا قح کہتے ہیں اور اونٹنوں کی پشت میں جوان کے بچوں کا مادہ ہوتا ہے اس کو مضامین کہتے ہیں اور نر کے مادہ منویہ کو لقاح کہتے ہیں نیز کہا جاتا ہے القح فلان النحلة واستلقحت النحلة فلاں شخص نے کھجور کے نر شگوفہ کو مادہ کھجور کے شگوفہ پر ڈال دیا اور اس کو حاملہ کر دیا اس کا معنی ہے اس نے کھجور کے درخت میں بیوند لگایا۔ (جہ المفردات للراغب الاصفہانی ص ۴۵۳)

قرآن کریم نے آج سے سوا چودہ سو سال قبل ہی اس راز سے پردہ اٹھا کر آشکارا کر دیا تھا کہ عمل زواج صرف جانداروں میں ہی کارفرما نہیں ہے بلکہ نباتات اور جمادات کے اندر بھی یہی عمل کارفرما ہے اور ہر قسم کی نباتات کی افزائش نسل کے لئے بھی یہی طریقہ کار مقرر ہوا ہے جدید سائنس اگر آج یہ قانون اور یہ راز پانے میں کامیاب ہوئی ہے تو قرآن کریم اپنے معجز نمایان میں اسی حقیقت کو بہت پہلے حیرت انگیز طور پر انکشاف کر چکا ہے جو قرآنی عظمت کی دلیل اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا ثبوت ہے اور ساتھ ہی یہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت اور صنعت گری کی بھی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سبحانه الذی خلق الارواح کلہا مما تنبت الارض و من انفسہم و مما لا یعلمون (یس ۳۶) یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے سب جوڑے جوڑے بنائے ان چیزوں میں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے بھی اور ان چیزوں سے بھی جنہیں (ابھی) وہ نہیں جانتے۔



اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ومن کل الثمرات جعل فیہا زوجین اثنین  
(الرعد/۳) اور ہر قسم کے پھلوں میں سے دو دو جوڑے بنائے۔

حضور ﷺ کا کھجور کی پیوند کاری سے ممانعت فرمانا:

موسیٰ بن طلحہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میرا  
کھجوروں کے پاس سے لوگوں پر سے گزر رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟  
انہوں نے عرض کی یہ لوگ کھجوروں میں قلمیں لگا رہے ہیں (پیوند کاری) یعنی زکھجور کو مادہ کھجور  
کے ساتھ ملاتے ہیں جس سے وہ پھلدار ہو جاتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے گمان میں  
یہ عمل ان کو کسی چیز سے مستغنی نہیں کرے گا ما اظن یغنی ذالک شیئا جب صحابہ کو آپ  
کے اس قول کی خبر ہوئی تو انہوں نے یہ عمل ترک کر دیا جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی گئی (کہ  
اس عمل کو ترک کرنے کی بنا پر پھلوں میں کمی واقع ہوئی ہے) تو آپ نے فرمایا اگر ان کو اس  
بات میں فائدہ ہے تو کرتے رہیں میں نے یہ گمان کیا تھا تو اس گمان پر عمل مت کرو البتہ جب  
میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی حکم کو بیان کروں تو اس پر عمل کرو۔ کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ پر  
جھوٹ بولنے والا نہیں ہوں۔ (☆ صحیح المسلم ج ۲ کتاب الفہائل باب وجوب امتثال ما قالہ  
شرعا دون ما ذکرہ من معایش الدنیا الخ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کا کچھ لوگوں پر سے  
گزر رہا تھا جو کھجوروں میں پیوند لگا رہے تھے تو آپ نے فرمایا لولم تفعلوا الصلح اگر تم  
ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔ اس کے بعد ردی کھجوریں پیدا ہوئیں پھر کچھ دنوں بعد آپ ﷺ کا  
ان سے گزر رہا تھا آپ نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیا کم تم اپنے امور دنیا کو بہتر  
جانتے ہو۔ (☆ صحیح المسلم ج ۲ کتاب الفہائل باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا دون ما ذکرہ من  
معایش الدنیا الخ)

ان احادیث پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب:

ان احادیث میں مذکور ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ پیوند کاری نہ کرتے تو بہتر ہوتا جب صحابہ کرام نے اس فرمان نبوی پر عمل کیا تو ان کی کھجوریں کم پیدا ہوئیں اور جو پیدا ہوئیں وہ بھی ردی اور ناقص قسم کی اور جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ پیوند کاری نہ کرنے کی بنا پر انھیں یہ مالی نقصان اٹھانا پڑا تو فرمایا تم اپنے دنیوی معاملات خوب اچھے طریقہ سے جانتے ہو۔

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رقمطراز ہیں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تابیر نخل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا کیوں کہ جب دوسرے درختوں پر ہم عمل تلقیح نہیں کرتے بلکہ ہوائیں از خود اس کام کو سرانجام دیتی ہیں تو آخر کھجوروں کے درختوں نے کونسا جرم کیا ہے کہ ہواؤں کی عملداری سے انھیں فارغ کر دیا جائے اور اس کے لئے انسان کو زحمت گوارا کرنی پڑے لیکن صحابہ کرام نے دوسرے سال پھل کم آنے کی شکایت کی جس کی وجہ یہ تھی کہ درخت اس عمل تابیر نخل کے برسوں سے عادی تھے۔ اور ان کو اپنی طبعی حالت پر آنے کے لئے کچھ وقت چاہئے تھا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیا کم یہ دنیاوی کام ہیں جنہیں تم بہتر جانتے ہو۔ کیوں کہ اس چیز کا تعلق امور شرعی سے نہیں تھا۔ اس پر عمل کرنا نہ کرنا ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تا کہ وہ اپنی صوابدید پر عمل کریں نیز اس قسم کے مسائل کا بتلانا نبی کے فرائض میں داخل نہیں ہوتا بلکہ ان عقدوں کو حل کرنے کے لئے انسان کو اپنے تجربہ، مشاہدہ اور غور و فکر سے کام لینا چاہئے۔ اس لئے یہاں صحابہ کرام کو مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا نہ جاننے کی دلیل نہیں ہے جیسے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے بلکہ حضور ﷺ کے علم کی وسعت کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ جن مسائل کو سلجھانے کے لئے انسان کو ابھی صدیوں غور و فکر کرنا تھا ان کو حضور ﷺ آج ہی سمجھتے ہیں۔

(تفسیر یاء القرآن ج ۲ ص ۵۳۸ زیر آیت وارسلنا الریاح لوافح الخ)

جمادات اور مادہ کے اندر بھی زواج کا قانون کارفرما ہے:

زواج کا قانون اور عمل جمادات بلکہ مادوں کے اندر بھی کارفرما ہے جب مختلف عناصر کو ہم ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے ہیں تو تب جا کر مرکبات وجود میں آتے ہیں۔ آج تک دنیا میں کل ۱۰۵ عناصر دریافت ہو چکے ہیں اور دنیا کی تمام اشیاء حیوانات و نباتات اور جمادات غرض سب ہی اشیاء انھیں عناصر سے مرکب ہیں۔ اصل میں جس مادہ دخانی سے اس جہان رنگ و بو کی تخلیق ہوئی تھی اس مادے کی وحدت تمام مظاہر میں دکھائی دیتی ہے ان عناصر میں کچھ ہلکے ہیں تو کچھ بھاری۔ کچھ کمیاب ہیں تو کچھ وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں ان میں کچھ دھاتیں ہیں اور کچھ غیر دھاتیں۔ مگر سب میں بنیادی طور پر ایک ہی نظام وحدت کارفرما ہے اور یہ کہ ہر ایک میں الیکٹرانی اور مرکزائی نظام پایا جاتا ہے۔ کسی میں الیکٹرانوں کی تعداد زیادہ ہے اور کسی میں کم اسی طرح مرکزے میں پروٹانوں اور نیوٹرانوں کا نظام کارفرما ہے۔ یونہی ہزار ہا دہرے ستارے دیکھے گئے ہیں جو دو مربوط ستاروں سے مرکب ہیں وہ ایک دوسرے کو مضبوطی سے باندھتے ہیں اور ایک ہی ادوار میں گھومتے ہیں۔ گویا کہ وہ ایک سر ہیں جو ایک نغمہ سے نکلتے ہیں اس مقام پر تسبیح کتنی بر محل ہے اس تسبیح نے ایک ایک حقیقت کو بظاہر کر دیا یعنی وحدت خلق اور وحدت تکوین اور یہ وحدت ظاہر کرتی ہے کہ ایجاد کرنے والا ہاتھ ایک ہی ہے جس نے کمال حکمت و صناعی سے پوری کائنات کو پیدا فرمایا ہے اور ان میں ایک ہی وحدت کو کارفرما رکھا ہے۔

گردش لیل و نہار سے استدلال:

اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ پر تکوینی دلائل بیان کرتے ہوئے رات اور دن کی گردش اور ان کے بدلنے کو بطور دلیل پیش کر رہا ہے کہ جب صبح کا نور پھوٹتا ہے رات کی گھٹا ٹوپ سیاہی چھٹ جاتی ہے ہر طرف نور ہی نور پھیل جاتا ہے اور تمام اشیاء روشن ہو جاتی ہیں اور پھر اچانک رات اپنی تاریکی کے سیاہ پردے روشنی پر ڈال دیتی ہے اور ہر شے تاریک ہو جاتی ہے اور



رات اور دن کی یہ آنکھ مچولی کا کھیل تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور اسی سے عالم میں نیرونگی اور حسن ہے پھر رات کا بعض اوقات لمبا ہونا اور دن کا چھوٹا ہونا اور کبھی دن کا لمبا ہونا اور رات کا چھوٹا ہونا اسی طرح بعض مقام پر ایک وقت میں صبح کا ہونا اور اسی وقت دنیا کے کسی دوسرے گوشے میں ظہر کا ہونا تیسرے کوچہ میں عصر کے وقت کا ہونا اور چوتھی جگہ مغرب اور پانچویں مقام پر عشاء کا وقت ہونا یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے صانع، خالق و مالک، مدبر و حکیم ہونے پر دلالت کرتے ہیں کئی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رات اور دن کو اپنی نشانیاں قرار دیا ہے کیوں کہ اگر رات اور دن کا تغیر نہ ہوتا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مثلاً صرف رات ہی رات ہوتی یا پھر دن ہی دن ہوتا تو پورا عالم تہہ و بالا ہو جاتا نظام کائنات درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ اب یہ کتنی بد نصیبی کی بات ہے کہ جس خالق و مالک نے اس انسان خاکی کے لئے یہ ساری بزم کائنات سجائی اس کی معیشت کے لئے دن کو پیدا فرمایا اور دن کی محنت و مشقت اور جسمانی و ذہنی تھکاوٹ کو دور کرنے کے لئے نیند کو پیدا فرمایا جو اچانک اپنی آغوش میں لے کر دنیا و مافیہا سے انسان کو غافل کر دیتی ہے اور تمام قسم کے تفکرات سے انسان کو نجات دلا دیتی ہے اور رات کو انسان کے لئے پردہ پوش بنا دیا کہ جب انسان تھک ہار کر گھر لوٹتا ہے وہ کام جو دن کے اجالے میں کرنا اس کے لئے مناسب نہ تھا یا نہیں کر سکتا تھا اب رات کی تاریکی میں بے خوف و خطر کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ اور پھر اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ مل بیٹھ کر سارے ذہنی کرب اور جسمانی تھکاوٹ کو بالکل بھول جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کی قدر نہ کر کے اس کی ناشکری کا مرتکب ہونا انسان کی کتنی بد بختی اور حرام نصیبی ہے۔ حالانکہ رات اور دن کا انقلاب اور ان کا گردش کرنا اور گونا گوں فوائد کا ان میں پایا جانا اس بات کا مقتضی ہے کہ انسان ان کے خالق و مالک پر ایمان لائے اور اس کے احکامات کی تعمیل کر کے اس کا تقرب حاصل کرے اور یہ نعمتیں بذات خود زبان حال سے پکار پکار کر اعلان کر رہی ہیں کہ ہمیں پیدا کرنے والی ایک ذات ہے جو حاکم بھی ہے اور قادر بھی۔ جو حکیم بھی ہے اور مدبر بھی اور وہی واجب الوجود ذات ہے اور عبادت

کی مستحق بھی۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا عبادت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کو اپنی نشانیوں میں شمار فرمایا ہے چند آیات مبارکہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قل ارايتم ان جعل الله عليكم الليل سرمدا الى يوم القيامة من الله غير الله ياتيكم بضياء افلا تسمعون ﴿٤١﴾ قل ارايتم ان جعل الله عليكم النهار سرمدا الى يوم القيامة من الله غير الله ياتيكم بليل تسكنون فيه افلا تبصرون ﴿٤٢﴾ ومن رحمته جعل لكم الليل والنهار لتسكنوا فيه ولتبتغوا من فضله ولعلكم تشكرون ﴿٤٣﴾  
(القصص ٤١/٤٣)

ترجمہ: آپ فرمائیے بھلا اتنا تو سوچو اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر رات ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک تو کونسا خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو لادے تمہیں روشنی کیا تم سن نہیں رہے ہو۔ فرمائیے بھلا اتنا تو سوچو اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر دن ہمیشہ کے لئے روز قیامت تک تو کونسا خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو لادے تمہیں رات جس میں تم آرام کر سکو کیا تمہیں (کچھ) نظر نہیں آتا۔ اور محض اپنی رحمت سے بنا دیا ہے تمہارے لئے رات اور دن کو تاکہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش کرو دن میں اس کا فضل (رزق) اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔

سورة روم کے اندر فرمایا ومن ايته منا كم بالليل والنهار وابتغوا كم من فضله ان في ذلك لآيت لقوم يسمعون (روم/۲۳)

ترجمہ: اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا سونار رات کے وقت اور دن کے وقت تمہارا تلاش کرنا اس کے فضل کو بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (غور سے) سنتے ہیں۔

سورة لقمان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الم تر ان الله يولج الليل في النهار و يولج النهار في الليل و سخر الشمس والقمر كل يجري الى اجل مسمى وان

اللہ بما تعملون خبیر۔

ترجمہ: کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں اور اس نے کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک چل رہا ہے (اپنے مدار میں) وقت مقررہ تک اور یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا یولج اللیل فی النہار و یولج النہار فی اللیل و  
سخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمى ذالکم اللہ ربکم لہ الملک  
والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر (فاطر ۱۳)

ترجمہ: وہ داخل کرتا ہے (کبھی) رات (کے ایک حصہ) کو دن میں اور (کبھی) داخل کرتا ہے دن (کے ایک حصہ کو) رات میں اور اس نے پابند حکم کر دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اس کی ساری بادشاہی ہے اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا تو وہ گھٹلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا خلق السموات والارض بالحق یکور اللیل  
علی النہار و یکور النہار علی الیل و سخر الشمس والقمر کل یجری لاجل  
مسمى الا هو العزیز الغفار (الزمر/۵)

ترجمہ: اس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک غور سے سنو وہی عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے۔

ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا وجعلنا نومکم ثباتا وجعلنا اللیل لباسا وجعلنا

النہار معاشا (النساء: ۱۱)

ترجمہ: اور ہم نے بنادیا ہے تمہاری نیند کو باعث آرام نیز ہم نے بنادیا رات کو پردہ پوش اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا۔



## گردش لیل و نہار کو بطور دلیل پیش کرنے کی وجہ:

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ گردش لیل و نہار کئی وجوہ کی بنا پر اللہ کی عظیم نشانیوں میں سے ہے اور وجود صانع پر دلالت کرتا ہے۔

اولاً: رات اور دن کے احوال کا اختلاف سورج کی گردش کے ساتھ مرتب ہے۔

ثانیاً: رات اور دن کے چھوٹا بڑا ہونے کے سبب ہی سے سال کے موسم (بہار، خزاں، گرما اور سرما) ہوتے ہیں۔

ثالثاً: لوگ دن کے وقت کسب معیشت سے اپنے احوال کا انتظام کرتے ہیں جب کہ رات کے وقت نیند اور آرام کرتے ہیں۔

رابعاً: رات اور دن باوجود یکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں مخلوق کے مصالح کی تحصیل میں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ حالانکہ دو اشیاء کا تضاد فساد کا تقاضا کرتا ہے نہ کہ تعاون کا۔

خامساً: رات کے ابتدائی وقت میں لوگوں کا سو جانا نفع اولیٰ (پہلا صور جس کے بعد پوری کائنات تہہ و بالا ہو جائے گی) کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور طلوع شمس کے وقت لوگوں کا بیدار ہونا نفع ثانیہ جس کے بعد سارے لوگوں کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے مشابہ ہے۔

سادساً: رات کی تاریکی کا لپیٹ کر اس سے صبح مستطیل کا ظہور اللہ کی عظیم نشانیوں میں سے ہے۔ گویا کہ وہ ایک صاف و شفاف دریا ہے جو ایک گہرے سمندر میں جا گرتا ہے اس طرح کہ نہ تو صاف پانی گدلا ہوتا ہے اور نہ ہی گدلا پانی صاف اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ”خالق الاصباح و جاعل اللیل سکناً“ (انعام: ۹۶) سے بھی مراد ہے۔

سابعاً: رات اور دن کو مصالح (مصلحتیں) کے موافق معتدل مقدار کے ساتھ مقدر کرنا آیات عظیمہ میں سے ہے جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ وہ قبلہ جس کے سمت رأس پر قطب ہو وہاں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات ہوتی ہے نہ کوئی چیز وہاں مکمل پک سکتی ہے اور نہ ہی وہ کسی حیوان کی رہائش کے قابل ہے اور نہ ہی وہاں معیشت کا کوئی سبب میسر ہو سکتا ہے وغیرہ۔

(۱۶۵ تفسیر کبیر ص ۱۶۶ ج ۲ زیر آیت ان خلق السموات والارض و اختلاف الیل والنهار (بقرہ آیت ۱۶۳))

## تسخیر شمس سے استدلال:

آفاقی دلائل میں سے سورج کو بیان فرمایا کہ کس طرح سورج کو ہم نے مسخر کر رکھا ہے کہ ایک مقررہ وقت پر روزانہ طلوع و غروب، عروج و انخفاض کے مراحل سے گزرتے ہوئے اپنی مقرر کردہ راہوں سے بغیر کسی تاخیر و تعجیل کے اپنے مستقر کی طرف رواں دواں رہتا ہے اور اس کا یہ سفر انہیں مقرر کردہ راستوں پر تاقیام قیامت جاری و ساری رہے گا۔ نہ دوران سفر کہیں قیام کرتا ہے اور نہ ہی کبھی اپنے معمول سے سرمو انحراف کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ آخر کیا یہ خود بخود ہوئے جا رہا ہے نہیں بلکہ اس کو اس نظام کا پابند بنانے والی ذات وہی ہے جو خالق کائنات ہے جو حکیم و مدبر ہے جس کے سامنے زمین و آسمان ستارے و سیارے غرض سب چیزیں سرنگوں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں طوعاً و کرہاً لگی ہوئی ہیں۔ لیکن انسان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی ہوئی انھیں اشیاء کو اللہ کا مد مقابل اور شریک بنایا ہوا ہے اور اس کی عبادت کے بجائے ان کی عبادت میں مشغول ہے انسان کتنا ناشکرا اور احسان فراموش ہے کہ اپنے خالق حقیقی کو نہیں پہچان سکتا۔ اور اس کی عبادت و بندگی کرنے سے انکار کر رہا ہے اور اپنے اوپر ظلم ڈھا رہا ہے۔

مستقر کے متعلق مفسرین کرام کے دو اقوال ہیں یہ اسم زمان ہے دوم یہ اسم مکان ہے۔  
(☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۹۰ زیر آیت مذکورہ)

## اسم زمان کی صورت میں معنی:

اگر مستقر کو اسم زمان تسلیم کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ سورج تاقیام قیامت محو گردش ہے جب قیامت پیا ہوگی اس وقت سورج اپنی حرکت کو ختم کر دے گا۔ اس کی حرکت سائلن ہو جائے گی اور اس کو لپیٹ دیا جائے گا اور یہ عالم اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا۔ اور یہی مستقر زمانی ہے یہ تفسیر قتادہ نے کی ہے۔ (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۹۰ زیر آیت مذکورہ)

قنادہ اور مقاتل نے کہا معنی یہ ہے کہ یہ ایک وقت تک چلتا رہے گا جس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور واحدی نے کہا اس بنا پر سورج کا مستقر کے ختم ہونے کے وقت اس کی سیر (چلنے) کا ختم ہونا ہے اسی کو زجاج نے بھی اختیار کیا ہے۔ اسی طرح علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے۔

(☆ تفسیر روح المعانی ج ۸ ص ۱۸ زیر آیت مذکورہ)

اس معنی کی تائید سورۃ زمر کی اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے۔

خلق السموات والارض بالحق يكور الليل على النهار و يكور النهار على الليل  
و سخر الشمس والقمر كل يجرى الى اجل مسمى (زمر/۵)

اسی نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک۔

یعنی شمس و قمر کی حرکت دائمی اور ابدی نہیں بلکہ ایک مقررہ وقت تک پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جائے گی ان کی ایک مقررہ میعاد ہے۔ جب قیامت پنا ہوگی ان کی حرکت منقطع ہو جائے گی۔

مستقر کے اسم مکان ہونے کی صورت میں معنی:

بعض مفسرین کرام نے مستقر کو اسم مکان تسلیم کیا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا سورج مدار میں حد معین کی طرف رواں ہے جہاں وہ سال کے آخر میں پہنچتا ہے۔ اس صورت میں اسے مسافر کے مستقر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جب وہ اپنا سفر ختم کر دیتا ہے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک، ایک حد معین کی طرف منتہی ہوتا ہے یہ معنی کلبی سے مروی ہے اور ابن قتیبہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (☆ تفسیر روح المعانی ج ۸ ص ۱۸ زیر آیت مذکورہ)

اس معنی کی تائید حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جسے صحاح ستہ نے سوائے ابن ماجہ کے روایت کیا ہے۔ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کنت مع النبی ﷺ فی المسجد عند غروب الشمس فقال: یا ابا ذر اتدري اين تذهب



هذه الشمس قلت الله ورسوله اعلم قال تذهب لتسجد فتتاذن فيوذن لها ويوشك ان تسجد فلا يقبل منها و تستاذن فلا يوذن لها فيقال لها ارجعي من حيث جئت فتطلع من مغربها فذلك قوله عز وجل والشمس تجري لمستقر لها (تفسير روح المعاني ج ٨ ص ٨٨ از آیت مذکور) و فی روایة اتدرون ابن تذهب هذه الشمس؟ قالوا الله ورسوله اعلم قال ان هذه تجري حتى تنتهي الى مستقرها تحت العرش فتخر ساجدة (مسلم كتاب الايمان باب الزمان الذي يقبل فيه

الايمان ص) الحديث و في ذلك عدة روايات و قد روى مختصرا جدا ابو ذر رضي الله تعالى عنه فرماتے ہیں میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ غروب شمس کے وقت مسجد میں تھا آپ نے فرمایا اے ابو ذر! کیا تو جانتا ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ فرمایا یہ سجدہ کرنے جاتا ہے پھر اجازت طلب کرتا ہے اسے اجازت دی جاتی ہے اور قریب ہے کہ یہ سجدہ کرے تو اس کا سجدہ قبول نہ کیا جائے اجازت طلب کرے تو اجازت نہ دی جائے اور اسے کہا جائے کہ تو جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا پس یہ مغرب سے طلوع ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان والشمس تجري لمستقر لها کا یہی مفہوم ہے۔ دوسری روایت میں ہے کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے آپ نے فرمایا یہ سورج رواں رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مستقر پر تحت العرش منتہی ہو جاتا ہے پس وہاں سجدہ کرتا ہے۔ (مسلم کتاب الايمان باب الزمان الذي يقبل فيه الايمان بخاری، کتاب التفسير باب والشمس تجري لمستقر لها)

واخرج احمد و البخاری و مسلم و ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن ابی حاتم و ابو شیخ و ابن مردويه و البيهقي عن ابی ذر قال سئلت رسول الله ﷺ عن قوله تعالى والشمس تجري لمستقر لها قال مستقرها تحت العرش

(مسلم کتاب الايمان باب بيان الزمان الذي يقبل فيه الايمان، بخاری کتاب التوحيد باب قوله

تعالى تعرج الملائكة تزدى كتاب التفسير باب ٣٤ مسند احمد ص ١٥٢ ج ٥، ١٤٤)

ابو ذر سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی والشمس تجری لمستقر لها سے کیا مراد ہے فرمایا اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے۔

زیر عرش سجود شمس پر وارد ہونے والے شبہات اور ان کے جوابات:

بعض مفسرین کرام کے اقوال اور ان احادیث کی روشنی میں مستقر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں آفتاب اپنی حرکت کا ایک دور مکمل کر کے سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور اس وقت تک سجدہ ہی میں رہتا ہے جب تک کہ اسے دوبارہ اپنا سفر جاری رکھنے کی اجازت نہیں ملتی۔ اور وہ سجدہ بھی تحت العرش ہی کرتا ہے۔ حالانکہ مشاہدات اور علم سائنس کی تحقیقات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ سورج اپنے مستقر پر پہنچ کر وقفہ کرتا ہے اور نہ ہی اس کی حرکت میں کوئی انقطاع پایا جاتا ہے۔ تو پھر تحت العرش سجود واستقرار کا کیا معنی ہے؟ چاہے یہ کہا جائے کہ سورج ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف طلوع ہوتے ہوئے عرش تک پہنچ کر سجدہ کرتا ہے یا یہ کہا جائے کہ بغیر طلوع ہوئے ہی

علامہ آلوسی نے یہ سوالات اٹھا کر ان کا جواب یہ دیا ہے کہ جو بات دل کو لگتی ہے وہ یہ ہے کہ سورج اور تمام کواکب مدرکہ عاقلہ ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وکل فی فلک۔ سبحون میں فعل لایا جس میں ذوی العقول کی ضمیر لائی۔ اور ابو ذر والی احادیث میں سورج کا سجدہ کرنا اور اجازت طلب کرنا اس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ اجازت طلب کرنا زبان قال سے ہے نہ کہ زبان حار سے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی تمیز اور ادراک کو پیدا فرمایا ہے حالت سجدہ و اجازت کے طلب کرنے میں۔ پھر اس سے اس کو سلب کر لیتا ہے کیوں کہ اس کے التزام کی حاجت نہیں۔ کتاب و سنت اور کلامِ عمرت سورج کے ذات ادراک و تمیز پر دلالت کرتے ہیں بعض بالخصوص سورج کے اور بعض بالعموم اس کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں بلکہ بعض صوفیہ نے تو سورج کے نفس ناطقہ کاملہ کی بھی تصریح کر دی ہے۔ جس طرح انسان کا نفس ناطقہ ہوتا ہے جب انسانی نفوس

قدسیہ ہوں تو وہ جسموں اور ابدان سے جدا ہو کر اپنے ظاہری بدنوں کی مماثلت اختیار کر کے یا دوسری صورتوں کی مماثلت اختیار کر کے جاتے ہیں جیسے جبرائیل وحیہ کلبی کی شکل میں یا کبھی اعرابی کی شکل میں آتے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معراج کی رات حضور ﷺ نے انھیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا پھر مسجد اقصیٰ اور چھٹے آسمان پر بھی دیکھا اور فرض نمازوں کے بارے میں آپ کے اور حضور ﷺ کے درمیان مکالمہ بھی ہوا اور آپ علیہ السلام اپنے جسد کے ساتھ آسمان پر عروج بھی کر گئے جو قبر میں تھا اسی طرح سورج کا بھی ایک نفس ہے جو ان نفوس قدسیہ کی طرح ہے جو اس جرم سے جو معروف ہے نکل کر عرش کی طرف عروج کر جاتا ہے اور وہاں باواوسطہ سجدہ کرتا ہے اور استقرار پذیر بھی ہوتا ہے اور اجازت بھی طلب کرتا ہے اور اس کا تعلق اس جرم کے ساتھ بھی رہتا ہے اور یہ چیز اس جرم معروف کی سیر کے منافی نہیں ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا تجود اس کے افق مدینہ سے غروب کے بعد ہوتا ہے اور یہ چیز اس کے کسی دوسرے افق پر طلوع ہونے کے مانع نہیں ہے۔

(۵۴ روح المعانی زیر آیت مذکورہ ج ۷ ص ۱۰/۱۱ مختصراً)

## مفتی شفیع کا جواب:

اور مفتی شفیع نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ حضور ﷺ کا سورج کے عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا ارشاد فرمانا بطور تمثیل ہے نہ کہ فی الحقیقت وہ لکھتے ہیں والشمس تجری لمستقر لها ذالک تقدیر العزیز العلیم اس میں غور سے کہ مقصد اس کا یہ بتانا ہے کہ آفتاب خود بخود اپنے ارادے اور اپنی قدرت سے نہیں چل رہا بلکہ یہ ایک عزیز و علیم یعنی قدرت والے اور جاننے والے کے مقرر کردہ نظام کے تابع چل رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے غروب آفتاب کے قریب حضرت ابوذر غفاری کو ایک سوال و جواب کے ذریعے اسی حقیقت پر متنبہ ہونے کی ہدایت فرمائی۔ جس میں بتایا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے اللہ کو سجدہ کرتا ہے پھر اگلا دور شروع کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے جب



اجازت دی جاتی ہے تو حسب دستور آگے چلتا ہے اور صبح کو جانب مشرق سے طلوع ہوتا ہے اس کا حاصل اس سے زائد نہیں کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت عالم دنیا میں ایک نیا انقلاب آتا ہے جس کا مدار آفتاب پر ہے رسول اللہ ﷺ نے اس انقلابی وقت کو انسان کی تنبیہ کے لئے موزوں سمجھ کر یہ تلقین فرمائی کہ آفتاب کو خود مختار اپنی قدرت سے چلنے والا نہ سمجھو یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کے تحت چل رہا ہے اس کا یہ طلوع و غروب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے یہ اس کی اجازت کے تابع ہے۔ اور اس کے تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو اس کا سجدہ قرار دیا گیا۔

(☆ تفسیر معارف القرآن زیر آیت مذکورہ ص ۳۹۱ ج ۷)

### علامہ غلام رسول سعیدی کا جواب:

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے ان احادیث پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے کیا مراد ہے اس کا حقیقی علم تو اللہ اور اس کے رسول ہی کو حاصل ہے احادیث سے جو ہم سمجھ سکے ہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غروب آفتاب کو سجدہ سے تعبیر فرمایا ہے کیوں کہ ہر چیز کی عبادت اس کے حال کے مطابق ہوتی ہے لہذا جب سورج نصف النہار کے وقت حالت استواء پر ہوتا ہے تو اس کا یہ استواء، قیام سے زوال کے بعد جب سورج ڈھل جاتا ہے تو اس کا ڈھلنا، رکوع سے اور جب افق پر غروب ہوتا ہے تو یہ سجدہ سے مشابہ ہے اور جس افق پر سورج غروب ہوتا ہے وہ چونکہ عرش کے نیچے واقع ہے اس لئے اس کو عرش کے نیچے سجدہ کرنے سے تعبیر فرمایا ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کے سجدہ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا فلا تنزال کذا لک اس کا یہ مطلب نہیں کہ رات بھر سورج سجدہ میں پڑا رہے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حالت سجدہ (یعنی غروب) ہی میں سے اسے کہا جائے گا ارجعی من حیث جنت جہاں سے آئے ہو وہیں لوٹ جاؤ اور لوٹنے کا مطلب اٹنے پاؤں واپس جانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے نظام طبعی کے تحت لوٹنا ہے یعنی معروف

طریقہ کے مطابق جس افق سے غروب ہوا ہے اس کے مقابل دوسرے پر طلوع ہو۔ پھر اپنی منزل طے کرتا ہوا اس افق پر غروب ہو کر افق سابق پر طلوع ہو جائے اس طرح اپنا دورہ مکمل کرنے کے بعد سورج اس افق سے پھر طلوع ہوتا ہے جس سے غروب ہوا تھا۔ قیامت تک یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا لیکن جب قیامت پیا ہوگی سورج جس افق سے غروب ہوا تھا اسی افق پر طلوع ہوگا۔

(شرح صحیح مسلم للسیدی ج ۱ ص ۶۳۸/۶۳۹ کتاب الایمان باب فی الزمن الذی لا یقبل فیہ الایمان)

قرآن و حدیث کی مذکورہ تصریحات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ سورج اور چاند دونوں متحرک ہیں۔ اور جدید سائنس بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچی جس کی رہنمائی قرآن نے آج سے سو چودہ سو سال قبل دی تھی۔ آج سائنس دان اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ سورج بھی متحرک ہے اگرچہ دیگر سیارے اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں لیکن وہ بذات خود بھی حرکت میں ہے۔

چاند کے گھٹنے بڑھنے سے توحید پر استدلال:

ہماری نشانیوں میں سے ایک نشانی چاند ہے اس کی طرف نظر بصیرت ڈالو کس طرح چاند کی گردش روز بروز بدلتی ہے اس کے گھٹنے بڑھنے کو دیکھو ایک دن وہ بلال بن کر طلوع ہوتا ہے پھر روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ بدر کامل بن جاتا ہے ماہ تمام بننے کے بعد دوبارہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ دوبارہ کھجور کی بوسیدہ روکھی ہوئی خمیدہ شاخ کی مانند ہو جاتا ہے اور یہ گردش چند روزہ نہیں بلکہ لاکھوں برس سے باقاعدگی کے ساتھ چل رہا ہے کبھی گھٹتا ہے تو کبھی بڑھتا ہے۔ کبھی چاندنی مانند پڑ جاتی ہے تو کبھی بڑی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہوتا ہے نہ اس کے معمول میں کبھی فرق آیا ہے اور نہ ہی اپنی مقرر کردہ راہوں سے کبھی اس نے سربموانحراف کرنے کی جسارت کی۔ پھر یہ حساب لگانے کے لئے بھی انسان کا مدد و معاون رہا ہے۔ اور منازل اسی لئے مقرر کی گئی ہیں تاکہ انسان آسانی سے حساب لگا سکے کیوں کہ انسان با آسانی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ کس تاریخ کو چاند کس منزل میں ہوگا اگرچہ دن و رات کی گردش سورج کی گردش سے ہوتی ہے

تو مہینہ اور سال کی پہچان چاند سے ہوتی ہے۔ اسلام نے اپنے بیشتر احکام کی بنیاد بھی قمری سال پر رکھی ہے کیوں کہ اس کا جاننا ہر ایک کے لئے یکساں طور پر آسان ہے جب کہ شمسی سال کا حساب ہر ایک نہیں لگا سکتا۔

### شمسی و قمری تقویم :-

اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر میں سے ہر ایک کے لئے منازل کو مقرر کیا ہے منازل منزل کی جمع ہے اور منزل جائے نزول کو کہتے ہیں شمس و قمر میں سے ہر ایک کی جائے نزول کو منزل کہا جاتا ہے۔ سورج کی منازل بارہ برج ہیں علماء فلکیات نے ان کو درج ذیل ناموں سے موسوم کیا ہے۔ حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ سورج ان میں سے ہر ایک برج میں ایک ایک ماہ تک قیام کرتا ہے۔ اور ان کی انتہا پر سال ختم ہو جاتا ہے پس شمسی سال سورج کے اس نقطہ پر پہنچنے کی مدت ہے جس سے وہ جدا ہوا تھا۔ اور یہ مدت 365 دن 58 گھنٹے 48 منٹ اور 47.4624 سیکنڈ ہے۔ عام سال چونکہ 365 ایام کا ہوتا ہے لہذا پنج رہنے والے گھنٹوں کو پورا کرنے کے لئے ہر چوتھے سال لیپ کا سال قرار دے کر اس میں سے ایک دن کا اضافہ کر کے 366 دن بنا دیئے جاتے ہیں۔ جس سے معیاری سالوں میں چند منٹوں کا اضافہ ہوتا ہے جسے کامل دنوں میں پورا کرنے کے لئے 4,000 سال بعد تک بھی دنوں میں کمی بیشی کرنا پڑے گی۔ سال کی صورت میں وقت کی پیمائش کا ایک بہترین ذریعہ سورج ہے جو ایک طرف ماہرین فلکیات کے لئے اجرام فلکی کے ظہور و خفا کا تعین کرنے میں مدد ہے تو دوسری طرف ایک گنوار کسان کے موسموں کے تغیر و تبدل اور فصلوں کی بوائی و کٹائی کے موزون وقت سے بھی آگاہ کرتا ہے۔

شمسی تقویم میں جا بجا ترمیمات ہوتی آئی ہیں مگر اس کے باوجود ماہرین اس کی موجودہ صورتحال سے مطمئن نہیں ہیں۔ موجودہ عیسوی کیلنڈر 1582 میں موجودہ حالت میں تشکیل دیا گیا جب 4 اکتوبر سے اگلے دن 15 اکتوبر شمار کرتے ہوئے دس دن غائب کر دیئے گئے۔ پوپ گریگوری کے حکم سے تشکیل پانے والا یہ کیلنڈر گریگوری کیلنڈر کہلایا جانے لگا۔



## قمری تقویم:

وقت معلوم کرنے کا دوسرا بہترین ذریعہ قمری تقویم ہے۔ قمری تقویم میں چاند کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اس کا حساب چاند کے گھٹنے بڑھنے پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: **هو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب (یونس ۵)** اور اس نے سورج کو بنایا درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تاکہ تم جان لو نعتی سالوں کی اور حساب۔

چاند کی منازل اٹھائیس 28 ہیں جو 12 برجوں میں منقسم ہیں اور ہر برج کی 2 1/3 منزلیں ہیں۔ چاند ان منازل میں سے ہر ایک منزل میں ایک رات اترتا ہے۔ جب آخری منزل میں اترتا ہے تو انتہائی باریک اور قوس نما ہوتا ہے عرب علماء فلکیات نے ان منازل کے نام کسی نہ کسی ستارے یا ستاروں کے مجموعے پر رکھے ہیں۔ وہ نام درج ذیل ہیں۔ الشریطان، البطین، الثریا، الدبران، النفعہ، الذراع، النثرہ، الطرف، الجبہ، النربہ، الصرغ، العواء، السماک، الاعزل، الغفرہ، الثربانی، الاکلیل، القلب، الشولہ، النعائم، البلدہ، سعد الذانح، سعدیلح، سعد السعود، سعد الاحیہ، فرغ الدلو المقدم، الفرغ المؤخر او بطن الحوت۔

در حقیقت زمین کے گرد مدار میں اپنا 350 درجے کا چکر 27 دن 7 گھنٹے 43 منٹ اور 11.6/11.5 سیکنڈ کی مدت میں مکمل کرتا ہے اور واپس اسی جگہ پر آ جاتا ہے مگر چونکہ زمین بھی اسی سمت میں سورج کے گرد محور گردش ہے۔ اور مذکورہ وقت میں سورج کے گرد اپنے مدار کا 27 درجے کا اضافی فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے اور اسے زمین کے گرد اپنا چکر پورا کرنے کے لئے 387 درجے کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے جس کو طے کرنے کے لئے اسے مزید وقت درکار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قمری ماہ کی مدت 27 دن 7 گھنٹے، 43 منٹ اور 11.6/11.5 سیکنڈ لے جاتے 29 دن 12 گھنٹے، 44 منٹ اور 2.8 سیکنڈ قرار پاتی ہے اسی وجہ سے چاند بھی 29 دنوں میں اور بھی 30 دنوں میں ایک ماہ مکمل کر لیتا ہے اور باقی 44 منٹ اور 2.8 سیکنڈ کی وجہ سے سالوں میں بھی 2 ماہ مسلسل 30 دنوں کے بن جاتے ہیں اور یہ فرق فطری طور پر خود بخود پورا ہو جاتا ہے اور

ہمیں کسی قسم کے رد و بدل کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اگرچہ شمسی تقویم کی طرح قمری تقویم میں بھی گونا گوں پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں لیکن ان کے حل کے لئے انسان کو اپنی صلاحیتیں صرف کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ چاند فطری انداز میں خود فیصلہ سنا دیتا ہے، چاند چونکہ فطری انداز میں تعین وقت کا فریضہ انجام دے دیتا ہے لہذا علم و فن سے عاری معاشروں کے لئے بھی وقت کے شمار کا بہترین ذریعہ ہے اور لکھا پڑھا ہوا معاشرہ بھی اس سے متمتع ہو سکتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ پہلی تاریخ کو مغربی افق پر تراشیدہ ناخن کی طرح ظاہر ہوتا ہے اور پھر فی الفور غائب ہو جاتا ہے اگلے دن پہلے سے ذرا بڑا اور زیادہ دیر تک افق پر چمکتا ہے ساتویں روز وسط آسمان پر ظاہر ہوتا ہے چودھویں کو بدر کامل بن جاتا ہے اور مشرق سے باقاعدہ طلوع ہوتا ہے اس کے بعد بتدریج گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور آخری راتوں میں صبح کے قریب طلوع ہوتا ہے ان دنوں انتہائی باریک ہوتا ہے اسی کو قرآن نے حتی عاد کالعرجون القدیم سے تشبیہ دی۔ (۳۵) یعنی سورج چاند ستارے و سیارے سب اپنے اپنے مداروں میں محو گردش ہیں نہ ان میں سے کوئی دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی وہ آپس میں ٹکراتے ہیں۔ بلکہ اپنے اپنے مداروں میں بغیر کسی مزاحمت کے محو سفر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حکمت، تدبیر، کاریگری اور قدرت پر دلالت کر رہے ہیں۔

فلک کا معنی:

علامہ راغب الاصفہانی رقمطراز ہیں الفلک التی تجری فی البحر و تری الفلک فیہ مواخر (نحل ۱۲) وجعل لكم الفلک والانعام ماتر کبون (زخرف ۱۲) والفلک مجری الکواکب و تسميته بذالک لکونه کالفلک

(☆ المفردات فی غریب القرآن)

فلک کشتی کو کہا جاتا ہے جو سمندر میں چلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو کہ موجوں کو چیرتی جاتی ہیں۔ اور یہ فرمان اور بنادیں تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی

جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ اور فلک ستاروں کے مدار (چلنے کی جگہ) کو کہتے ہیں یہ نام اسے اس لئے دیا گیا کیوں کہ یہ کشتی کی طرح ہے۔

علامہ ابن منظور فلک کا معنی لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں و فلک کل شئی مستدارہ و معظمہ کسی چیز کا فلک اس کا گول اور بڑا حصہ ہوتا ہے۔ اسی بنا پر سمندر کی گول اور مچلتی ہوئی موج کو بھی فلک کیا جاتا ہے و فلک البحر موجه المستدير المتردد ایک حدیث میں ہے ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی انی ترکت فرسک کانہ یدور فی فلک میں نے آپ کے گھوڑے کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ گویا وہ ایک فلک (دارہ) میں گھوم رہا ہے۔

(☆ لسان العرب لابن منظور ج ۱۰ ص ۸۷۸ مطبوعہ بیروت)

### فلاسفہ اور قدیم علماء طبعین کے نزدیک فلک کی تعریف:

قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ ہماری زمین کو مرکز کائنات قرار دے کر سات سیاروں کو جن میں سورج بھی شامل ہے کروئی شکل کے ساتھ افلاک میں جڑے ہوئے مانتا ہے اور انھیں افلاک کو محو گردش مانتا ہے اور زمین کو ساکن قرار دیتا ہے اسی طرح ان کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ افلاک پیاز کے چھلکوں کی طرح تہہ بہ تہہ ہیں اپنا ٹھوس جسم رکھتے ہیں اور شیشے کی طرح شفاف ہیں جن کے آر پار دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ دو مزید افلاک ہیں آٹھویں کو فلک البروج یا فلک ثوابت اور نویں کو فلک اطلس یا فلک الافلاک یا فلک اعظم بھی کہا جاتا ہے اور یہ تمام ستارے (سات سیاروں کے علاوہ) آٹھویں فلک میں جڑے ہوئے ہیں افلاک کے شفاف ہونے کی بنا پر ہمیں پہلے فلک پر دکھائی دیتے ہیں نواں فلک محدود جہات ہے اور تمام افلاک و اجساد کو محیط ہے اس کے وراء نہ کوئی خلا ہے نہ ملا اور غیر مخلوق ہے۔ (☆ شرح پنجمی ص ۲۰ ص ۲۳ مختصراً)

نیز ان افلاک کی ساخت پر داخت کے بارے میں یہ نظریہ بلکہ عقیدہ ہے کہ وہ مختلف اجسام و طبائع سے مرکب نہیں ہدایت الحکمت بھی ہے ان الفلک بسیط ای لم یتربک من اجسام مختلفة الطبائع (☆ ہدایت الحکمت ص ۲۳)



اور یہ شق عناصر کو بھی شامل ہے یعنی افلاک کا مادہ کسی بھی حیثیت سے ہماری زمین کے مادہ سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اسی بنا پر وہ کون و فساد اور خرق و اتحاط کو قبول نہیں کرتا۔ بسانہ حیسی عالم متحرک بالارادة حركة مستديرة ولا يقبل الخرق والانتظام یعنی فلک زندہ ہے عالم ہے اپنے ارادہ سے گول حرکت کرتا ہے پھٹنے اور جڑنے کو قبول نہیں کرتا۔ (☆) یعنی نہ تو ان کے اجزاء ٹوٹ پھوٹ کر جدا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ایک بار ٹوٹنے کے بعد دوبارہ جڑ سکتے ہیں۔

(☆ ہدایۃ الحکمتہ ص ۲۷)

چونکہ فلاسفہ کے نزدیک فلک میں خرق و التمام ممنوع ہے اس لئے انھوں نے کہا کہ یہ سیارے ان میں گڑے ہوئے ہیں۔ وہ متحرک نہیں ہیں بلکہ وہ فلک متحرک ہیں جن میں یہ گڑے ہوئے ہیں کیوں کہ حرکتیں مختلف ہوتی ہیں اس لئے انھوں نے افلاک کو بھی متعدد مانا ان کے نزدیک نوافلاک معروف ہیں۔

علماء اسلام کے نزدیک فلک کی تعریف:

علماء اسلام نے علم الکلام کی کتابوں میں فلاسفہ یونان کے اس نظریہ کا بطلان ثابت کیا ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک فلک اور سماء دو مختلف چیزیں ہیں۔ علامہ خازن لکھتے ہیں:

والفلک مدار النجوم الذی يضمها و هو فی کلام العرب کل شئی مستدیر و جمعه افلاک و قيل الفلک طاحونة كهیئة فلک المغزل، یرید ان الذی تجرى فيه النجوم مستدیر كاستدار الرحی و قيل الفلک موج مكفوف دون السماء تجرى فيه الشمس والقمر والنجوم (☆ تفسیر خازن ص ۲۸۹ ج ۳ زیر آیت و هو الذی خلق اللیل والنهار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون)

فلک ستاروں کا وہ مدار ہے جو انھیں جمع کئے ہے کلام عرب میں ہر گول چیز کو فلک کہا جاتا ہے اس کی جمع افلاک آتی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ فلک چکی کو کہا جاتا ہے جو چرنے کے دائرہ کی طرح ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس مدار میں ستارے چلتے ہیں وہ گول ہے جس طرح

پکی۔ یہ بھی کہا گیا کہ فلک وہ موج ہے جس کو اس کے طبقہ میں روکا گیا ہے اور آسمان کے نیچے ہے۔ سورج چاند اور ستارے اسی میں محو گردش ہیں۔

علامہ بغوی لکھتے ہیں۔ والفلک مدار النجوم الذی یضمها والفلک فی کلام العرب کل شینی مستدیر و جمعه افلاک و منه فلکة المغزل وقال الحسن الفلک طاحونة کهيئة فلکة المغزل یرید ان الذی یجرى فيه النجوم مستدیر کاستدارة الطاحونة قال الضحاک فلکها مجراها وسرعة سيرها قال المجاهد کهيئة حديد الریح وقال الاخرون الفلک موج مکفوف دون السماء تجرى النجوم والشمس والقمر (☆ تفسیر بغوی ص ۲۸۹، ۲۹۰ زیر آیت و هو الذی خلق الليل والنهار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں والاصح ان السيارة تجرى فی الفلک وهی سبعة افلاک دون السموات المطبقة التي هی مجال الملائكة واسباب الملكوت فالقمر فی الفلک الادنى ثم عطارد ثم الزهره ثم الشمس ثم المريخ ثم المشترى ثم زحل والثامن فلک البروج والتاسع الفلک الاعظم قال ابن زيد الافلاک مجاری النجوم والشمس والقمر قال وهی بین السماء والارض و قيل الفلک موج مکفوف و مجرى الشمس والقمر فيه (☆ تفسیر الجامع الکام القرآن ج ۶ الجزء الحادى عشر ص ۱۵۹ زیر آیت سورة الانبياء آیت نمبر ۳۳)

یعنی سیارے فلک (مدار) میں چلتے ہیں اور یہ ان آسمانوں سے نیچے ہیں جو ملائکہ کی جوامان گاہیں اور اسباب ملکوت کا مخزن ہیں چاند سب سے نچلے فلک میں ہے پھر عطارد، پھر زہرہ، پھر سورج، پھر مریخ، پھر مشتری، پھر زحل، آٹھویں کو فلک بروج اور نویں کو فلک اعظم کہا جاتا ہے۔ ابن زید نے کہا افلاک سورج، چاند اور ستاروں کی گزرگاہ ہے اور یہ زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ فلک ایک موج کا نام ہے جسے روک دیا گیا ہے۔ اور سورج اور چاند اس میں چلتے ہیں۔

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں:

قال اکثر المفسرون هو موج مكفوف تحت السماء يجرى فيه الشمس والقمر و قال الضحاك هو ليس بجسم وانما هو مدار هذه النجوم والمشهور ما روى عن ابن عباس والسدى

اکثر مفسرین نے کہا کہ فلک ایک موج ہے جسے اپنے طبقہ میں روک دیا گیا ہے اور یہ آسمان کے نیچے ہے اس میں شمس و قمر چلتے ہیں اور ضحاک کا قول ہے کہ اس کا کوئی جسم نہیں، بلکہ یہ ان ستاروں اور سیاروں کا مدار ہے یہی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سدی کا مشہور قول ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ افلاک کل نو ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ کوئی قطعی بات نہیں ہے والحق انه لا قاطع على نفي ما عدا ذلك۔

(☆ روح المعانی ج ۹ الجزء السابع عشر ص ۵۸ زیر آیت سورۃ انبیاء آیت نمبر ۳۳)

### جدید تحقیقات نظریہ قرآن کی تصدیق:

جدید تحقیقات کے مطابق بھی افلاک کا کوئی وجود اور جسم نہیں ہے۔ قرآن کی روشنی میں علماء اسلام نے صد ہا سال قبل جن حقائق کو اپنی دور رس نگاہوں اور عقل خداداد سے بے نقاب کیا آج سائنس انھیں حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے اس سے اگر ایک طرف قرآن کی صداقت اور حقانیت ثابت ہوتی ہے تو دوسری جانب علماء اسلام کی دقت نظر اور وسعت علم کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہماری کائنات سبع سیاروں اور تسعہ افلاک میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ اربوں کھربوں اور لاتعداد ستاروں اور سیاروں کا مجموعہ ہے اور یہ تمام اجرام مادی بے کراں خلاؤں میں تیر رہے ہیں۔ ان کا مادہ بھی وہی ہے جو ہماری زمین کا مادہ ہے اور ہمارے نظام شمسی کا مادہ ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ستارے بھی جیتے اور مرتے ہیں اور ہمارا سورج محض ایک سیکنڈ میں بیس لاکھ ٹن کی رفتار سے اپنی توانائی کھوتا جا رہا ہے۔

(☆ زمین اور خلا کی کھوج از مارگریٹ اور ہائیڈ ص ۵۴ انڈین اکیڈمی نئی دہلی)



جدید تحقیقات ایک طرف نظریہ قرآن کی تصدیق کر رہی ہیں تو دوسری جانب فلسفہ یونان کے نظریات کو بھی مردود اور باطل قرار دے رہی ہیں۔ قرآن نے ان حقائق کو اس وقت بیان کیا جب عوام تو درکنار خواص بھی تہ در تہ جہالتوں اور اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔ پھر قرآن کی انہیں تعلیمات کی روشنی میں علماء اسلام نے جو تحقیقات کیں حقائق سے پردے ہٹائے اور مسلم سائنس دانوں اور محققین نے دلائل سے فلاسفہ یونان کی جہالتوں کو بیان کیا اور ان کے باطل نظریات کی قلعی کھول دی امام غزالی علیہ الرحمہ نے تحافتہ الفلاسفہ میں فلاسفہ یونان اور ان کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وانہم بحکمون بظن • تخمین من غیر تحقیق یہ لوگ ظن و تخمین سے بغیر کسی تحقیق و ریسرچ کے حکم لگا دیتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ فلاسفہ یونان عقل کے گھوڑے دوڑانے کے خوب ماہر تھے۔ لیکن تجربہ کی کسوٹی پر اپنے نظریات کی بنیاد نہیں رکھتے تھے۔ علماء اسلام نے ہی سب سے پہلے اپنے نظریات کی بنیاد تجربات پر رکھنے کی طرح ڈالی اور اسی نظریے کو اہمیت دی جو تجربہ کی کسوٹی پر پورا اترتا اور تجربہ سے ثابت ہوا۔ اور انہوں نے ہی جدید سائنس کی بنیادیں رکھیں۔ اس وقت جب کہ یورپ تہہ در تہہ جہالتوں میں ڈوبا ہوا تھا لیکن جب مسلمان علم و تحقیق اور ریسرچ کو چھوڑ کر طاؤس و رباب کے شیدائی بنے اور عیش و نشاط میں پڑ گئے اور اپنے آباء و اجداد کی صدیوں کی وراثت یورپ کے ہاتھوں میں دے کر داد عیش دینے لگے اور یورپ نے انہیں تحقیقات کو بنیاد بنا کر جدید تحقیقات اور ریسرچ کی اور دنیا میں نئی نئی ایجادات و اختراعات کیں اور مسلمان اوج ثریا سے تحت اثری میں گر پڑے اور یورپ مسلمانوں کی علمی میراث کے وارث بن بیٹھے۔ علامہ اقبال نے اسی حقیقت کے پیش نظر کہا تھا:

دانہ آں صحرا نشیناں کا شتند حاصلش افرنگیاں برداشتند

ضرورت اس امر کی ہے کہ نو جوانان اسلام اپنی گم شدہ اور کھوئی ہوئی وراثت کے حصول کے لئے میدان عمل میں اتریں اور دین و دنیا کی قیادت کے لئے اپنے کو تیار کریں جہی دنیا میں حقیقی امن و

آشتی کا قیام ممکن ہے بصورت دیگر امن عالم تباہ برباد ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ہمیں اس روز بد سے بچائے اور ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے اور صحیح معنوں میں ان کی جانشینی کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سمندروں میں چلنے والی کشتیوں کو بطور دلیل پیش کرنا:

زمین کی تخلیق اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت گری کی نشانیوں کے بیان اور آسمان کی تخلیق اس میں شمس و قمر اور دیگر ستاروں و سیاروں کے بیان کے بعد سمندر اور ان میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، کاریگری، اور تدبیر و قدرت کا بیان فرمایا کہ کس انداز میں اس خالق کائنات و سمیع و بصیر اور علیم و قدیر نے سمندروں کو انسان کے لئے مسخر کر دیا بڑی بڑی کشتیاں اور دھانی جہاز اسٹیمر اور آبدوزیں اور ٹینکر، ٹنوں وزن اٹھا کر سمندر کی موجوں کو چیرتے ہوئے ایک ملک سے دوسرے ملک تک بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ کس کی قدرت اور طاقت کے بل بوتے پر پہنچتے ہیں آخر کون ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جس کے حکم سے پانی انھیں اپنے اندر ڈبوتا نہیں؟ کس نے سمندروں کو انسان کا تابع فرمان بنایا ہے؟ اسے انسان کے لئے مسخر کس نے کیا ہے؟ یعنی اگر تم اسی ایک چیز پر نظر بصیرت ڈالو، تعصب، ہٹ دھرمی، اور تکبر و غرور کی پٹی آنکھوں سے اتار کر حق پسندی کا مظاہرہ کرو تو تم پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ کوئی عظیم ہستی ہے جس نے ان سمندروں کو انسان کا تابع فرمان بنایا ہے۔ لہذا جو ذات اس بات پر قادر ہے وہی معبود برحق ہو سکتا ہے۔

ذریت کا معنی و مفہوم:

آیت کریمہ میں ذکر ہے کہ ہم نے ان کی ذریت کو بھری ہوئی کشتی میں اٹھایا۔ جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے۔ ذریت کا معنی علامہ راغب الاصفہانی نے تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ”الذرية اصلها الصغار من الاولاد و ان كان قد يقع على الصغار

و الکبار معافی التعارف و يستعمل للواحد والجمع و اصله الجمع“

( المفردات فی غریب القرآن ص ۸۷ المرغب الاصفہانی )

ذریۃ اصل میں چھوٹی اولاد کو کہا جاتا ہے لیکن عرف عام میں اس کا اطلاق چھوٹی اور بڑی اولاد سب کے لئے ہوتا ہے اور اگرچہ یہ جمع پر دلالت کرنے کے لئے بنایا گیا ہے لیکن واحد اور جمع دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

مجازی طور پر اس کا اطلاق عورتوں پر بھی کیا جاتا ہے، کیوں کہ یہ ذریۃ کا محل اور کھیتی ہیں اور کبھی محل بول کر حال مجازی طور پر لیا جاتا ہے حضرت حنظلہ الکاتب فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ کے موقع پر میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھا تو آپ نے ایک عورت کو مقتول پایا آپ نے مجھے فرمایا یہ تو قتل کرنے والی نہ تھی۔ **الْحَقِّ خَالِدًا وَقُلْ لَا تَقْتُلْ ذَرِيَّةً وَلَا عَسِيفًا** خالد سے جا کر کہو کہ کسی عورت اور غلام کو قتل نہ کرے۔ آپ ﷺ نے یہاں پر ذریۃ کا اطلاق عورت پر کیا کیوں کہ مقتولہ عورت تھی۔

**فلک سے مراد کونسی کشتی ہے:**

الفلک سے مراد یا تو جنس کشتی ہوگی تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ تمہارا کشتیوں میں سوار ہونا اور تمہارے ساتھ تمہاری اولاد اور عورتوں کا سوار ہونا تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی ہے۔ کیوں کہ انسان کا سب سے بڑا بوجھ اس کی کمزور ناتواں ذریۃ، اولاد اور بیوی بچے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتے اور نہ ہی دور دراز کا سفر پیدل طے کر سکتے ہیں لہذا جہازوں میں سوار ہو کر تمہارا کسب معاش، تجارت اور دیگر امور کے لئے دور دراز کا سفر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ تم ان بحری جہازوں ہی کے ذریعے کرتے ہو لہذا تمہیں اللہ کے حضور سر بسجود ہو جانا چاہئے کہ کس طرح اس خالق و مالک نے تمہارے نئے سمندروں اور ہواؤں کو مسخر کر دیا ہے۔



اگر الفلک سے مراد کشتی نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہو جیسے اکثر مفسرین کی رائے ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے آباء واجداد کو اور ان کی صلبوں میں ان کی ذریت کو کشتی میں سوار کیا۔ اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام غیر آبی حیوانات کو اس کشتی میں سوار کیا۔ اگر ہم اس کشتی میں انھیں سوار نہ کرتے تو نہ ان کی ذریت اور نسل باقی رہتی اور نہ ہی ان کا کوئی نام و نشان باقی بچتا۔ اور ہم نے اس کشتی کے بعد بنی نوع انسان کو کشتی سازی اور جہاز سازی کا فن عطا فرمایا اب اسی فن میں ترقی کی بدولت وہ طرح طرح کی مضبوط اور سریع الحركت آبدوزیں، ٹینکر، دھانی جہاز، سٹیرز اور برقی قوت سے چلنے والے جہاز بنانے میں کامیاب ہوا ہے۔ جن کے ذریعے وہ لاکھوں ٹن تجارتی سامان دور دراز ملکوں کو برآمد کرتا ہے اور ان سے درآمد کر کے اپنی تجارت کو فروغ دے رہا ہے۔

### من مثلہ سے جدید ذرائع نقل و حمل کا ثبوت:

من مثلہ سے اگرچہ متقدمین مفسرین میں سے بعض نے اونٹ مراد لئے ہیں۔ کیوں ہ اونٹ عرب کے صحراؤں میں بھاری بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنے کا واحد ذریعہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب اونٹ کو سیفۃ البر بھی کہتے ہیں لیکن عصر حاضر میں اس کا اطلاق ہر قسم کی جدید سوار یوں پر بھی ہو سکتا ہے جیسے ٹرین، اور ہوائی جہاز وغیرہ۔ اسی طرح قیامت تک ایجاد ہونے والی ہر قسم کی سواریاں اس میں شامل ہوں گی۔ اور پھر ہوائی جہازوں کی بحری جہازوں کے ساتھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے جس طرح بحری جہاز پانی کے اندر تیرتے رہتے ہیں یونہی ہوائی جہاز ہوا میں تیرتے ہیں۔ اور بحری جہازوں کو پانی غرق نہیں کرتا تو ہوائی جہازوں کو بھی ہوا زمین پر آنے نہیں دیتی۔ اور پھر نقل و حمل کا بھی بڑا اہم ذریعہ ہے اور قرآن کا اعجاز بھی ہے کہ انتہائی مختصر الفاظ میں قیامت تک دریافت ہونی والی کوئی بھی چیز اس کی اصطلاحات سے خارج نہیں ہو سکتی۔

سمندری جہازوں سے سفر اللہ کی رحمت ہی سے ممکن ہے:

ہم نے انسان کو جہاز سازی کا فن ابوالبشر ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے توسط سے عطا کیا۔ اور انھوں نے اسی نمونہ کو سامنے رکھتے ہوئے نئے اور جدید قسم کے بحری جہاز تیار کئے اور دور دراز علاقوں تک کے سفر اور نقل و حمل کو ممکن بنایا اور کائنات میں پھیل کر تجارت کو فروغ دیا۔ انسان کو جہازوں پر سوار ہونے کی قدرت عطا کی اور جہاز، بھاپ اور سمندر انسان کے لئے مسخر کئے۔ اسے عقل سے نوازاتو اس نے ایٹمی قوت سے چلنے والے جہاز تیار کر لئے اور بامر الہی وہ ٹنوں وزن اٹھا کر مسافروں سے لدے ہوئے ایک ملک سے دوسرے ملک تک بھرتی ہوئی موجوں سے اٹکیلیاں کرتے ہوئے اور تند و تیز آندھیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے پہنچ جاتے ہیں اس میں فقط اللہ تعالیٰ کا دست قدرت ساتھ ہوتا ہے اور محض اس کا فضل و کرم ہے ورنہ طوفانی ہواؤں اور بھرتی موجوں کے سامنے ان کی حیثیت ایک تنکے یا ایک حقیر پر سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اگر کسی کوتاہ اندیش کے ذہن میں یہ خبط سوار ہو جائے کہ انھوں نے مضبوط اور کوہ پیکر جہاز بنائے ہیں اسے جدید ٹیکنالوجی سے تیار کیا گیا ہے اس میں برقی موصلاتی آلات نصب ہیں یہ غرق نہیں ہوں گے تو یہ اس کی خام خیالی ہی ہو سکتی ہے۔ اگر ہم چاہیں تو انھیں سرکش سمندروں اور طوفانی ہواؤں کے نذر کر دیں اور انھیں اپنے سواروں اور تجارتی سامان کے ساتھ اس طرح غرق کر دیں کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے اور نہ ہی کوئی ان کی مدد کر کے انھیں غرق ہونے سے بچا سکتا ہے اس جدید سائنسی دور میں بھی جب کہ جدید قسم کے جہاز، مشینیں اور مدد کے وسائل موجود ہیں جب بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے تو فوجی، لڑاکے تجارتی اور مسافر بردار جہاز اپنے سواروں سمیت سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں جن کے بنانے والوں نے یہ دعویٰ کیا ہوتا ہے کہ یہ جہاز کبھی غرق ہوں گے ہی نہیں اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہوتا ہے اور انسانی غرور خاک میں مل جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جہاز اور کشتی کی طبعی حالت ہی اسے غرق ہونے نہیں دیتی اگر فی الحقیقت ایسا ہی ہوتا تو پھر کوئی جہاز غرق ہی نہ ہوتا اور نہ کوئی کشتی ڈوبتی۔ حالانکہ عام مشاہدہ اس کے برعکس ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ منعم علیہ کو کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے مامون نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہر وقت اس کا شکر بجالانا چاہئے اور اس کی پکڑ سے لرزاں و ترساں رہنا چاہئے سابقہ امم جب بھی اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے مامون ہوئیں وہاں سے عذاب الہی میں مبتلا ہوئے جہاں کا وہم و گمان ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

دعوت نظر و فکر اور کفار کا حق سے اعراض:

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے دلائل اور آثار رحمت کے ذکر کرنے کے بعد اہل مکہ کے حق سے اعراض کرنے اور ہدایت اور قبول ایمان سے روگردانی کرنے کا ذکر فرمایا، یعنی جب اہل مکہ کو ازراہ نصیحت اپنی سابقہ زندگی کی سیاہ کاریوں، نافرمانیوں، فسق و فجور اور کفر و شرک کی طرف توجہ دلا کر انھیں ایمان لانے اور سابقہ کرتوتوں پر استغفار کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی جاتی ہے، اس کے رسول پر ایمان لا کر اس کی نازل کردہ کتاب مبین کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کا کہا جاتا ہے تاکہ وہ رحیم و کریم پروردگار انکے گناہوں کو درگزر فرما کر انھیں اخروی نعمتوں سے نوازے تو وہ اعراض کرتے ہیں اور سابقہ امتوں کے انجام بد سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی تھی جس کی پاداش میں انھیں دنیا میں عذاب میں مبتلا کر دیا گیا اور انھیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اگر تم نے بھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی تو پھر کہیں تمہیں بھی عذاب میں مبتلا نہ کر دیا جائے اور پھر آخرت کا عذاب تو اس سے بھی بڑا سخت ہے لیکن وہ اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتے اور نہ ہی درس عبرت حاصل کرتے ہیں۔

بقول سید قطب شہید "اگر دل میں کچھ توجہ ہو تو بیان کردہ آیات و دلائل تدبر و تفکر پیدا



کرنے اور احساس و شعور دلانے کے لئے کافی ہیں۔ بلکہ اگر ان میں غور کریں تو ان کے دل پر لرزہ اور ریشہ طاری ہو جائے گا۔ پھر سمجھانے اور عبرت دلانے کے لئے کتاب منزل کے علاوہ یہ کتاب کائنات بھی موجود ہے جس کا ہر صفحہ عظمت خالق پر گواہ ہے اس کی لطیف تدبیر و تقدیر پر شاہد عادل ہے مگر یہ غافل آیات کائنات سے غافل اور معرض ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کائنات پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ تفہیم و تبلیغ کے لئے رسل مبعوث فرمائے جو انھیں خبردار کرتے اور خالق و مالک کائنات کی طرف بلا تے رہے۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی غور و فکر کرتے تو خوف خدا کے لئے یہ سب کچھ کافی و کافی تھا۔ مگر افسوس کہ انھوں نے پیغمبروں کی ہدایت کو قبول نہ کیا اور ان کی پکار پر لبیک نہ کہا۔ (۵۲ فی ظلال القرآن ج ۶ ص ۲۱۲ زیر آیت مذکورہ)

علامہ ابو سعود حنفی لکھتے ہیں آیات سے مراد آیات تنزیلیہ (نازل کی جانے والی نشانیاں) ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعت گری پر گواہی دے رہی ہیں اور اس کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں یا آیات تکوینیہ جو معجزات اور ان تعجب انگیز مصنوعات کو شامل ہیں جن کے ذکر کا مقصد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اکیلا معبود ہونے پر دلالت کرنا ہے۔

والممراد بالآیات اما الایت التنزیلیة التي من جملتها الايات الناطقة ببداية صنع الله و سوابغ نعمه او الايت التكوينية الشاملة للمعجزات و غيرها من تعاجيب المصنوعات التي من جملتها ما ذكر من شئونه الشاملة بواحدانيته تعالى و تفردہ بالالوهية (۵۲ تفسیر البی سعاد ج ۳ ص ۲۵۵)

انفاق کا حکم اور کفار کا استہزاء:

اگر دولت مند طبقہ کو ازراہ نصیحت غرباء، فقراء، اور مساکین کی مدد اور انھیں کھانا کھلانے کا کہا جاتا ہے اور انھیں یہ بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے چھ مال اس کی رضا جوئی کی خاطر اس کے غریب و اچار بندوں کی چارہ جوئی کے لئے خرچ کرو۔ مخلوق الحال اور غربت کے ستائے ہوئے بھوکوں اور پیاسوں کی بھوک پیاس مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عطا کردہ

مال میں سے کچھ انکی بھلائی کے لئے صرف کرو تو ازراہ مزاح اور استعزاء مسلمان سے کہتے ہیں تم ہمیں ان ناداروں کے لئے کھانا کھلانے اور کپڑے پہنانے پر برا بیچتے کر رہے ہو اور ہم سے درخواستیں اور اپیلیں کر رہے ہو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی انھیں اس فقر اور مفلسی سے نجات عطا کرتا بلکہ وہ انھیں بھی یونہی خوشحال اور غنی بنا دیتا جیسا کہ اس نے ہمیں نعمتیں عطا کی ہیں۔ پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ہی غربت اور مفلسی کا شکار کیا ہم اسے کیوں کر غنی کریں۔ ہم اسے کیوں کر کھلائیں تمہارا ہمیں ان کی مدد پر ابھارنا عقل و خرد سے میل نہیں کھاتا۔ بلکہ تم بڑی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ مکہ میں زنادقہ کا ایک گروہ رہتا تھا جب ان سے کہا جاتا کہ تم ان فقراء اور مساکین کی مدد کرو جنہیں نان جوئی میسر نہیں ہے انھیں کھانا کھلاؤ تو وہ کہتے لا واللہ لانفعل ایفقرہ اللہ ونطعمہ نحن ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے کیا جسے اللہ تعالیٰ فقر میں مبتلا کرے اور ہم اسے کھانا کھلائیں۔ (ایسا نہیں ہو سکتا) (☆ الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۸ زیر آیت مذکورہ)

اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے اس دعویٰ کی تردید کریں کہ تمام مخلوق کا رازق اللہ جل مجدہ کی ذات ہے۔ یعنی تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا مالک ہے زمین و آسمان کی ہر ہر شے کا خالق وہی ہے اور اگر تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے تو پھر تم ہمیں فقراء کو کھانا کھلانے کا کہتے کیوں ہو؟ ان نادانوں اور احمقوں کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں تمام مخلوق کا رزق ہے وہ اگر کسی کو نوازتا ہے تو اس لئے کہ وہ دیکھے اس کا بندہ ان نعمتوں کی قدردانی بھی کرتا ہے یا کہ نہیں؟ میرے دیئے ہوئے مال کو میری رضا کے حصول کے لئے میری راہ میں خرچ بھی کرتا ہے یا کہ اس پر سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے؟ اور اگر کسی کو غربت اور مفلسی میں مبتلا کر دیتا ہے تو یہ بھی آزمائش کی خاطر ہوتا ہے کہ میرا بندہ ان مصائب اور تکالیف میں مجھے یاد بھی رکھتا ہے کہ نہیں؟ صبر کا دامن تھام کر راضی برضا رہتا ہے یا کہ جزع فزع کر کے بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے؟ اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ کسی پر دینا تنگ کر دیتا ہے بخل کی بنا پر اور اگر اس نے امیر کو فقیر پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے تو اس لئے نہیں کہ اسے مال کی ضرورت ہے بلکہ وہ ہر حال میں آزماتا ہے۔



## سرمایہ دارانہ ذہنیت کی عکاسی :

اس آیت کریمہ میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کی صحیح عکاسی کی گئی ہے ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔

اس آیت کریمہ میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کی کتنی صحیح عکاسی کی گئی ہے پہلے بھی اس کا یہی حال تھا اور آج بھی اس ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے چند لوگ اس زہریلی ذہنیت کے مالک ہوتے تھے۔ اور آج اس مادی ترقی کے دور میں ان کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے پہلے مروت و احسان کی کوئی نہ کوئی جھلک ان لوگوں میں بھی نظر آتی تھی آج یورپ کے اس مشینی دور نے احساس مروت کو بھی کچل کے رکھ دیا ہے دولت کی والہانہ محبت ان کو کس مقام پر کھڑا کر دیتی ہے وہ کتنے حجت باز اور حیلہ ساز بن جاتے ہیں جو سیدھی اور صاف بات انھیں کہی جاتی ہے اس کا کتنا الٹا جواب دیتے ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے نہ تو خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی انھیں توفیق نصیب ہوتی ہے اور نہ اپنے بھائیوں کی خستہ حالی اور تنگ دستی پر ان کا دل پیچتا ہے۔ ایسی بیمار ذہنیت کے باعث ہی دنیا میں خونی انقلاب آئے کئی شاہی خاندان خون کے تلاطم میں بہہ گئے۔ جھونپڑوں میں بسنے والوں نے تنگ آ کر محلات اور امراء کی حویلیوں کو جلا کر خاک سیاہ بنا دیا۔ اس کے باوجود دولت کی محبت کا نشہ کم نہیں ہوا وہی لوگ جو کل سرمایہ داری کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اٹھے تھے۔ اور اس بے رحم ذہنیت سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کر دیا تھا آج جب اقتدار اور دولت کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ آئیں انھیں وہ نعرہ ہی فراموش ہو گیا انھوں نے بھی اپنے پیش روں کی طرح لکشمی دیوی کی پوجا شروع کر دی اور سانپ بن کر خزانوں پر بیٹھ گئے مزدوروں، محنت کشوں اور کسانوں وغیرہ کے ساتھ انھوں نے وہی بے رحمانہ سلوک شروع کر دیا ان خونی انقلابات کی تاریخ کا جب انسان مطالعہ کرتا ہے تو اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ جب تک اللہ کا خوف اور قیامت کے محاسبہ کا یقین دل میں پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک جو روستم کو مٹانے کے لئے جو کوشش کی جائے گی اس سے جو روستم کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا مسند اقتدار پر فائز ہونے کے بعد اور ملکی خزانوں پر تصف کا مکمل اختیار رکھنے کے باوجود وہی



لوگ دنیا کی محبت سے اپنا دامن بچا سکتے ہیں جنہیں فیض نسبت سے کچھ حصہ مرحمت ہوتا ہے۔

(☆ تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۸۲ زیر آیت مذکورہ)

## انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت قرآن کی نظر میں:

(۱) الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا مناً ولا اذی  
لہم اجرہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون (البقرہ ۲۶۲)

ترجمہ: جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر جو خرچ کیا اس کے پیچھے نہ  
احسان جتلاتے ہیں اور نہ ہی تکلیف دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ہے نہ  
وہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ ہی غمگین۔

(۲) الذین ینفقون اموالہم باللیل والنہار سر او علانیۃ فلہم اجرہم عند  
ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون (البقرہ ۲۷۴)

ترجمہ: جو لوگ اپنے مال دن رات اعلانیہ اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں ان کے لئے ان  
کے رب کے ہاں اجر ہے انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

(۳) وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ واحسنوا ان اللہ  
یحب المحسنین (البقرہ ۱۹۵)

ترجمہ: اور خرچ کیا کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔  
اچھے کام کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

(۴) وما تنفقوا من شیئی فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون (الانفال: ۶۰)

ترجمہ: اور تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا اجر ملے گا اور تم پر ظلم نہیں  
کیا جائے گا۔

(۵) مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبة اंबت سبع سنابل فی کل  
سنبلۃ مائۃ حبة واللہ یضعف لمن یشاء واللہ واسع علیم (البقرہ ۲۶۱)

ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں دانہ کی طرح ہے جو سات بالیں اگاتا ہے اور ہر بال میں سودا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا اور جاننے والا ہے۔

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن میں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اس کی فضیلت کو ذکر کیا گیا ہے۔

**انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت احادیث کی روشنی میں:**

(۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ لا یتصدق احد بتمرۃ من کسب طیب الا اخذھا اللہ بيمينہ فیربھا کما یربی احد کم فلوۃ او قلوۃ حتى تكون مثل الجبل او اعظم۔

(☆ مسلم شریف کتاب الزکوٰۃ باب مقبول الصدقہ من کسب الطیب وتریتھا)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی کمائی سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے اس کو بڑھاتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کو پالتا ہے حتیٰ کہ پہاڑ سے بڑھ جاتا ہے۔

(۲) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان الصدقۃ لتطفی غضب الرب و تدفع میتۃ السوء (رواہ ترمذی)

ترجمہ: صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور میت سے عذاب کو دور کرتا ہے۔

(۳) عن ابی سعیدہ الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ایما مسلم اطعم مسلما علی جوع، اطعمہ اللہ من ثمار الجنة و ایما مسلم سقی مسلما علی ظماء، سقاہ اللہ من الریحق المختوم۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی) (۱۰۱ مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ فصل دوم)

ترجمہ: جو مسلم شخص کسی دوسرے عریاں مسلمان شخص کو کپڑے پہناتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز کپڑے پہنائے گا جو مسلمان کسی دوسرے بھوکے مسلمان کو کھانا کھلاتا ہے اللہ تعالیٰ جنت کے پھل اسے کھلائے گا جو کسی مسلمان پیاسے کو پانی پلاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوشبو والی خالص شراب پلائے گا۔

(۴) عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه يرفعه قال ثلاثة يحبهم الله! رجل قام من الليل يتلو كتاب الله و رجل يتصدق بصدقة يمينه يخفيها اراه قال من شماله و رجل كان في سرية فانهزم اصحابه فاستقبل العدو.

(رواہ الترمذی) (☆ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الزکوٰۃ باب فضل الصدقۃ فصل ثانی)

ترجمہ: تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے وہ شخص جو راتوں کو قیام کی حالت میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے دوسرا وہ شخص جو اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح پوشیدہ طور پر صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی تیسرا وہ شخص جو کسی جنگ میں شریک ہو اس کے ساتھی بھاگ جائیں اور وہ دشمن کا مقابلہ کرے۔

(۵) عن ابي هريره رضى الله تعالى عنه يبلغ به النبي ﷺ قال قال الله يا ابن ادم انفق انفق عليك و قال يمين الله ملاي و في رواية اخرى لا يغضها سحاء الليل و النهار ارايتم ما انفق مذ خلق السموات و الارض فانه لم يغض ما في يمينه قال و عرشه على الماء و بيده الاخرى القبض يرفع و يخفض

(☆ مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی النفقة و تبشیر المنفق بالخلف)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے رات و دن کے خرچ سے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد سے اللہ تعالیٰ نے کس قدر خرچ کیا (اس کے باوجود) اس کے ہاتھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں صفت قبض ہے جسے چاہتا ہے بلند



مرتبہ عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے پست کر دیتا ہے۔

(۶) عن عدی بن حاتم قال سمعت النبی ﷺ يقول من استطاع منكم ان

يستتر من النار ولو بشق تمره فليفعل (☆ مسلم کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقة ولو بشق التمر)

ترجمہ: جو شخص تم میں سے کھجور کے ایک ٹکڑے کے سبب دوزخ سے بچ سکتا ہے تو وہ ایسا کرے۔

(۷) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ اذا انفقت

المرأة من طعام بيتها غير مفسدة كان لها اجرها بما انفقت و لزوجها اجره بما

كسب و للخازن مثل ذلك لا ينقض بعضهم اجر بعض شيئا

(☆ مسلم کتاب الزکوۃ باب اجر الخازن الامین والمرأة اذا تصدقت من بيت زوجها غير مفسدة)

ترجمہ: جب کوئی عورت اپنے گھر کے طعام سے اس کو خراب کئے بغیر خرچ کرے تو اس کو خرچ

کرنے کا اجر ملے گا اور اس کے شوہر کو کمانے کا اور خازن کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا اور کسی کا اجر کم نہیں

ہوگا۔ کسی دوسرے کی وجہ سے۔

(۸) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال ما من يوم يصبح

فيه العباد الا و ملكان ينزلان يقول احدهما اللهم اعط منفقا خلفا و يقول الاخر اللهم

اعط ممسكا تلفا (☆ تفسیر خازن ص ۶۷۷ ج ۲ از آیت الشیطن یعدکم الفقر و بامرکم بالفحشاء و المنکر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر روز صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک عرض

گزار ہوتا ہے الہی خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا عرض کرتا ہے پروردگار خرچ نہ

کرنے والے کے مال کو تلف فرما۔

**بخل کے محرکات:**

وہ عوامل و محرکات جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے منع کرتے ہیں اور زیادہ

سے زیادہ مال جمع کرنے اور اسے ذخیرہ کرنے پر ابھارتے ہیں ان کا مختصر سا جائزہ لینا ضروری ہے

تاکہ یہ بات بخوبی آشکارا ہو جائے کہ وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے دیئے

ہوئے مال کو اس کی راہ میں اس کی رضا جوئی کی خاطر صرف نہیں کرتا اس کے غضب اور ناراضگی کو مول لیتا ہے، انسان کی کتنی بڑی بدبختی ہے کہ وہ مال جو اللہ کا ہے انسان کے پاس امانت ہے لیکن بایں ہمہ وہ اس مالک اصلی اور حقیقی کے حکم کے تحت اسے خرچ نہیں کرتا اور اس کی ناراضگی اور غضب کا مستحق بنتا ہے لہذا ان عوامل کو مختصر بیان کیا جاتا ہے۔

### (۱) مال کی محبت:

سب سے اہم اور پہلا سبب جو اللہ کے راستہ میں مال کے صرف کرنے سے رکاوٹ بنتا ہے وہ مال کی محبت ہے جو انسان کو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے اور اپنے پاس ذخیرہ کرنے پر مجبور کرتا ہے نہ وہ اسے اپنے اوپر خرچ کرتا ہے نہ ہی مخلوق خدا کی بھلائی اور رفاه عامہ اور معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لئے اسے صرف کرتا ہے وہ ہمیشہ اسے گنتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی موت کو بھی بھول جاتا ہے اور اپنے خالق و مالک کو بھی جس نے یہ مال اسے عطا کیا ہوتا ہے وہ یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ یہ مال اس کی اپنی جدوجہد اور اپنی محنت کا ثمر ہے کسی اور کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ یہ مال بھی اسے خدا نے ہی عطا کیا ہے وہی اس مال کا بھی مالک ہے اور اس کی اپنی ذات کا مالک و خالق بھی وہی ہے اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے الذی جمع مالا و عدده بحسب ان ماله اخلده کلا لینبذن فی الحطمة (الہمز ۳۰ تا ۳۲)

(خرابی ہے اس کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا؟ ہرگز نہیں اسے ضرور جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا کہ آج تو وہ مال جمع کر کے لوگوں پر اپنی دولت کی دھاک بٹھانا چاہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس مال کی حیثیت چند کوڑیوں کی سی بھی نہیں بلکہ یہی مال جس کی محبت میں یہ اس قدر وارفتہ ہو چکا ہے اور ہماری رضا کی خاطر خرچ کرنا گوارا نہیں کرتا یہی مال اس کے لئے عذاب کا باعث بنے گا اور یہ عذاب بہت بڑا سخت ہوگا۔ دوسرے مقام پر

عدم اتفاق فی سبیل اللہ کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب قیامت کے دن کفار کو جہنم رسید کیا جائے گا تو فرشتے ان سے عذاب کی وجہ پوچھیں گے تو وہ کہیں گے لم نک من المصلین ولم لک نطعم المسکین (مذثر) ہم نماز ادا نہیں کرتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے یعنی صدقہ و خیرات نہیں کرتے تھے۔

نیز ارشاد ربانی ہے: یا ایہا الذین امنوا انفقوا مما رزقکم من قبل ان یاتی یوم لا ینفع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعة (البقرہ ۲۵۴)

اے ایمان والو! اس مال سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس سے قبل کہ تمہارے پاس وہ دن آجائے جس دن نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ ہی (کفار کے لئے) کوئی دوستی ہوگی اور نہ ہی (ان کے لئے) شفاعت ہوگی۔

یعنی وہ مال و دولت جو اللہ رب العزت نے تمہیں عطا کیا ہے ایک متعین مدت تک تمہارے پاس ہے اور ایک محدود وقت تک تم اس سے اپنے تصرف میں لاسکتے ہو جب یہ مدت اور مہلت ختم ہو جائے گی تو پھر تم سے اختیار چھن جائے گا پھر تم خرچ کرنا چاہو گے لیکن کر نہیں سکو گے تم اسے راہ خدا میں اس کے دین کی سربلندی کے لئے اس کے بندوں کی اصلاح و فلاح اور ان کی بھلائی کے لئے خرچ کرنا چاہو گے لیکن وہ مدت ختم ہو چکی ہوگی اس وقت تم کف افسوس ملو گے لیکن بے سود لہذا وہ دن آنے سے قبل اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ اور اس مال کو راہ خدا میں اتناؤ اور سعادت دارین حاصل کرو۔

## (۲) فقر کا خوف:

دوسری چیز جو راہ خدا میں مال لٹانے اور مالی قربانی سے منع کرتی ہے اور انسان کو مقرب بارگاہ الہی بننے سے باز رکھتی ہے وہ فقر اور مفلسی کا خوف ہے کہ اگر راہ خدا میں مال صرف کیا تو پھر اپنی ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی؟ سامان تعیش کیسے حاصل کیا جائے گا؟ داد عیش کیسے دی جائے گی؟ کیا اپنا مال خرچ کر کے ہم خود مفلسی اور غربت میں مبتلا ہو جائیں اور پھر در و در کی



ٹھو کریں کھاتے پھریں؟ اسی حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان فرمایا الشیطن یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرة منه وفضلاً واللہ واسع علیم (البقرہ ۲۶۸) شیطان تمہیں تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور فحش اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسیع علم والا ہے۔

یعنی شیطان تمہارے دلوں میں طرح طرح کے دوسو سے ڈالتا ہے اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے باز رکھتا ہے وہ فقر، کفایت شعاری اور دوراندیشی وغیرہ کے حسین اور رنگین عنوانات سے انسان کو مال خرچ نہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور انسان کو بخل کرنے پر ابھارتا ہے۔ علامہ خازن لکھتے ہیں اس آیت میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ شیطان پہلے انسان کو فقر کا خوف دلاتا ہے اور اس خوف کے ذریعے پھر وہ فحش اور بے حیائی تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اور وہ بخل ہے کیوں کہ بخل تمام کے نزدیک صفت مذمومہ ہے لہذا شیطان ابتداً اس مقدمہ کے ذریعے اس صفت مذمومہ کو اس کے لئے حسین و جمیل بنا کر پیش کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الشیطن یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرة منه وفضلاً۔

(☆ تفسیر خازن ص ۶۷۲ ج ۲ از یہ آیت مذکورہ)

حقیقت یہ ہے کہ مال صرف کرنے سے گھٹتا نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اس میں اضافہ دنیا میں بھی ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اس پر اجر ملتا ہے، اسی آیت کے اگلے حصہ میں اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا واللہ یعدکم مغفرة منه وفضلاً یعنی اللہ تم سے آخرت کی مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما کر تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا اور تمہارے ان صدقات و خیرات کو گناہوں کا کفارہ بنائے گا اور فضل سے مراد دنیا میں مال کے اندر اضافہ ہے دوسری آیت مقدسہ میں ارشاد ربانی ہے۔ ویربی الصدقات (البقرہ ۲۷۱) وہ صدقات کو بڑھاتا ہے۔ یعنی ان میں کئی گنا اضافہ فرماتا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

انفقى ولا تحصى فيحصى عليك ولا توعى فيوعى عليك یعنی آپ خرچ کریں اور شمار نہ کریں کہ آپ پر شمار کیا جائے کنجوسی نہ کریں کہ آپ پر بخل اور کنجوسی کی جائے۔

مطلب یہ کہ مال کو ذخیرہ کر کے نہ رکھا جائے بلکہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہا کریں تمہارے مالوں میں برکت ڈالی جائے گی۔ اور اس کا خلف اور نعم البدل دنیا میں ہی آپ کو دیا جاتا رہے گا اگر آپ کنجوسی سے کام لیں گے تو پھر تم پر بھی کنجوسی سے کام لیا جائے گا اور تمہارا رزق تم پر تنگ کر دیا جائے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضا

عفه له اضعافا کثیرة (البقرہ ۲۴۹)

ترجمہ: کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس قرض کو کئی گنا بڑھا دے۔

اس آیت مقدمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں مال خرچ کرنے اور صدقہ و خیرات کرنے کو قرض حسنہ سے تعبیر کیا۔ اور قرض اسم لکل ما یلتبس علیہ الجزاء ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس پر جزاء کا مطالبہ کیا جاتا ہے (الجامع الاحکام القرآن ص ۸۲ ج ۲ زیر آیت من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا الخ) یہ اللہ تعالیٰ کا احسان محض ہے کہ جو مال اس نے بندوں کو دیا ہے اسی مال کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کو قرض حسنہ سے تعبیر کرتا ہے اور اس کی واپسی اور اس کا اجرا اپنے ذمہ کرم پر واجب ٹھہراتا ہے اور پھر اس لئے وہ مال کے خرچ کرنے کا مطالبہ بھی نہیں کرتا کہ اتے خود اس مال کی ضرورت ہے بلکہ اس کا مقصد بندگان خدا ہی کا بھلا ہے۔ ورنہ اس کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔

حدیث صحیح میں ہے حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا قیامت

کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن

اللہ رب العزت فرمائے گا یا ابن ادم استطعمتک فلم تطعمنی قال یارب کیف اطعمک وانت رب العلمین قال اما علمت انه استطعمک عبدی فلان فلم تطعمہ لو اطعمتہ وجدته عندی (☆ مسلم کتاب البر والصلہ والادب باب فضل عبادۃ الریض)

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا! وہ شخص کہے گا، اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا حالانکہ تو رب العلمین ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا۔

اللہ تعالیٰ صدقات و خیرات کو تو قطعاً لوٹائے گا لیکن اس کی جزاء کو اس نے مخفی رکھا ہے۔  
حدیث شریف میں ہے النفقة فی سبیل اللہ تضاعف الی سبعمائة ضعف و اکثر (☆ ترمذی فضائل الجہاد باب ما جاء فی فضل النفقة فی سبیل اللہ)  
اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا اور اس سے بھی زائد ہے۔

**بخل کی مذمت قرآن و حدیث کی روشنی میں:**

قرآن حکیم میں بخل کی مذمت اللہ تعالیٰ نے الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل اللہ فبشرهم بعذاب الیم  
یوم یحمی علیہا فی نار جہنم فتکوی جباہم و جنوبہم و ظهورہم هذا ما  
کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون (التوبہ: ۳۴، ۳۵)

اور جو لوگ سونا چاندی ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں آپ عذاب الیم کی خوشخبری سنائیں۔ جس دن (یہ سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو داغا جائے گا اور ان کے پہلوؤں اور پشتوں کو بھی (اور انھیں بنایا جائے گا) کہ یہ ہے (وہ تمہارا مال) جسے تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا اب اس کی (سزا) چکھو جو تم جمع کیا کرتے تھے۔



اس آیت مقدسہ میں ان لوگوں کے لئے وعید سنائی گئی ہے جو اپنے مالوں کو راہ خدا میں صرف نہیں کرتے۔ اور غایت حرص کی بنا پر مال کے حقوق کو ادا نہیں کرتے۔ اور جہاں شریعت مطہرہ نے مال کے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے وہاں مال کو خرچ نہیں کرتے نہ کہ مطلق مال جمع کرنے پر وہی مال مذموم ہے جس میں ضروری مصارف خیر کی گنجائش نہ رکھی گئی ہو۔ سوائے ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند اہل زہد کے باقی تمام اکابر صحابہ کرام و تابعین اور جمہور علماء اسلام کا اس میں اجماع ہے کہ مطلق مال جمع کرنا مذموم نہیں ہے۔ اور صحابہ کرام میں سے بعض صحابہ بڑے دولت مند تھے مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ علامہ نسفی لکھتے ہیں یہ صحابہ کرام مال جمع بھی کرتے تھے اور اس میں تصرف بھی کرتے تھے اور کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ لان الاعراض اختیار للاقتناء مباح لایذم صاحبہ کہ مال سے اعراض کرنا افضل کو اختیار کرنا ہے اور مال جمع کرنا مباح ہے اور جمع کرنے والے کی مذمت نہیں کی جائے گی۔

(☆ تفسیر مدارک ج ۱ ص ۴۹۵ زیر آیت مذکورہ آیت نمبر ۳۵ سورۃ نمبر ۹)

### بخل کی مذمت حدیث کی روشنی میں :-

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت ذہب و فضہ والی نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے فرمایا ہم کونسا مال رکھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں تمہیں بتاؤں گا آپ نے اونٹ پر اپنا مال رکھا اور حضور ﷺ کو آملے حضرت ثوبان فرماتے ہیں میں آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ تو عرض کی یا رسول اللہ ہم کونسا مال رکھیں، تو آپ نے فرمایا قلبا شکرا ولسانا ذاکرا و زوجة تعین احدکم علی امر الاخرة رواہ الترمذی و ابن ماجہ (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۸ سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۴) و فی روایت آخر آپ نے تین بار فرمایا تبسلا لذہب و فضتہ

آپ نے فرمایا شکر گزار دل، ذکر کرنے والی زبان، اور ایسی بیوی جو آخرت کے معاملات میں تمہاری مدد کرنے والی ہو۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا سونا اور چاندی کیلئے ہلاکت ہو۔

(۲) عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا جائت النبی ﷺ فقالت یا نبی اللہ لیس لی من شیء الا ما دخل علی الزبیر فهل علی جناح ان ارضخ مما يدخل علی فقال ارضخی ما استطعت ولا توعی فیوعی اللہ علیک۔

(☆ مسلم کتاب الزکوٰۃ۔ باب الحث علی الانفاق وکراہۃ الاحصاء)

ترجمہ: اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس تو اس مال کے سوا کچھ نہیں جو زبیر مجھے دیتے ہیں اگر میں اس مال سے خرچ کروں تو کیا مجھے گناہ ہوگا آپ نے فرمایا جس قدر دے سکو دو اور جمع نہ کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے معاملے میں جمع کرے گا۔

(۳) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ مثل البخیل والمتصدق مثل رجلین علیہما جنتان من حدید اذا ہم المتصدق بصدقة اتسعت علیہ حتی تعفی اثرہ اذا ہم البخیل بصدقة تقلصت علیہ فانضمت یداہ الی تراقیہ وانقبضت کل حلقة الی صاحبہا قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فیجہدان یوسعہما فلا یستطیع۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ۔ باب مثل المنفق والبخیل)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ان دو شخصوں کی طرح ہے جن پر لوہے کی دو زر ہیں ہوں جب صدقہ کرنے والا صدقہ کرنے کی نیت کرتا ہے تو زرہ کشادہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے نشانات مٹا دیتی ہے اور بخیل جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو زرہ اس پر تنگ ہو جاتی ہے اس کے ہاتھ اس کے گلے میں پھنس جاتے ہیں اور ہر حلقہ دوسرے میں گھس جاتا ہے راوی فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا بخیل اسے کشادہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ کشادہ نہیں ہوتی۔

(۴) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما من یوم یصبح العباد فیہ الا ملک ان ینزلان فیقول احدهما اللہم اعط منفقاً خلفاً ویقول الآخر اللہم اعط ممسکاً تلفاً .

(مشکوٰۃ المصابیح - کتاب الزکوٰۃ باب الانفاق وکراہیۃ الامساک فصل اول -)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بھی دن ایسا نہیں جس میں لوگ صبح کرتے ہیں مگر یہ کہ دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے اے پروردگار خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا عرض کرتا ہے الہی کنجوس اور خرچ نہ کرنے والے کے مال کو تلف فرما۔ (متفق علیہ)

(۵) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ السخی قریب من اللہ قریب من الجنة قریب من الناس بعید من النار والبخیل بعید من اللہ بعید من الجنة بعید من الناس قریب من النار والجاهل السخی احب الی اللہ من عابد بخیل رواہ الترمذی . (مشکوٰۃ المصابیح - کتاب الزکوٰۃ باب الانفاق وکراہیۃ الامساک فصل دوم -)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخی اللہ تعالیٰ کے قریب، جنت کے قریب، لوگوں کے قریب اور آگ سے دور ہے اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے ہاں بخیل عابد سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۶) عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ خصلتان لا تجتمعان فی مومن . البخل وسوء الخلق . رواہ الترمذی .

(مشکوٰۃ المصابیح - کتاب الزکوٰۃ باب الانفاق وکراہیۃ الامساک فصل الثانی -)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ بخل اور بد خلقی۔

(۷) عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یدخل الجنة خب ولا بخیل ولا منان . رواہ الترمذی .

(مشکوٰۃ المصابیح - کتاب الزکوٰۃ باب الانفاق وکراہیۃ الامساک فصل الثانی -)



ترجمہ: ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں دھوکے باز، بخیل اور احسان جتلانے والا والے داخل نہیں ہونگے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے آداب:

(۱) رضائے الہی کا حصول:

سب سے اہم اور بنیادی چیز انفاق کے وقت رضائے الہی کا حصول ہونا چاہئے۔ کسی دنیاوی غرض اور مقصد کے تحت خرچ نہ کیا جائے حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ”انما الاعمال بالنیات“ ترجمہ: عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

یعنی اللہ کے ہاں وہی نیکی معتبر ہوگی جس میں اس کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی مطلوب ہو۔ دکھلاوا مطلوب نہ ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”لو کان لی مثل احد ذہبا لسنی ان لایمر علی ثلاث لیل وعندی منہ شیء الا شیء ارصدہ لدین“ رواہ البخاری۔

(مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب الزکوٰۃ باب الانفاق وکراہیۃ الامساک فصل اول)

ترجمہ: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا بھی ہو تو میری خوشی اسی میں ہے کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے پہلے میں اس کو راہ خدا میں لٹا دوں سوائے اتنے مال کے جسے میں قرض کی ادائیگی کیلئے روکے رکھوں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ایک تمثیلی انداز میں اسی حقیقت کو سمجھا رہا ہے کہ صدقات و خیرات، کے وقت دکھلاوا اور لوگوں میں جو دوسخا کا چرچا مطلوب نہیں ہونا چاہئے صرف اللہ کی رضا مطلوب ہونی چاہئے۔

مثل الذین ینفقون اموالہم ابتغاء مرضات اللہ وتثیتا من انفسہم کمثل جنۃ بر بوء اصابہا وابل فانت اکلہا ضعیفین فان لم یصبہا وابل فطل واللہ بما تعملون بصیر۔ (البقرہ ۲۶۵)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو پختہ کرنے کیلئے۔ ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو اس پر زور کا مینہ برسا ہو اور وہ باغ دگنا پھل لایا ہو اگر مینہ نہ بھی برستا تو اس کیلئے شبنم ہی کافی ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پاکباز بندوں اور مخلص بندوں کے مال خرچ کرنے کو مینہ اور موسلا دھار بارش سے تعبیر کیا ہے جو کمال خلوص اور نیک نیتی سے فقط رضائے الہی کے حصول کی خاطر خرچ کرتے ہیں جن کی غرض اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتی کہ ان کا پروردگار ان سے راضی ہو جائے۔ اور ان کے لوں میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال کو صرف کرنے اور قربان کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ اور کمال خلوص اگر نہ بھی ہو تو بھی صرف مال کا اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خرچ کرنا انہیں مضرب نہیں۔

اور دکھلاوے کی مثال اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں بیان فرمائی۔ ایود احدکم ان تكون له جنة من نخيل و اعناب تجري من تحتها الانهار له فيها من كل ثمرات و اصابه الكبر وله ذرية ضعفاء و اصابها اعصار فيه نار فاحترقت كذا لك بين الله لكم الآيت لعلکم تتفکرون۔

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا انگوروں اور کھجوروں کا ایک باغ ہو اس میں اس کیلئے ہر قسم کے پھل ہوں اور اسے بڑا پے نے آلیا ہو اور اس کی چھوٹی چھوٹی اولاد ہو اور اس کے باغ کو آگ کا بگوا آ لے اور اسے جلا کر خاکستر کر دے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات کو بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ (البقرہ: ۲۶۶)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ریا کاری کرنے والوں کے اعمال کے اکارت جانے کا ذکر فرمایا ہے یعنی جو لوگ اس غرض سے صدقات و خیرات کرتے ہیں تاکہ ان کی سخاوت کا چہ چار دانگ عالم میں ہو جائے ہر ایک کی زبان پر اس کی دریا دلی کے قصیدے جاری ہوں اگر اس غرض سے کوئی خیرات کرتا ہے مال خرچ کرتا ہے تو اسے اس کا کوئی ثواب و اجر نہیں ملے

گا۔ اس کے ان اعمال کو یونہی ضائع کیا جائے گا جیسے ایک بگولہ اس باغ کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ بقول ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اگر ریاکاری کے بگولے سے تم نے ان کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا تو قیامت کے دن تمہاری حسرت، ندامت اور دل سوزی کا کیا عالم ہوگا اگر تم اس اندوھناک صورت حال سے دوچار نہیں ہونا چاہتے تو اپنے اعمال کو ریا اور دکھلاوے سے بچاؤ۔ (تفسیر ضیاء القرآن۔ ج ۲۔ ص ۱۸۸۔ زیر آیت سورہ بقرہ ۲۶۶)

## (۲) خلوص نیت:

راہ حق میں مال خرچ کرنے کیلئے خلوص نیت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ جب نیت خالص ہوگی اور صرف مال سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہوگی پھر چاہے وہ مال سرا خرچ کرے یا اعلانیہ طور پر ہر دو حال میں مقبول ہوگا۔ یہ نہیں کہ وہ ریا کاری سے بچتے ہوئے ایک مظلوم، نادار اور جان بلب آدمی کی مدد اور اعانت اس لئے نہ کرے کہ لوگ دیکھ رہے ہیں۔ اور وہ کہیں ریا کاری اور دکھلاوے پر محمول نہ کریں۔ بلکہ نیکی اور خیرات، احسانات اور اعمال صالحہ جب خلوص نیت سے ہوں تو پھر اعلانیہ یا پوشیدہ ہر دو میں سے کوئی بھی مضرت نہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ جل مجدہ کا حکم ہے۔

ان تبدوا الصدقات فنعماہی وان تخفوہا وتؤتوها الفقراء فهو  
خیر لکم (البقرہ۔ ۲۷۱)

ترجمہ: اگر تم خیرات ظاہری طور پر کرو تو یہ بہت اچھا ہے اور اگر تم انہیں پوشیدہ رکھو اور فقراء کو دو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ”الذین ینفقون اموالہم باللیل والنہار سرا  
وعلانیۃ فلہم اجرہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون (البقرہ۔ ۲۷۳)  
ترجمہ: جو لوگ اپنے اموال کو دن رات اعلانیہ اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان  
کے رب کے پاس ہے۔ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ حزن۔



علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک نفلی صدقات کو خفیہ اور پوشیدہ طور پر دینا اور واجبات کو جہراً اور اعلانیہ طور پر دینا افضل ہے۔ کیونکہ نفلی صدقات اور عبادت میں ریا کا خوف ہے جبکہ واجبات میں اس کا کوئی خوف نہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ نفلی صدقات کو خفیہ دینا اعلانیہ صدقہ سے سترگنا فضیلت کا حامل ہے اور صدقہ فرضیہ اعلانیہ دینا خفیہ دینے سے پچیس گنا افضل ہے۔ اسی طرح تمام فرائض و نوافل۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے یہ اس پر محمول ہوگا کہ انہوں نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے سنی ہوگی۔ (الجامع الاحکام القرآن۔ ج ۲، ص ۲۵۲ زیر آیت (بقرہ ۲۷۱))

مسلم شریف کی حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ

الا المکتوبۃ (مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ باب استحباب الصلوٰۃ النافلۃ فی بیتہ وجوازہا فی المسجد۔)

اس حدیث مبارکہ میں نفلی نماز کو گھر کے اندر پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے وجہ صرف یہ ہے کہ گھر کے اندر پڑھنے میں ریاکاری کو دخل نہیں ہے جبکہ مسجد میں اس کا احتمال ہے۔ اور چونکہ فرائض میں اس چیز کا احتمال نہیں پایا جاتا لہذا اس کو اعلانیہ ہی افضل ٹھرایا گیا تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے صدقة السر تطفی غضب الرب

(جامع ترمذی۔ کتاب الزکوٰۃ باب ما جاء فی فضل الصدقة)

ترجمہ: خفیہ طور پر دیا جانے والا صدقہ اور خیرات اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے لا یتسم المعروف الا بثلاث خصال تعجیلہ و تصغیرہ و سترہ فاذا اعجلتہ ہنأتہ و اذا اصغرتہ عظمتہ و اذا سترہ اتممتہ۔

ترجمہ: نیکی تین خصلتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتی نیکی کرنے میں جلدی کرے اسے حقیر سمجھے اور اسے پوشیدہ رکھے جب تم نے نیکی کرنے میں جلدی کی تو اسے خوشگوار بنایا جب اسے حقیر سمجھا تو اس کی قدر کو بڑھایا اور جب اسے پوشیدہ رکھا تو اسے مکمل کر دیا۔

(تفسیر ضیاء القرآن۔ ج ۱، ص ۱۹۰، زیر آیت بقرہ ۲۷۱)

### (۳) پسندیدہ مال کا خرچ کرنا:

اللہ تعالیٰ جو ستودہ صفات کمالیہ ہے اس کے حضور جب کوئی صدقہ و خیرات کیا جائے تو پسندیدہ اور محبوب اشیاء کا نذرانہ پیش کیا جائے جو عمدہ بھی ہوں اور حلال بھی اور انہیں حلال اور جائز طریقے سے حاصل بھی کیا گیا ہو۔ ناقص، گھٹیا اور ناکارہ، حرام اور ناجائز ذرائع سے کمایا ہوا مال اللہ کی جناب میں مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات غنی ہے اسے مال کی ضرورت نہیں ہے اس نے مال خرچ کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ اس لئے دیا تاکہ بندہ مومن کے نفس کی اصلاح ہو اور مال کی محبت اور بخل کی آلودگی سے اس کا قلب پاک صاف ہو جائے اور وہ اللہ جل مجدہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو جائے اور اس کے اندر جذبہ قربانی پروان چڑھ سکے۔

اور دوسرا مقصد بندگان خدا کی بھلائی اور انکی ضروریات کی تکمیل کرنا ہے۔ اور تیسرا مقصد اللہ جل مجدہ کی رضا کا حصول۔ اور یہ تینوں مقصد صرف اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب انسان اپنے ہاتھ کی پاکیزہ کمائی میں سے عمدہ اور پسندیدہ مال خرچ کرے تب ہی جا کر اللہ تعالیٰ کے انعامات و اکرامات کی بارش اور اس کی رضا جوئی حاصل ہو سکتی ہے اور نفس مومن حرص و لالچ اور بخل کی نجاست و غلاضت سے نجات پاسکتا ہے اور اسی صورت میں راہ خدا میں جان و مال اور اولاد کی قربانی کا جذبہ پروان چڑھ سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ جل مجدہ کا فرمان عالیشان ہے۔  
یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید۔ (البقرہ ۲۶۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزوں کو خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے نکالا اس میں سے۔ اور اپنی کمائی میں سے ردی چیزوں کا ارادہ نہ کرو۔ حالانکہ تم (وہ ردی چیز) چشم پوشی کے بغیر نہیں لو گے، اور جان لو بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے

اور تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا لن تنال البر حتی تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا

من شیء فان الله به علیم (العمران ۹۲)

ترجمہ: تم ہرگز کمال نیکی (کارتبہ) نہیں پاسکتے جب تک کہ تم اپنی کمائی میں سے پسندیدہ چیزیں خرچ نہ کرو اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض

کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن تنال البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ اور میرا

محبوب ترین مال (بیرحاء) ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کیلئے صدقہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں

اسکے اجر اور اس کے ذخیرہ ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ اے اللہ کے رسول، جہاں اللہ تعالیٰ آپ کی

رہنمائی فرمائے وہاں اس کو رکھ دیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخ بخ ذاک مال رابع

وقد سمعت وانا اری ان تجعلها فی الاقربین فقال ابو طلحة افعل یا رسول الله

فقسمها ابو طلحة فی اقاربه وبنی عمه۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا واہ، واہ، یہ ایک نفع بخش مال ہے میں نے اس بات کو سن لیا

اور میری رائے ہے کہ تم یہ باغ اپنے اعزاء کو دو۔ ابو طلحہ نے عرض کی یا رسول میں ایسا ہی کروں

گا۔ چنانچہ ابو طلحہ نے اپنے اعزاء اور چچا زاد بھائیوں میں اسے تقسیم کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر - ج ۱،

ص ۳۸۱۔ زیر آیت آل عمران ۹۲۔ تفسیر فی ظلال القرآن - ج ۲، ص ۲۱۱، ۲۱۰۔ زیر آیت آل عمران

۹۲۔ بحوالہ مسند امام احمد۔)

صحیحین میں ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی

یا رسول اللہ ﷺ لم اصب ما لا قط هو انفس عندی من سهمی الذی هو بخیر

فما تأمرنی به؟ قال احبس الاصل وسبل الثمرة۔



خیبر میں میرے حصے سے بڑھ کر زیادہ قیمتی اور نفیس مال مجھے کبھی نہیں ملا مجھے آپ اس سلسلے میں کیا حکم دیتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اصل کو روک دو اور پیداوار کو راہ خدا میں صرف کر دو۔ (تفسیر ابن کثیر۔ ج ۱، ص ۳۸۱۔ زیر آیت آل عمران ۹۲۔ تفسیر فی ظلال القرآن۔ ج ۲، ص ۲۲۱۔ زیر آیت آل عمران ۹۲)

اس قسم کی کئی ایک مثالیں کتب احادیث و تفاسیر میں مذکور ہیں کہ صحابہ کرام نے اللہ جل مجدہ کی پکار پر لبیک کہا اور اپنے مالوں کو اس کی بارگاہ میں لٹا کر نفس کو مال کی غلامی اور شخ نفس سے اپنے آپ کو آزاد کروا کر نیکی و تقویٰ کے بلند درجات پر فائز ہوئے۔

### (۴) انفاق کے بعد احسان جتلانے اور دل آزاری کی ممانعت:

انفاق فی سبیل اللہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ صدقات و خیرات اور فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے پر منعم علیہ اور منفق علیہ پر احسان نہ جتلانے اور اس پر طعن و تشیع کے تیروں کی بوچھاڑ کر کے اس کے دل کو شکستہ نہ کرے کیونکہ ایک تو حوادث زمانہ اور فقر و محتاجی نے اسے شکستہ خاطر کر کے کسی کے صدقات و خیرات کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا ہے دوسرا اگر احسان کرنے والا خیرات کر کے اس پر احسان جتلانے گا تو اس کے شکستہ دل کو مزید ٹھیس پہنچے گی۔ بلکہ معطلی کیلئے ضروری ہے کہ وہ بجائے احسان جتلانے اور اسے حقیر و گھٹیا سمجھنے کے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے کہ خدائے بزرگ و برتر کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اسے یہ توفیق بخشی کہ وہ اپنے مال سے دوسروں پر خرچ کر کے ان کی ضرورتوں کو پورا کر رہا ہے اور اسے مال و دولت عطا کیا ہے اور کسی کا محتاج نہیں بنایا۔ اور پھر یہ کہ اس نے میرا صدقہ قبول کر کے بھی مجھ پر احسان کیا۔ بندگان خدا کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ اگر کسی کو کچھ عطا کرتے ہیں تو اس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے اور اس کی خوشنودی ہی ان کا مقصد ہوتی ہے وہ احسانات نہیں جتلایا کرتے بلکہ وہ یہ صد بلند کرتے ہیں انما نطعمکم لوجه اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا۔ (الدھر ۹)

ترجمہ: (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کھلاتے ہیں ہم نہ تو تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں نہ شکریہ کے۔

لیکن بعض کم ظرف لوگ اگر چند کوڑیاں بھی راہ خدا میں کسی کو عطا کریں تو اس پر احسانات جتاتے ہیں اور انہیں ستاتے ہیں ان پر آوازیں کتے ہیں اور طرح طرح سے عار دلاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں فرمادیا کہ مومنین کچھ عطا کر کے احسان نہیں جتلایا کرتے۔ اور جو شخص احسان جتلاتا ہے اس کے صدقات و خیرات اللہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت نہیں پاتا۔ بلکہ وہ سارے کے سارے اعمال اکارت جاتے ہیں۔

الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی

لہم اجرہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون (البقرہ-۲۶۲)

ترجمہ: وہ لوگ جو اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس خرچ کئے ہوئے پر احسان نہیں جتلاتے اور نہ ہی دکھ دیتے ہیں ان کیلئے ان کے رب کے ہاں اجر ہے ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہونگے۔

اور پھر ایک مثال کے ذریعے بنی نوع انسان کو سمجھایا کہ جو شخص خرچ کرنے کے بعد احسان جتلاتا ہے اور ریاکاری سے کام لیتا ہے تو اسکی مثال اس چٹیل پتھر کی طرح ہے جس پر مٹی ہو جب اس پر بارش برستی ہے تو وہ مٹی بہہ جاتی ہے اور نیچے سے صاف و شفاف پتھر نکل آتا ہے۔ اسی طرح منافق اور ریاکار شخص جو خرچ کرنے پر احسانات جتلاتا ہے قیامت کے روز اسکے نامہ اعمال یونہی صاف ہو جائیں گے جس طرح بارش سے وہ پتھر ہوا۔ لہذا خرچ کرنے پر احسان نہیں جتلاتا چاہئے کیونکہ احسان جتلانے سے اعمال بالکل ضائع ہو جاتے ہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی کا لذی ینفق مالہ ریاۃ الناس ولا یومن باللہ فمثله کمثل صفوان علیہ تراب فاصابہ وابل فترکہ صلدا لا یقدرون علی شیء مما کسبوا واللہ لا یہدی القوم الکافرین۔ (البقرہ-۲۶۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر ضائع مت کرو۔ اور دکھ پہنچا کر اس آدمی کی طرح جو لوگوں کے دکھلاوے کیلئے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو پھر اس پر زور کی بارش برے اور اسے صاف چھیل چھوڑ دے۔ (ریاکار) اپنی کمائی میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکیں گے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حضور بنی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: یا کم والامتنان بالمعروف فانہ يبطل الشکر ویمحق الاجر ثم تلا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی۔ یعنی آپ نے فرمایا تم نیکی پر احسان جتلانے سے بچو کیونکہ یہ شکر کو باطل کرتا ہے اور اجر کو مٹا دیتا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ولا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی (تفسیر قرطبی۔ ج ۲، ص ۲۳۶۔ سورہ بقرہ ۲۶۳)

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ثلاثۃ لا یکلمهم اللہ یوم القيامة ولا ینظر الیہم ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم قال فقراہا رسول اللہ ﷺ ثلاث مرار قال ابو ذر خابوا وخسروا من ہم یا رسول اللہ؟ قال المسبل والمنان والمنفق سلعته بالحلف الکاذب۔

(مسلم شریف۔ کتاب الایمان باب بیان غلط تحریم اسبال الازار ولن بالعطیۃ الخ)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے نہ تو کلام فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پاک صاف کرے گا اور ان کیلئے عذاب الیم ہوگا تو آپ ﷺ نے یہ آیت تین بار تلاوت فرمائی ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ وہ لوگ خائب و خاسر ہوئے وہ کون ہیں آپ نے فرمایا۔ چادر لٹکانے والا (تکبر کی بناء پر)، احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔

نسائی کی روایت ہے عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ثلاثۃ لا ینظر اللہ الیہم یوم القيامة العاق لوالدیہ والمرأة المترجلة تشبه بالرجل و



الديوث وثلاثة لا يدخلون الجنة العاق لوالديه والمدمن الخمر والمنان بما اعطى (نسائی شریف۔ حدیث نمبر ۲۳۰۲۔ تفسیر ابن کثیر۔ ج ۱، ص ۳۱۸ سورہ بقرہ ۲۶۲)

ترجمہ: تین آدمیوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ والدین کا نافرمان، وہ عورت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے اور دیوث اور تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہونگے۔ والدین کا نافرمان، شرابی اور احسان جتلانے والا۔

### (۵) میانہ روی اختیار کرنا:

اور اپنی حوائج اصلیہ سے زائد مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے جو انسان کی طبیعت پر بوجھ نہ ہو اور خود بعد میں درد کی ٹھوکریں کھانے اور کاسہ گدائی لئے پھرنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یسئلونک ما ذا ینفقون قل العفو (بقرہ: ۲۱۹) علامہ نسفی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں ای انفقوا ما فضل عن قدر الحاجة۔ (تفسیر مدارک للنفسی۔ ج ۱، ص ۱۲۱)

یعنی قدر حاجت و ضرورت سے زائد کو خرچ کرو۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں فاللمعنی انفقوا ما فضل عن حوائجکم ولم تؤذوا فیہ انفسکم فتکونوا عالة هذا اولی ما قبل فی تاویل الایة وهو معنی قول الحسن وقتادة وعطاء والسدي والقرطبي محمد بن کعب وابن ابی لیلیٰ وغيرهم قالوا العفو ما فضل عن العیال وقال مجاهد وابن عباس صدقة عن ظهر غنی۔ (تفسیر الجامع الاحکام القرآن للقرطبی۔ ج ۲، ص ۴۸ زیر آیت (بقرہ ۱۲۹))

آیت کا معنی یہ ہے کہ جو مال تمہاری حوائج و حاجات سے بچ جائے اور اس کے خرچ کرنے میں تمہارے اپنے نفسوں کو کوئی ایذا نہ پہنچ رہی ہو تو ان مالوں کو خرچ کرو اور تم خود محتاج نہ بن جاؤ۔ یہ معنی اس تاویل سے زیادہ بہتر ہے جو اس آیت کی دیگر تاویلات کی گئی ہیں۔ یہی حسن، قتادہ، عدی، سدی، قرظی، محمد بن حسن بن کعب، ابن ابی لیلیٰ وغیرہم کے اقوال کا معنی ہے۔ انہوں نے کہا ہے عفو عیال سے بچ جانے والے مال کو کہا جاتا ہے۔ ابن عباس اور مجاہد نے کہا ہے کہ عفو سے مراد ایسا صدقہ ہے جس کے بعد بھی انسان خوشحال اور غنی رہے۔

اس معنی کی تائید یہ حدیث بھی کر رہی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا انفقہ علی نفسك اسے اپنی ذلت پر خرچ کرو اس نے عرض کی یا رسول اللہ میرے پاس دوسرا دینار بھی ہے آپ نے فرمایا انفقہ علی اهلك اسے اپنے اہل پر خرچ کرو اس نے عرض کی میرے پاس اور بھی ہے آپ نے فرمایا انفقہ علی ولدك اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو اس نے عرض کی میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا فانت ابصر تو بصیرت والا ہے جہاں چاہے خرچ کرے۔

(تفسیر ابن کثیر۔ ج ۱، ص ۲۵۶ (بقرہ ۲۱۹) مسلم شریف کتاب)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ابدا بنفسک فتصدق علیہا فان فضل شیء فلا ھلک فان فضل شیء عن اھلک فلذی قرابتک فان فضل عن ذی قرابتک شیء فھکذا وھکذا۔ (تفسیر ابن کثیر۔ ج ۱، ص ۲۵۶ (بقرہ ۲۱۹) مسلم شریف کتاب الزکوٰۃ باب الابداء فی النفقۃ بالنفس ثم الخ)

ترجمہ: پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو پھر اگر کچھ بچے تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو پھر اگر بچے تو قرابت داروں پر خرچ کرو اور اگر قرابت داروں سے کچھ بچ جائے تو پھر اسے ادھر ادھر خرچ کرو۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل الصدقة او خیر الصدقة عن ظهر غنی والید العلیٰ خیر من ید السفلی وابدأ بمن تعول (مسلم شریف کتاب الزکوٰۃ باب ان الید العلیٰ خیر من ید السفلی وابدأ بمن تعول)

ترجمہ: افضل ترین صدقہ وہ ہے جس میں صدقہ کرنے کے بعد بھی آدمی غنی رہے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور جو آپ کے زیر کفالت ہیں ان سے (صدقہ کی) ابتدا کرو۔ وہ حدیث جس میں آپ ﷺ نے فرمایا لو کان لی مثلی احد ذہبا لسنی ان لا یمر علی ثلاث لیل و عندی منه شیء الا شیء ارصدہ لدین۔

(بخاری شریف۔ کتاب)

ترجمہ: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو بھی یہ بات مجھے خوش کرتی کہ تین راتیں گزرنے سے قبل میرے پاس اس میں سوائے اتنے مال کے باقی کچھ نہ بچتا جتنا کہ میں قرض کی ادائیگی کیلئے بچا رکھتا۔

اور وہ حدیث جس میں آپ نے فرمایا اے اسماء انفقی ولا تحصی فیحصی علیک۔ ان احادیث سے سوشلزم پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں الحکم یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال فمن کان بعد ما یتصدق کل مالہ یتکفیف الناس ولا یتستطیع الصبر علی الفقر لا یجوز لہ ذالک ومن یقدر علی الصبر و لیس علیہ حق من حقوق الناس بالافضل فی حقہ البذل فی سبیل اللہ و حقوق الناس من الديون ونفقة العیال والخدام مقدم علی التصدق علی الاجنبی لا محالة فان ذالک فريضة وهذا نافلة۔

ترجمہ: یعنی حکم اشخاص و احوال کے بدلنے سے بدلتا ہے جو شخص اپنا سارا مال خرچ کرنے کے بعد فقر پر صبر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اس کیلئے سارا مال خرچ کرنا جائز نہیں۔ اور جو صبر کر سکتا ہے اور اس پر حقوق الناس میں سے بھی کوئی حق نہیں ہے اس کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ خرچ کرے۔ حقوق العباد میں سے قرض، اہل و عیال کا نفقہ، خادم کا نفقہ وغیرہ ہے اور یہ اجنبی شخص پر صدقہ و خیرات کرنے پر مقدم ہے کیونکہ یہ فرض ہے اور اجنبی پر خرچ کرنا یہ نفل ہے اور فرض نفل پر مقدم ہوا کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری۔ زیر آیت سورہ بقرہ ۲۱۹، ص ۶۷۷، ج ۱)۔

وہ لوگ جو زکوٰۃ کی ادائیگی کر کے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اب ہم اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں ہمارے اوپر اب کسی کا کوئی حق نہیں ہے کوئی بھوکوں مرتا ہے مرے، کسی کو نان جویں میسر نہیں ہے تو نہ ہو۔ اور اگر کوئی بستر مرک پر دوائی کے بغیر تڑپ تڑپ کر مرتا ہے تو مرتا رہے ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ انہیں ان احادیث مبارکہ اور قرآنی آیات پر غور و فکر کرنا چاہئے کہ قرآن حکیم کا فرمان ہے کہ عفو (ضرورت سے زائد) خرچ کرو۔ اور احادیث مبارکہ میں ہے کہ وہ شخص مومن ہی نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر سوتا ہے اور اس کا پڑوسی بھوکا پیا سارات بسر کرتا



ہے۔ ان آیات و احادیث میں ان کیلئے درس عبرت ہے۔ اور ان لوگوں کیلئے بھی جو اپنے لئے کچھ چھوڑتے ہی نہیں بلکہ سب کچھ خرچ کرنے کو کمال نیکی سمجھتے ہیں اور پھر کاسہء گدائی لیکر در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں ان کا بھی ان احادیث میں ردِ بلیغ ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اور اسی چیز کا حکم دیتا ہے جو فطرت سے ہم آہنگ ہے اور بشری طاقت و قدرت کے تحت ہے اسلام نہ تو سوشلزم کی تائید کرتا ہے اور نہ ہی مغربی سرمایہ دارانہ نظام کا حامی ہے اسلام دولت کی گردش کا قائل ہے اور تمام کی ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔

سائل سے نرمی کا رویہ اختیار کرنا:

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے سائلین کو جھڑکنا، انہیں برا بھلا کہنا اور ان پر طعن و تشیع کے تیروں کی بوچھاڑ کر کے ان کے شکستہ دلوں کو مزید چھلنی کر کے ان کی جھولی میں خیرات کی چند کوڑیاں ڈال دینا اللہ جل مجدہ کے نزدیک قابل قبول اور لائق ستائش نہیں ہو سکتا۔ ایسی خیرات اللہ جل مجدہ کے نزدیک مقبول ہو سکتی ہے نہ ہی وہ اس پر کچھ اجر عطا فرماتا ہے بلکہ ایسی خیرات بجائے ثواب حاصل کرنے کے الٹا گناہ اور عذاب کا باعث ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ جل مجدہ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ سے مخاطب ہو کر امت مسلمہ کو تعلیم ارشاد فرمائی اور فرمایا **وَمَا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَرِ (الضحیٰ ۹)** (سائل کو مت جھڑکو) یعنی اس کو یا تو کچھ عطا کر دیا پھر اسے اچھے طریقہ سے واپس کرو ای فابذل قليلا و رد جميلا۔ (تفسیر مدارک للنفسی۔ ص ۸۱۵، ج ۲، الضحیٰ ۹)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا **قُولْ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا**

**اذَىٰ . (بقرہ ۲۶۳)**

ترجمہ: مغفرت اور اچھی بات بہتر ہے اس صدقہ سے جس کے بعد تکلیف اور ایذا رسانی ہو۔  
یعنی اگر کوئی تند مزاج سائل مدد نہ ملنے کی بناء پر تمہارے ساتھ درشتی اور بدتہذیبی سے پیش آئے تو اس وقت بھی تم صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے نہ پاؤ۔ اس کی تلخ کلامی کو ٹالنا بھی

بذات خود ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ اور پھر اس ماحول اور صورت حال میں نہ صرف یہ کہ اسے معاف کرنا اسکی درشتگی کا جواب درشتگی کے بجائے خندہ پیشانی سے دینا اور اسکے سامنے معذرت کرنا بہت بڑا کمال ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی شخص قابل جزاء ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے مالوں کی ضرورت نہیں وہ تو غنی ہے لہذا وہ کسی آدمی کے دل کو توڑنا پسند نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ وہ تمہارے بار بار کے گناہوں کو معاف کئے جا رہا ہے لہذا وہ تمہارے ہاتھوں کسی بندہ مومن کے دل کو ٹوٹتے ہوئے دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی ﷺ لا تحتقرن من المعروف شیئا ولو ان تلقی اخاک بوجه طلق۔

(مسلم۔ کتاب البر والصلة باب استجاب الشفاعة فیما لیس بحرام۔)

ترجمہ: ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے بھائی کو خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ ابن کثیر ابن ابی حاتم کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ عمرو بن دینار نے فرمایا ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ما من صدقة احب الی اللہ من قول معروف۔

(تفسیر ابن کثیر۔ ص ۳۱۸، ج ۲ (بقرہ ۲۶۳))

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں قول معروف سے بڑھ کر کوئی دوسری نیکی نہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے الكلمة الطيبة صدقة وان من المعروف ان

تلقى اخاک بوجه طلق (الجامع لاحکام القرآن القرطبی۔ ج ۲، ص ۲۳۴ (بقرہ ۲۶۳))

کفار کا قیامت کا استہزاء اور اس کا جواب:

کفار کو جب ایمان لانے، تقویٰ اختیار کرنے، اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا جاتا۔ بصورت دیگر انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب، اور قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا جاتا تو وہ ازراہ تمسخر یہ کہہ دیتے کہ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ قیامت بپا ہوگی ہر شخص کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا

ان کے اچھے اور برے اعمال کے مطابق انھیں جزا و سزا دی جائے گی نیکو کاروں کو جنت اور بد اعمالوں کو جہنم رسید کیا جائے گا پہلے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور اگر فی الحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو پھر ہمیں قیام قیامت کی کوئی مقررہ تاریخ بتادو کہ وہ کسی سال و ماہ میں وقوع پذیر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان بد بختوں کا رد فرماتے ہوئے اور ان کے اس خیال فاسد کا ابطال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا قیامت ضرور بپا ہوگی اس شان بان، بے خبری اور لاعلمی میں ہوگی کہ وہم و گمان تک میں نہ ہوگا اور نہ ہی انھیں سنبھلنے کا کوئی موقع ملے گا۔ لیکن وقوع قیامت سے پہلے کچھ نشانیاں ضرور ظاہر ہوں گی جو قرب قیامت پر دلالت کریں گی۔ سب سے پہلے ہم ان نشانیوں کا اجمالی تعارف پیش کریں گے واللہ المستعان و بہ التوفیق یلیق۔

### قرب قیامت کی نشانیاں:

قرب قیامت میں چند ایسی نشانیاں وقوع پذیر ہوں گی جو قیامت کے قرب پر دلالت کریں گی اور بہت بڑے بڑے فتنے رونما ہوں گے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ انھیں فتنوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة (الانفال: ۲۵)

ترجمہ: اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے (جو اگر بپا ہو گیا) تو نہ پہنچے گا صرف انھیں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

احادیث میں علامات قیامت میں سے باندیوں کے ہاں مالکوں کی ولالت کا ہونا، اونچے اونچے مکانات کی تعمیر، جہالت کا عام ہونا، زنا کاری، شراب نوشی کی کثرت، مردوں کی کمی عورتوں کی کثرت، امانتوں کا ضیاع، جنگوں اور فتنوں کا زیادہ ہونا، امام مہدی کا خروج، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، دجال کا خروج، یاجوج و ماجوج، دابۃ الارض کا ظہور، اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔ اس کے علاوہ آگ کا لوگوں کو محشر کی طرف ہانکنا اور زمین کا تین بار دھنسنا۔ مشرق سے مغرب سے اور جزیرۃ العرب سے اس کے علاوہ دیگر کئی ایک



علامات ہیں سب سے آخر میں پھر آگ نکلے گی اور پھر نچی اولیٰ ہوگا اور ہر ذی روح چیز مر جائے گی پھر دوبارہ نچے ہوگا اور دوبارہ جی انھیں گے اور حشر پیا ہوگی حساب و کتاب کے بعد جنتی بہشت میں اور دوزخی جہنم رسید ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے حضرت حذیفہ بن اسید غفاری فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے آپ نے فرمایا تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) ہم قیامت کے متعلق باتیں کر رہے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک کہ دس نشانیاں وقوع پذیر نہ ہوں اور تم انھیں دیکھ نہ لو۔ دھواں، دجال، دابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج و ماجوج اور تین جگہ سے زمین کے دھسنے کا ذکر فرمایا مشرق سے، مغرب سے اور جزیرۃ العرب سے زمین کا دھسنا اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح المسلم کتاب الفتن باب اقتراب الفتن وفتح روم یا جوج و ماجوج)

اب ہم ان علامات میں سے بعض کا اجمالی تعارف پیش کریں گے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام:

آثار صغریٰ کے ظہور کے بعد نصاریٰ کا غلبہ ہوگا کچھ مدت بعد خالد بن یزید بن سفیان اموی کی اولاد سے ایک شخص سفیان نام کا جانب دمشق سے ظاہر ہوگا جس کا انھیال قبیلہ قلب ہوگا وہ اہل بیت کو بری طرح قتل کرے گا شام و مصر کے اطراف میں اس کا حکم جاری ہوگا اسی اثناء میں شاہ روم کی عیسائیوں کے ایک گروہ سے جنگ اور ایک سے صلح ہوگی۔ لڑنے والا فرقہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرے گا۔ شاہ روم ملک شام میں آئے گا اور دوسرے فرقہ کی مدد سے ایک خونریز لڑائی کے بعد فتح پالے گا۔ دشمن کی شکست کے بعد ایک شخص بول اٹھے گا یہ فتح صلیب کی برکت سے ہوئی ہے جب کہ اسلامی لشکر میں سے ایک آدمی اسے مار پیٹ کرے گا اور کہے گا کہ یہ اسلام کی برکت سے ہوا ہے۔ دونوں شخص اپنی اپنی قوموں کو آواز دیں گے اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس میں بادشاہ اسلام شہید ہو جائے گا اور دونوں عیسائی فریق باہم صلح کر لیں گے اور شام میں عیسائی راج قائم ہو

جائے گا۔ بقیہ مسلمان مدینہ منورہ چلے جائیں گے اور عیسائیوں کی حکومت مدینہ کے قریب خیبر تک پہنچ جائے گی۔ اس وقت لوگوں کو امام مہدی کی تلاش ہوگی۔

امام مہدی مدینہ سے مکہ تشریف لائیں گے۔ اہل مکہ کی ایک جماعت ہجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان آپ سے بیعت کرے گی، حالانکہ آپ اس منصب پر راضی نہیں ہوں گے۔ آپ کا اسم گرامی محمد باپ کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ آپ حضرت فاطمہ الزہری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ہوں گے آپ کی عمر اس وقت چالیس سال ہوگی۔ ان حالات میں ماوراء النہر سے ایک شخص حارث نامی اہل اسلام کی مدد کے لئے ایک لشکر بھیجے گا جس کا مقدمہ منصور کی زیر کمان ہوگا۔ یہ لشکر راستہ میں ہی بہت سے عیسائیوں اور بد دینوں کا صفایا کرے گا۔

سفیان اپنے لشکر کو مسلمانوں کے لشکر سے مقابلہ کے لئے بھیجے گا جو شکست کھائے گا۔ بعد ازاں خود سفیان لشکر کی کمان سنبھال کر امام مہدی کے مقابلہ میں اترے گا مقام بیداء میں مکہ و مدینہ کے درمیان زمین میں لشکر سمیت دھنس جائے گا صرف ایک شخص امام مہدی کو اس کی خبر پہنچانے کے لئے باقی بچے گا امام مہدی کی اس کرامت کی خبر دور دراز تک پہنچ جائے گی۔ شام و عراق کے ابدال و اوتار آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اور لوگ جوق در جوق آپ کے لشکر میں شامل ہوں گے۔

افواج اسلام کی خبر سن کر نصاریٰ بھی روم سے لشکر جرار لے کر شام میں جمع ہوں گے لشکر کفار میں اسی جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار سوار۔ امام مہدی بغرض زیارت مکہ سے مدینہ جائیں گے وہاں سے ملک شام پہنچیں گے حلب یا دمشق میں لشکر کفار سے مقابلہ ہوگا امام کے لشکر کا تہائی حصہ بھاگ جائے گا دوسرا تہائی شہادت پائے گا جب کہ تیسرا حصہ فتح پائے گا۔

دوسرے روز امام مؤصوف نصاریٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلیں گے مسلمانوں کی ایک جماعت یہ عہد کرے گی کہ فتح پائے یا شہادت کے بغیر واپس نہیں لوٹیں گے سب کے سب شہید ہوں گے اگلے دن پھر مسلمانوں کی ایک جماعت یہی عہد کرے گی کہ یا تو شہید ہوں گے یا فتح حاصل کریں گے وہ قتال کریں گے حتیٰ کہ سارے شہید ہو جائیں گے تیسرے روز یہی واقعہ رات



گئے تک ہوگا حتیٰ کہ سارے شہید ہو جائیں گے اور کسی فریق کو بھی فتح حاصل نہیں ہوگی چوتھے دن پھر مسلمانوں کا ایک گروہ یہی عہد کر کے میدان جنگ میں اترے گا اللہ تعالیٰ انہیں فتح عطا فرمائے گا وہ اس طرح قتال کریں گے کہ اس کی مثل پہلے نہ دیکھی گئی ہوگی۔ یہاں تک کہ ایک پرندہ اگر ان کے پہلوؤں سے گزرتا چاہے گا تو انہیں عبور نہ کر سکے گا اور مر کر گر جائے گا جو خاندان والوں میں سے ایک فیصدی آدمی باقی بچے ہوں گے۔ اس وقت وہ کوئی غنیمت پر خوش ہوں گے یا کوئی میراث تقسیم ہوگی۔ (☆ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب الملاحم فصل اول)

پھر امام موصوف ایک زبردست لڑائی کے بعد قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے ظلم و ستم کا خاتمہ کریں گے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اس امت کو پہنچنے والی بلاؤں کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ کوئی بھی شخص ظلم سے کوئی پناہ گاہ نہیں پائے گا اس وقت اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے میری عترت میں سے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم و تعدی سے بھر گئی تھی اس سے زمین و آسمان کے باشندے خوش ہوں گے۔

(☆ مصنف عبدالرزاق ص ۳۷۲ ج ۱۱ کتاب الفتن باب المہدی)

مسلمان فتح قسطنطنیہ کے بعد بہت سا مال غنیمت سونا اور چاندی پائیں گے لیکن ابھی اسے تقسیم نہ کیا ہوگا کہ آواز آئے گی کہ دجال تمہارے گھروں میں پہنچ چکا ہے ان کے ہاتھوں میں جو کچھ ہوگا وہ اسے وہیں پھینک دیں گے اس وقت انہیں مال غنیمت کے حصول سے کوئی خوشی نہ ہوگی۔ وہ اپنا ہر اول دست بس یا بارہ افراد کی شکل میں بھیجیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں ان کے نام، ان کے قبائل اور ان کے گھوڑوں کے رنگوں کو بھی جانتا ہوں پس وہ اس وقت زمین میں بہترین شہسوار ہوں گے“ (☆ صحیح المسلم کتاب الفتن باب اول)

حضور ﷺ نے فرمایا ہے ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے ارض مقدس کی گھائی ”رفیق نامی“ پر اتریں گے اور ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوں گے آپ کے سر کے بال چمک رہے ہوں گے آپ کے ہاتھ میں ایک نیزہ ہوگا جس کے ساتھ دجال کو قتل کریں گے پس



آپ بیت المقدس آئیں گے اس وقت لوگ عصر کی نماز پڑھ رہے ہوں گے اور امام مہدی امامت کر رہا ہوگا امام پیچھے ہٹے گا مگر عیسیٰ علیہ السلام اسے آگے بڑھائیں گے اور اس کے پیچھے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق نماز پڑھیں گے پھر دجال کو قتل کریں گے۔

(☆ سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم و خروج یاجوج و ماجوج)

صلیب توڑ ڈالیں گے کیسینوں اور گرجوں کو مسمار کریں گے عیسائیوں کو قتل کریں گے مگر وہ جو آپ پر ایمان لائیں گے۔

## (۲) خروج دجال:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِي النَّاسِ فَاتْنَىٰ عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَالَ فَقَالَ إِنِّي لَا أَنْذِرُكُمْ وَهُوَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ وَلَكِنِّي سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْ بَنِي لِقَوْمِهِ أَنَّهُ أَعُورٌ وَإِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِأَعُورٍ (☆ صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۸ کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی پھر دجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں۔ اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے لیکن میں تمہیں اس کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی وہ یہ کہ وہ کانا ہے اور اللہ تعالیٰ کانا نہیں۔

دوسری حدیث میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے دجال کے بارے میں فرمایا اِن مَعَهُ مَاءٌ وَ نَارٌ فَنَارُهُ مَاءٌ بَارِدٌ وَ مَاءُهُ نَارٌ فَلَا تَهْلِكُوا قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ وَ اَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ دجال کے ساتھ آگ اور پانی ہوگا اس کی آگ ٹھنڈا پانی ہوگی اور اس کا پانی آگ سو تم خود کو ہلاک نہ کرنا حضرت ابو مسعود فرماتے ہیں میں نے بھی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن و اشراطہ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ کسی نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دجال کے بارے میں سوال نہیں کیا۔ آپ نے مجھے فرمایا ما یصیبک منه انه لا یضرک قال قلت یا رسول اللہ انہم یقولون ان معہ الطعام والانیہار قال ہو اہون علی اللہ من ذالک (صحیح المسلم کتاب الفتن واللہ السامع الخیر الباری کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

تم کیوں اس کے متعلق اتنے فکر مند ہو وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ طعام (کھانا) اور دریا ہوں گے آپ نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

سب سے پہلے وہ ایمان و اسلام کی دعوت دے گا پھر نبوت کا دعویٰ کرے گا پھر الوہیت کا دعویٰ کرے گا جیسا کہ طبرانی نے روایت کیا ہے سلیمان بن شہاب روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں عبد اللہ بن معتمر میرے ہاں آئے وہ صحابی رسول تھے، اور مجھے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث بیان کی کہ آپ نے فرمایا الدجال لیس فیہ خفاء یجئی من قبل المشرق فیدعو الی الدین فیتبع و یظہر، فلا یزال حتی یقدم الکوفۃ فیظہر الدین و یعمل بہ فیتبع و یحث علی ذالک ثم یدعی انہ نبی فیفرع من ذالک کل ذی لب و ینفارقہ فیمکث بعد ذالک فیقول انا اللہ فتغشی عینہ و تقطع اذنہ و ینکتب بین عینہ کافر فلا ینحفی علی کل مسلم فیفارقہ کل احد من الخلق فی قلبہ مثقال حبة من خردل من ایمان

ترجمہ: دجال میں کوئی خفا نہیں ہے وہ مشرق کی جانب سے نکلے گا دین کی تبلیغ کرے گا اس کی اتباع کی جائے گی اور اسے غلبہ حاصل ہوگا۔ وہ اسی طرح تبلیغ کرتا ہوا کوفہ پہنچے گا اس کی پیروی کی جائے گی اور وہ لوگوں کو برا بیگنہ کرے گا پھر نبوت کا دعوے کرے گا تب عقل مند اس سے خبردار ہو کر اس سے الگ ہو جائیں گے کچھ عرصہ اسی دعویٰ پر برقرار رہے گا پھر دعویٰ الوہیت کرے گا پھر اس کی آنکھ ڈھانپ دی جائے گی کان کاٹ دیا جائے گا اور دونوں آنکھوں کے درمیان لکھ دیا

جائے گا کافروہ کسی مسلمان سے مخفی نہیں رہ سکے گا مخلوق میں جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو گا وہ اس سے جدا ہو جائے گا۔ (☆ فتح الباری کتاب الفتن باب خروج الدجال ص ۱۱۴ ج ۱۳)

اس کے ہاتھ پر بہت سی خوارق عادت کا غیظ کا ظہور ہو گا ان میں سے بعض درج ذیل ہیں امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (۱) وہ بڑی تیز رفتاری سے زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں پہنچ جائے گا۔ (۲) آسمان کو حکم دے گا تو وہ پانی برساتے گا۔ زمین کو حکم دے گا تو وہ سبزہ اگائے گا۔ (۳) جو اس کی دعوت مسترد کریں گے وہ قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ (۴) بنجر زمین سے گزرے گا اور اسے اپنے خزانے اگلنے کا حکم دے گا تو وہ اپنے سارے خزانے اگل دے گی۔ (۵) ایک کڑیل جوان کو بلا کر تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کرے گا پھر اس کو بلائے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستے ہوئے چہرہ کے ساتھ آئے گا۔ (۶) آگ اور پانی کے دریا اس کے ساتھ ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ

جس شخص کو دجال قتل کر کے دوبارہ زندہ کرے گا اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے جبکہ کئی ایک دیگر علماء کے نزدیک وہ اہل مدینہ میں سے ایک نیک و پارسا شخص ہو گا جیسا کہ حدیث مذکور میں گزر چکا۔

### حیاتِ خضر:

کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟ علماء کے اس میں دو گروہ ہیں بعض انکی حیات کے قائل ہیں جبکہ بعض قائل نہیں ہیں۔ حیات کے قائلین آثارِ صحابہ و تابعین اور صلحاء امت کے مشاہدات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے آب حیات پی لینے کی روایت بھی ملتی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج۔۔۔۔۔ ص۔۔۔۔۔)

حضرت عبدالعزیز رحمۃ اللہ سے ملاقات کی روایت کو ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے ”تہذیب التہذیب“ کے اندر نقل کیا ہے۔ دیگر کئی صلحاء امت سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے۔



ان کی عدم حیات کے قائلین دلائل عقلیہ کی بنا پر انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی حیات کو تسلیم کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شرف صحابیت حاصل کر لیتے اور اسلام کو قبول کر کے حضور ﷺ کی معیت میں میدان کارزار میں شامل جہاد ہوتے اسی طرح دیگر مشکل اوقات میں آپ کی معیت اختیار کرتے وغیرہ۔ جبکہ ایسا کہیں بھی منقول نہیں، حالانکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر موسیٰ بن عمران بھی میرے زمانہ کو پاتے تو میری اتباع کے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نہ ہوتا وغیرہ دلائل سے حجت پکڑتے ہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ پہلے موقف کے قائل ہیں جبکہ علامہ ابن تیمیہ وغیرہ دوسرے موقف کی تائید کرتے ہیں۔ میرا ذاتی موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو ”کل نفس ذائقۃ الموت“ کے اصول کے تحت ظاہری زندگی سے دار آخرت کی طرف منتقل کیا ہے۔ لیکن آپ کی روح کو یہ قدرت بخشی ہے کہ تمثیل بشری میں آکر بندگان خدا کی رہبری کریں ان کے دشمنوں کو ہلاک کریں اور انکی مدد و نصرت کریں اور انہیں فیض پہنچائیں۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے روح المعانی۔ (شفیق)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھوں باب لد پر اس کا کام تمام کریں گے۔ اور روئے زمین کو اس فتنے سے بچائیں گے۔

دجال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا:

دجال کے خروج کے بعد وہ بڑی سرعت اور برق رفتاری کے ساتھ مشرق سے مغرب تک لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر دے گا۔ لیکن مدینہ و مکہ اور بیت المقدس کے شرف کی بنا پر ان تین مقامات میں داخل ہونے سے اسے روک دیا جائے گا۔ ابوسعید خدری سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں دجال کے متعلق ایک لمبی حدیث بیان کی۔ آپ نے فرمایا یاتسی الدجال وهو محرم علیہ ان یدخل نقاب المدینہ فینزل بعض السباخ التی تلی المدینہ فیخرج الیہ یومئذ رجل من خیر الناس او من خیار الناس فیقول اشهد انک الدجل الذی حدثنا رسول اللہ ﷺ حدیثہ فیقول الدجال: ارا یتہ

ان قتلت هذا ثم احيتہ هل تشكون فی الامر؟ فيقولون لا فيقتله ثم يحييه فيقول! واللہ ما كنت فيک اشد بصيرة منی اليوم، فيريد الدجال ان يقتله فلا يسلط عليه (☆ صحیح البخاری کتاب الفتن باب لا یدخل الدجال المدینہ)

دجال آئے گا اس پر مدینہ کی گھاٹیوں میں داخلہ حرام ہوگا پس وہ مدینہ کے ساتھ ملحقہ ویران و بنجر زمین میں اترے گا اسی دن مدینہ سے لوگوں میں سب سے بہتر آدمی آئے گا اور کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے متعلق حضور ﷺ نے ہمیں بتایا ہے۔ دجال کہے گا اگر میں اس (آدمی) کو قتل کر کے اسے دوبارہ زندہ کروں کیا تم پھر بھی شک کرو گے تو وہ کہیں گے نہیں پس وہ اسے قتل کرے گا دوبارہ زندہ کرے گا پس وہ کہے گا خدا کی قسم میں آج سے پہلے تیرے بارے میں اتنی زیادہ بصیرت نہیں رکھتا تھا۔ پس دجال اسے قتل کرنا چاہے گا تو نہیں کر سکے گا۔

امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے اس کے لئے چالیس دنوں میں زمین کو لپیٹ دیا جائے گا۔ اے اماکن طیبہ کے اس کی اصل مسلم شریف کی حدیث نو اس بن السوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ وہ زمین پر کتنا عرصہ قیام کرے گا تو آپ نے فرمایا چالیس دن ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا ایک دن ایک ماہ کے برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر باقی ایام عام دنوں کی طرح۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ وہ زمین پر کس قدر تیز چلے گا آپ نے فرمایا اس بارش کی طرح جس کو پیچھے سے ہوا دھکیل رہی ہو۔ (☆ صحیح المسلم کتاب الفتن)

طبرانی کی روایت ہے کہ دجال زمین پر چالیس دن رہے گا اور ہر گھاٹی میں اترے گا سوائے کعبہ، مدینہ اور بیت المقدس جب کہ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ اس کی سلطنت ہر جگہ پہنچے گی سوائے چار جگہوں کے مسجد کعبہ، مسجد الرسول، مسجد اقصیٰ اور کوہ طور۔

(☆ فتح الباری کتاب الفتن باب لا الدجال المدینہ)

## دجال کی ہلاکت:

دجال کے ہاتھوں امور خارق للعادة ظہور پذیر ہو رہے ہوں گے اور ساری دنیا سوائے مکہ و مدینہ۔ اس کے ظہور کے بعد جب وہ بیت المقدس کا قصد کرے گا تو اسی دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید مینار کے پاس دوزر درنگ کے حلقے پہنے دو فرشتوں کے جلو میں اتریں گے جب آپ اپنا سر جھکائیں گے تو پسینہ کے قطرے گریں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے گریں گے آپ کی سانس جس کا فریاد پہنچے گی اس کا زندہ رہنا ممکن نہ ہوگا اور ان کی سانس منتہائے نظر تک پہنچے گی۔ دجال کو تلاش کریں گے حتیٰ کہ باب لد پر اس کو موجود پا کر قتل کر دیں گے۔

(صحیح المسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

## (۳) نزول عیسیٰ علیہ السلام:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اشراط قیام قیامت میں سے ہے قرآن حکیم میں اللہ جل مجدہ کا فرمان ہے وانه لعلم الساعة فلا تمترون بها واتبعون هذا صراط مستقیم (زحرف: ۶۱)

ترجمہ: اور بے شک وہ (عیسیٰ علیہ السلام) ایک نشانی ہیں قیامت کے لئے پس آپ ہرگز اس کے وقوع میں شک نہ کریں اور میری پیروی کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

ابن عباس، مجاہد، ضحاک، سدی اور قتادہ نے کہا کہ اس سے مراد خروج عیسیٰ علیہ السلام ہے اور آپ قیامت کی علامات میں سے ہیں کیوں کہ آپ کو قیام قیامت سے تھوڑا پہلے آسمان سے زمین پر اللہ تعالیٰ نازل فرمائے گا جس طرح خروج دجال اور خروج دابۃ الارض علامات قیامت ہیں۔ (تفسیر الجامع الاحکام القرآن سورۃ زحرف آیت نمبر ۶۱ ج ۸ ص ۷۷ ج ۱۶)

علامہ نسفی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں ان عیسیٰ مما یعلم به مجیبی الساعة یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیام قیامت کی علامات میں سے ہیں۔ یعنی آپ کا نازل ہونا قیامت کی نشانی ہے۔

(تفسیر المذاکر ص ۵۲۹ ج ۳ سورۃ زحرف آیت ۶۱)



اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته و يوم القيامة يكون عليهم شهيدا (نساء: ۱۵۹)  
ترجمہ:- کوئی کتاب ایسا نہیں جو اس کی موت سے قبل اس پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا کہ نزول عیسیٰ کے وقت تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے یہی قول قتادہ، ابن زید کا ہے اور یہی مجاہد سے بھی مروی ہے۔ (☆ تفسیر الجامع لاحکام القرآن سورۃ نساء آیت ۱۵۹ جزء)

علامہ نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے اس وقت کے تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات شریعت محمد ﷺ کے مطابق حکم کریں گے اور اسی دین کے ائمہ میں سے ایک امام کی حیثیت میں ہوں گے اور نصاریٰ نے ان کی نسبت میں جو گمان باندھے ہیں ان کا ابطال فرمائیں گے دین محمدی کی اشاعت کریں گے اس وقت یہود و نصاریٰ کو اسلام قبول کرنا ہوگا یا قتل کر ڈالے جائیں گے جزیہ کے قبول کرنے کا حکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کرنے کے وقت تک ہے۔

(☆ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۱۲۷ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہے اور خدا کی قسم وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی جناب میں زندہ ہیں لیکن جب وہ نازل ہوں گے تو اس وقت سب لوگ ایمان لے آئیں گے۔

(☆ تفسیر ابن کثیر سورۃ نساء آیت ۱۵۹ ص ۵۷۷)

اس آیت کے ضمن میں دیگر اقوال ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن جریر لکھتے ہیں پہلا قول ہی زیادہ معتبر ہے اور صحت کے زیادہ قریب ہے اور وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے

بعد کوئی بھی کتابی ایسا نہیں ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے گا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن جریر نے جو کچھ لکھا اس میں کسی بھی قسم کا کوئی شک نہیں ہے یہی صحیح ہے کیوں کہ سیاق آیت سے مقصود یہود کے اس دعویٰ کا ابطال کرنا ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور انھیں سولی چڑھایا ہے اور اس بات کو تسلیم کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ معاملہ ایسا نہیں ہے الیٰ ان قال اور وہ قرب قیامت میں دوبارہ نزول فرمائیں گے جس پر احادیث متواترہ دلالت کرتی ہیں پس آپ مسیح ضلالت (دجال) کو قتل کریں گے صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اہل ادیان میں سے کسی سے جزیہ قبول نہیں کریں گے بلکہ اسلام کے علاوہ کسی دوسری چیز کو قبول نہیں کریں گے یا انھیں قتل کر دیں گے۔

(☆ تفسیر ابن کثیر ج ۱ سورۃ نساء آیت ۱۵۹ ص ۵۷۷)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا واللہ لینزلن ابن مریم حکما عادلا فلیکسرن الصلیب ویقتلن الخنزیر ویضعن الجزیة ولترکن القلاص فلا یسعی علیہا و الشحناء والتباغض والتحاسط ولیدعون الی المال فلا یقبلہ احد (☆ صحیح المسلم کتاب الایمان باب (۷۱) رقم ۲۴۳ باب نزول عیسیٰ بن مریم حکما بشریۃ محمد) بخاری شریف کتاب المظالم باب کسر الصلیب و قتل الخنزیر ابن ماجہ، کتاب الفتن باب فتنہ الدجال و خروج یمینی بن سوانح

قسم بخدا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول ہوگا جو عدل و انصاف سے حکم جاری کریں گے صلیب توڑ ڈالیں گے خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اونٹوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے گا ان سے کوئی شخص کام نہیں لے گا لوگوں کے دلوں سے کینہ، بغض اور حسد نکل جائے گا انھیں مال لینے کے لئے بلایا جائے گا اور کوئی مال لینے نہیں آئے گا۔

دوسری روایت میں ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور تمہارا ایک فرد ہو کر امامت فرمائیں گے ابن ابی ذئب نے اس کی تشریح میں فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام

تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت کے مطابق امامت فرمائیں گے۔

(☆ صحیح المسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم حاکما بشریعۃ محمد ﷺ)

ابن ماجہ کی روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ينزل عيسى بن مريم عليه السلام من السماء على ثنية من الارض المقدسة  
يقال لها اقيق بين الممضرتين و شعر راسه ذهين و بيده حربة يقتل بها الدجال  
فياتى بيت المقدس والناس فى صلاة العصر والامام يؤم بهم فيتاخر الامام  
فيقدمه عيسى و يصلى خلفه على شريعة محمد ﷺ ثم يقتل الخنازير و يكسر  
الصليب و يخرب البيع والكنائس و يقتل النصارى الامن امن به۔

(☆ ابن ماجہ کتاب الفتن باب فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ ابن مریم و خروج یا جوج و ماجوج)

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے ارض مقدسہ کی اقیق نامی گھائی پر اتریں گے اور  
ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوں گے۔ آپ کے سر کے بال چمک رہے ہوں گے آپ کے  
ہاتھ میں ایک نیزہ ہوگا جس کے ساتھ دجال کو قتل کریں گے پس آپ بیت المقدس آئیں گے اس  
وقت لوگ عصر کی نماز پڑھ رہے ہوں گے اور امام امامت کر رہا ہوگا۔ پس امام پیچھے ہٹے گا عیسیٰ علیہ  
السلام اسے آگے بڑھائیں گے اور اس کے پیچھے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے  
مطابق نماز پڑھیں گے۔ پھر آپ خنزیر کو قتل کر دیں گے صلیب توڑ ڈالیں گے کنیسوں اور گرجوں کو  
مسمار کریں گے عیسائیوں کو قتل کریں گے مگر وہ جو آپ پر ایمان لائیں گے۔

یہ تمام احادیث اس بات پر نص ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ کے دین کے  
ایک مجدد کی حیثیت سے آئیں گے نہ کہ نئی شریعت لے کر۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک دنیا میں حکومت کریں گے۔ اور عدل و  
انصاف سے احکام شریعت کو نافذ کریں گے۔ بالآخر آپ حج اور عمرہ ادا فرمائیں گے اور آپ کی  
موت مکہ مدینہ کے درمیان ہوگی آپ کو اٹھا کر مدینہ منورہ لایا جائے گا اور روضہ انور میں حضرت عمر  
فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن کیا جائے گا۔



امام ترمذی نے عبد اللہ بن سلام سے روایت کیا ہے کہ تورات میں صفت محمد یہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم آپ کے ساتھ دفن کئے جائیں گے۔ ابو داؤد نے کہا کہ حجرۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اندر ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

(ترمذی رقم الحدیث ۳۶۳۷، مشکوٰۃ کتاب الفضائل فصل ثانی رقم الحدیث ۵۷۷۲)

کتب احادیث میں مسیح علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے اور قیامت سے پہلے ان کے وصال کا ذکر ہے وہ معنوی اعتبار سے حد تو اتر کو پہنچی ہوئی ہیں لیکن ان احادیث میں حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ان کی والدہ کا نام اور ان کے القاب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مقام نزول، کارہائے نمایاں غرض مدفن تک کا ذکر فرما دیا اور ان کا حلیہ بھی ذکر فرما دیا تاکہ ہر کس و ناکس اپنے آپ کو کہیں مسیح موعود نہ شمار کرنے لگ جائے۔ آپ نے واضح اور مبرہن انداز میں ان کے نزول وغیرہ کی خبر دی جس کے اندر کسی بھی قسم کا کوئی خفا موجود نہیں ہے۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی جس نے اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے کے لئے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کے لئے پورا زور لگایا پھر جا کر اپنے لئے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اگر آپ ملاحظہ فرمائیں تو اس کا نام تک عیسیٰ نہیں اور نہ ہی اس کی والدہ کا نام مریم۔ دیگر اوصاف کا تو کہنا ہی کیا۔ جہاں تک عیسیٰ علیہ السلام کے کارناموں کا تعلق ہے کہ وہ صلیب توڑیں گے، گرجوں کو مسمار کریں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اسلام کے علاوہ کسی دوسری چیز کو قبول نہیں کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ بچارہ غلام احمد قادیانی تو انگریزوں اور عیسائیوں کے ٹکڑوں پر پلتا رہا اور ان کی چھتری کے نیچے اپنے مکروہ نظام کی تکمیل میں مصروف رہا اور انگریزوں کی اطاعت کو مسلمانوں پر لازم قرار دیتا رہا اور ان کی حکومت کو اللہ تعالیٰ کا انعام۔ جہاد کی فرضیت پر خط تنسیخ پھیرتے ہوئے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ لگا دیا۔ فی اللعجب اس کے باوجود جو شخص اسے مسیح موعود مانتا ہے ہم اس کے لئے افسوس ہی کر سکتے ہیں اور خداوند قدوس سے اس کی ہدایت کی درخواست کرتے ہیں۔

## (۴) خروج یا جوج و ما جوج:

یا جوج و ما جوج کی تحقیق کرتے ہوئے غلامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری رقمطراز ہیں یا جوج، جو بنی آدم میں سے ہیں پھر وہ یافث بن نوح کی اولاد ہیں وہب وغیرہ کا اسی پر وثوق ہے ضحاک نے کہا کہ یہ ترک ہیں ایک قول یہ ہے کہ یا جوج ترک سے ہیں اور ما جوج دہلیم سے ہیں ان کے مادہ اشتقاق میں بھی اختلاف ہے۔

نسائی نے عمرو بن اوس عن ابیہ سے یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ یا جوج و ما جوج میں سے ہر شخص موت کے وقت ایک ہزار یا اس سے زائد اولاد چھوڑ کر مرتا ہے عبد اللہ بن عمرو سے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ جن و انس کے دس اجزاء میں سے نو اجزاء یا جوج و ما جوج ہیں اور ایک جزء باقی سب لوگ اور شریح بن عبید عن کعب سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کی تین اقسام ہیں ایک گروہ درخت ارز کی طرح بہت لمبے ہیں دوسری قسم چار ہاتھ لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہے اور تیسرا گروہ بہت ہی چھوٹے قد کا ہے۔ امام حاکم نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ یا جوج و ما جوج ایک بالشت کے ہوتے ہیں دو بالشت اور تین بالشت کے ہوتے ہیں یہ ان کا سب سے لمبا قد ہے حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ یا جوج و ما جوج کے بائیس قبیلے ہیں ذوالقرنین نے اکیس قبیلوں پر صد آہنی قائم کی تھی ایک قبیلہ کہیں لڑنے کے لئے باہر گیا ہوا تھا وہ صد آہنی سے باہر ہی رہ گیا اور وہ ترک ہیں امام مردویہ نے سدی سے روایت کیا ہے کہ ترک یا جوج و ما جوج کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں جو لوٹ مار کے لئے گئے ہوئے تھے ذوالقرنین نے دیوار قائم کی اور وہ باہر ہی رہ گئے۔

## قرآن حکیم میں یا جوج و ما جوج کا بیان:

سورۃ کھف میں ذوالقرنین کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

حتى اذا بلغ بين السدين وجد من دونهما قوما لا يكادون يفقهون قولا

قالوا يا ذا القرنين ان يا جوج و ما جوج مفسدون في الارض فهل نجعل لك

حرجا علی ان تجعل بیننا و بینهم سدا قال ما مکنی فیہ ربی خیر فاعینونی بقوة  
اجعل بینکم و بینهم ردما اتونی زبر الحديد حتی اذا ساوی بین الصدفین قال  
انفخوا حتی اذا جعلہ نارا قال اتونی افرغ علیہ قطرا فما استطاعوا ان یمظہروہ  
وما استطاعوا لہ نقبا قال ہذا رحمة من ربی فاذا جاء وعد ربی جعلہ دكاء و کان  
وعد ربی حقا (الکھف ۹۳/۹۸)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب آپ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے ان سے ادھر کچھ ایسے لوگ پائے کہ  
وہ کوئی بات سمجھ نہ پا رہے تھے۔ انھوں نے کہا اے ذوالقرنین یا جوج و ماجوج زمین میں فساد  
پھیلاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ مال مقرر کر دیں اس پر کہ آپ ہمارے درمیان اور ان کے  
درمیان ایک دیوار بنادیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے جس چیز پر میرے رب نے قادر بنایا ہے وہ  
بہتر ہے تم طاقت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ بنادوں گا  
میرے پاس لوہے کے تختے لاؤ یہاں تک کہ جب وہ دیوار دونوں پہاڑوں کے کناروں سے برابر کر  
دی تو فرمایا پھونک مارو یہاں تک کہ اسے جب آگ کر دیا تو فرمایا لاؤ میں اس پر اگلا ہوا تانبہ انڈیل  
دوں وہ اس پر نہ چڑھ سکیں گے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکیں گے۔ فرمایا یہ میرے رب کی رحمت  
ہے پھر جب میرے رب کا وعدہ پورا ہوگا اسے پاش پاش کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔

(الکھف ۹۳ تا ۹۸)

علامہ ابن کثیر نے مسند امام احمد کے حوالے سے سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا  
ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے سام جو عربوں کے باپ ہیں،  
حام حبشیوں کے اور یافث ترکوں کے باپ ہیں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یا جوج و ماجوج  
یافث جو ترکوں کا باپ ہے کی اولاد میں سے ہیں انھیں ترک اس وجہ سے کہا جانے لگا کیوں کہ  
انھیں دیوار کے پیچھے چھوڑ دیا گیا ورنہ یہ ان کے قریبی رشتہ دار ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ سورۃ الکھف آیت نمبر ۹۶ ص ۱۰۷)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا جوج و ماجوج ہر



روز اس دیوار کو توڑتے ہیں یہاں تک کہ جب کھل جانے کے قریب ہو جاتی ہے تو ان کا سردار کہتا ہے واپس چلو کل اس کو توڑیں گے اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے زیادہ سخت بنا دیتا ہے یہاں تک کہ جب اللہ کی مدت پوری ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں پر بھیجنا چاہے گا تو ان کا سردار کہے گا واپس لوٹ چلو انشاء اللہ کل تم اسے توڑ دو گے یہ بات وہ استثناء کے ساتھ کہے گا پس وہ دوسرے دن آئیں گے تو اسے ایسا ہی پائیں گے جس طرح چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ وہ اسے توڑ ڈالیں گے۔ اور باہر لوگوں پر نکل آئیں گے سارا پانی پی لیں گے لوگ ان سے قلعوں میں پناہ لیں گے وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور وہ (تیر) خون آلود واپس آئیں گے وہ کہیں گے کہ ہم زمین والوں پر بھی غالب آ گئے اور آسمان والوں پر بھی، اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں (گدیوں) ایک کیڑا پیدا کرے گا تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے زمین کے جانور ان کا گوشت کھا کر خوب موٹے ہوں گے خوش ہوں گے اور شکر گزار ہوں گے۔ (☆ ابن ماجہ کتاب الفتن باب فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم و یاجوج و ماجوج ترمذی کتاب التفسیر سورۃ کھف)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی نیند سے بیدار ہوئے تو آپ یہ فرما رہے تھے لا الہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج و ماجوج مثل هذه و عقد سفیان بیدہ عشرة قلت یا رسول اللہ انہلک و فینا الصالحون قال نعم اذا کثر الخبث .

(☆ صحیح المسلم کتاب الفتن باب اقتراب الفتن و فتح روم یاجوج و ماجوج)

لا الہ الا اللہ عرب اس شر کی وجہ سے ہلاک ہو گئے جواب قریب آ پہنچا ہے آج یاجوج و ماجوج کی دیوار اتنی کھل گئی ہے کہ سفیان نے اپنے ہاتھ سے دس کا عدد باندھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے؟ حالانکہ ہم میں صالحین موجود ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! جب خبیثوں کی کثرت ہوگی۔

امام مسلم نے حضرت نواس بن سمعان کی حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

نزول کے بعد اور آپ کے ہاتھوں دجال کے قتل کے ذکر کے بعد ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا پھر آپ کے پاس وہ قوم آئے گی جنہیں اللہ تعالیٰ نے دجال سے بچایا ہوگا آپ ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت میں ان کے درجات بیان فرما رہے ہوں گے وہ اسی حالت میں ہوں گے جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائے گا کہ میں نے کچھ بندوں کو نکالا ہے کسی میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے میرے بندوں کو کوہ طور کی طرف لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو مبعوث فرمائے گا۔ ان کے پہلے لوگ بحیرہ طبریہ سے گزریں گے اور اس کا سارا پانی پی لیں گے اور ان کے آخری لوگ جب گزریں گے تو وہ کہیں گے کبھی یہاں بھی پانی ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ نبی اللہ اور آپ کے ساتھی محصور ہوں گے یہاں تک کہ ایک بیل کی سری ان میں سے کسی ایک کے لئے ایک سو دینار سے بھی زیادہ بہتر ہوگی۔ حضرت عیسیٰ نبی اللہ اور آپ کے اصحاب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے (دعا کریں گے) اللہ تعالیٰ ان کی (یاجوج و ماجوج) گدیوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا اور وہ سب مر کر ڈھیر ہوں گے، پھر عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب زمین کی طرف اتریں گے وہاں ایک باشت بھر جگہ بھی نہیں پائیں گے مگر یہ کہ اسے ان کی بدبو نے بھرا ہوا ہوگا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں گے۔ اللہ تعالیٰ پرندوں کو بھیجے گا جو بخت نسل کے اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گے جو انھیں اٹھائیں گے اور وہاں پھینکیں گے جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جس سے نہ تو کچھڑ بنے گا اور نہ ہی وہ کسی چیز (گندگی) کو باقی چھوڑے گی۔ پس وہ زمین کو دھو ڈالے گی یہاں تک کوئی بھی گھر خواہ مٹی کا بنا ہو یا خیمہ ہو آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ تو اپنے پھل اگا۔ اور اپنی برکت کو واپس لوٹا۔ اس دن لوگ انا رکھا کر اس کے سائے میں سایہ حاصل کریں گے۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے جب اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہوا بھیجے گا وہ انھیں بغلوں کے نیچے سے لے لے گی اور ہر مومن مسلم کی روح کو قبض کرے گی۔ پس لوگوں میں سے اشرار گدھوں کی طرح مست باقی بچیں گے۔ پس ان پر قیامت پڑے گی۔

(صحیح المسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال حدیث نمبر ۷۲۲۷)



حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ خمر کے پہاڑ کے پاس پہنچیں گے یہ بیت المقدس کا پہاڑ ہے وہ کہیں گے ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا اب آسمان والوں کو قتل کر دیں پھر وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کر کے موٹائے گا ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے ایسے بندوں کو نازل کیا ہے جن سے لڑنے کی طاقت کوئی نہیں رکھتا۔ (☆ صحیح المسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال حدیث نمبر ۷۲۳۳)

(۵) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هل ينظرون الا ان تاتيهم الملائكة اوياتي ربك اوياتي بعض ايت ربك يوم ياتي بعض ايت ربك لا ينفع نفسا ايمنها لم تكن امنت من قبل او كسبت في ايمنها خيرا قل انتظروا وانا منتظرون (الانعام: ۱۵۸)

ترجمہ:- وہ کس کا انتظار کرتے ہیں؟ مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا تمہارے رب کا عذاب یا تمہارے رب کی ایک نشانی۔ جس دن تمہارے رب کی وہ ایک نشانی آئے گی کسی شخص کو بھی ایمان لا نا فائدہ نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہو یا اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی ہو۔ تم فرما دو انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔

علامہ نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس نشانی سے آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہ کرے اور اسے لوگ دیکھیں گے تو سب ایمان لائیں گے اور ایمان نفع نہ دے گا۔ (☆ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۱۸۰ الانعام/ ۱۵۸)

علامہ بغوی لکھتے ہیں بعض آیات سے مراد سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اسی پر اکثر مفسرین کا اعتماد ہے اور اسی کو ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

(☆ تفسیر بغوی المسمی معالم التنزیل ج ۲ سورۃ انعام/ ۱۵۸ ص ۴۷۱)

علامہ خازن لکھتے ہیں جمہود مفسرین کے نزدیک اس سے مراد سورج کا مغرب سے



طلوع ہونا ہے اور اسی پر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت دالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثلاث اذا خرجن لا ينفع نفسا ايمانها لم تكن امنت من قبل طلوع الشمس من مغربها والدجال و دابة الارض اخرجه مسلم

جب تین اشیاء نکلیں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہوگا۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، خروج دجال اور دابتہ الارض اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ (تفسیر خازن لمسی لباب التاویل فی معانی التزیل سورة انعام ۱۵۸ ج ۱ ص ۴۷۱ ج ۲) (مسلم کتاب الایمان باب الزمن الذی لا یقبل فیہ الایمان)

علامہ آلوسی بغدادی حنفی رقمطراز ہیں الحق ان المراد بهذا البعض الذی لا ینفع الایمان عنده طلوع الشمس من مغربها حق یہ ہے کہ اس بعض جس کے بعد ایمان فائدہ نہ دے گا سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔

(۱۵۸ روح المعانی ج ۳ ص ۹۳ سورة انعام: ۱۵۸)

بخاری شریف کی حدیث ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا لا تقوم الساعة حتی تطلع الشمس من مغربها فاذا طلعت وراها الناس امنوا اجمعون و ذالک حین لا ینفع نفسا ايمانها ثم قرا الایة

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے جب وہ طلوع ہوگا لوگ اسے دیکھیں گے اور سب ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت کسی نفس کو بھی ایمان لانا فائدہ نہ دے گا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (صحیح البخاری کتاب الفہیم / انعام باب قولہ تعالیٰ یوم لا ینفع نفسا الخ حدیث نمبر ۴۶۳۶)

صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم علیہ السلام

سے سنان بالمغرب بابا مفتوحا للتوبة مسيرة سبعین سنة لا یغلق حتی تطلع الشمس من نحوہ

ترجمہ: مغرب میں ایک دروازہ توبہ کے لئے کھلا ہے جس کی مسافت ستر سال ہے وہ بند نہیں آیا

جائے گا یہاں تک کہ سورج اس جانب سے طلوع ہو۔ (☆ جامع الترمذی کتاب الدعوات باب فی فضل التوبۃ والاستغفار للنسائی کتاب الطہارۃ باب التوقیع فی المسح علی الخفین للمسافر ابن ماجہ کتاب الفتن باب طلوع الشمس من مغربھا قال الترمذی حدیث حسن صحیح)

حذیفہ بن اسید الغفاری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے آپ نے فرمایا تم کیا باتیں کر رہے ہو ہم نے عرض کی ہم قیامت کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک تم اس کے متعلق دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ دھواں، دجال و دابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کا نزول، یاجوج و ماجوج اور تین جگہ سے زمین کے دھنسنے کا ذکر فرمایا، مشرق میں دھنسا، مغرب میں دھنسا اور جزیرۃ العرب میں زمین دھنسا اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو بہکا کر محشر کی طرف لے جائے گی۔

(☆ صحیح المسلم کتاب الفتن و اشرط الساعۃ باب اقتراب الفتن و فتح روم یا جوج و ماجوج)  
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ایسی حدیث سنی ہے جس کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے سب سے پہلی علامت جس کا ظہور ہوگا وہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور چاشت کے وقت دابۃ الارض کا خروج ہوگا ان میں سے جس کا بھی پہلے ظہور ہوگا اس کے فوراً بعد دوسرے کا ظہور ہوگا۔ ان اول الایات خروجاً طلوع الشمس من مغربھا و خروج الدابة علی الناس ضحی و ایہما ما کانت قبل صاحبہا فالآخری علی اثرھا قریباً (☆ صحیح المسلم کتاب الفتن باب خروج الدجال و مکۃ فی الارض)

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں سب سے پہلی نشانی کے بارے میں اختلاف ہے مسلم شریف میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ پہلی نشانی طلوع شمس اور خروج دابۃ الارض ہے ان میں سے جو بھی پہلے وقوع پذیر ہوگی اس کے فوراً بعد دوسری ہوگی۔ اور نعیم بن حماد نے اپنی سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ کوئی

بھی شخص یہ نہیں جانتا کہ ان میں سے پہلی نشانی کونسی ہے اور اس آیت لا ینفع نفسا ایمانہا لم تکن امنست من قبل میں ان میں سے کونسی مراد ہے۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دابتہ الارض دجال، یا جوج و ما جوج، دخان۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ دجال سب سے پہلی نشانی ہے اور حضور ﷺ کے اس فرمان ان الدجال خارج فیکم لامحالة کی بناء پر اسے ترجیح حاصل ہوگی۔ کیوں کہ اگر سورج اس سے پہلے مغرب سے طلوع ہوتا تو یہودیوں کو ایام عیسیٰ علیہ السلام میں ایمان فائدہ نہ دیتا اگر ان کا ایمان فائدہ نہ دیتا تو ان میں سے جو اسلام قبول کرتے ان کے اسلام قبول کرنے سے دین ایک نہ بن سکتا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو قبض کیا جائے گا تو لوگ حیران و پریشان ہوں گے ان میں سے اکثریت کفر و ضلالت کی طرف پھر جائے گی اور اہل کفر اہل اسلام پر غلبہ حاصل کر لیں گے اس وقت سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس وقت کتاب اللہ کو اٹھالیا جائے گا پھر حبشی آ کر کعبۃ اللہ کو مسمار کریں گے پھر دابتہ الارض نکلے گا، پھر دخان، پھر ہوا چلے گی، پھر ہوائیں کفار کو سمندر میں پھینک دیں گی پھر آگ نکلے گی جو لوگوں کو حشر کی طرف ہانکے گی پھر ایک ٹرک ہوگی اور قیامت پابو جائے گی۔

خالویہ نے امالیہ میں اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن عمر سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ لوگ مغرب سے طلوع شمس کے بعد ایک سو بیس سال تک زندہ رہیں گے۔

ابونعیم نے عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ عرب جب تک نزول عیسیٰ و دجال کے بعد ایک سو بیس سال تک اسی چیز کی عبادت نہیں کریں گے جس کی ان کے آباء و اجداد کرتے تھے اس وقت تک قیامت پانہیں ہوگی۔

جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو شیطان سجدہ میں گر پڑے گا اور اپنے اعوان و مددگاروں سے کہے گا یہ سورج مغرب سے طلوع ہو چکا ہے اور یہی وقت معلوم ہے آج کے بعد کوئی عمل نہیں ہوگا اور شیاطین زمین پر ظاہر ہو جائیں گے یہاں تک کہ ایک آدمی اسے دیکھ کر یہ کہے گا یہ میرا وہی ساتھی ہے جو مجھے بہکایا کرتا تھا۔ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس



نے اسے ذلیل و رسوا کیا اور مجھے اس سے راحت پہنچائی پھر ابلیس لعین سجدہ ہی کی حالت میں روتا رہے گا یہاں تک کہ دابۃ الارض نکل کر اسے قتل کر دے گا۔

(☆ عمدة القاری کتاب التفسیر / (۶) انعام باب قولہ تعالیٰ یوم لا ینفع نفسا ایما نھا الخ ص ۹ / ۶۰۸ ج ۱۲)

### سورج کو مغرب سے طلوع کرنے کی حکمت:

علامہ قرطبی لکھتے ہیں سورج کو مغرب سے طلوع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے فرمایا تھا میرا رب سورج کو مغرب سے طلوع کرتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا پس وہ مبہوت ہو گیا فان اللہ یاتس بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب فبہت الذی کفر (بقرہ / ۲۵۸) اور محمد بن اور نجمین وہ بھی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ محال ہے اللہ تعالیٰ سورج کو مغرب سے طلوع کر کے منکرین کو ملک میں اپنی قدرت دکھائے گا کہ اگر وہ چاہے تو مشرق سے سورج کو طلوع کرے چاہے تو مغرب سے اس پر یہ احتمال بھی پیدا ہوتا ہے کہ توبہ اور ایمان ان لوگوں کا رد ہوگا جو حضور ﷺ کی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی خبر کی تکذیب کرتے تھے اور اب وہ ایمان لائے اور توبہ کی۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو پہلے اس کی تصدیق کرتے تھے ان کی توبہ قبول کی جائے گی اور ان کا ایمان بھی قابل قبول ہوگا اور انھیں نفع دے گا۔ اسی طرح وہ شخص جو اس وقت چھوٹا تھا اور بالغ ہونے کے بعد ایمان لایا تو ان کا ایمان بھی قابل قبول ہوگا۔ اور گناہ گار مومن کی گناہ سے توبہ بھی قبول ہوگی۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی سورۃ انعام ۱۵۸ ج ۴ جزء السابع ص ۱۰۸)

علامہ بدرالدین عینی سورج کی مغرب سے طلوع ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی حکمت منجمین اور ملحدین کے قول کا ابطال کرنا مقصود ہے کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو فرمایا تھا فان اللہ یاتس بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب فبہت الذی کفر اسی بنا پر انہوں نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا انکار کیا

ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے یہ نہ تو ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔

(☆ عمدة القاری کتاب التفسیر (۶) انعام باب قولہ تعالیٰ یوم لا ینفع نفسا ایمانہا ص ۲۰۹ ج ۱۲)

## (۶) خروج دابة الارض:

سورة نمل میں اللہ تعالیٰ دابة الارض کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے واذا وقع

القول علیہم اخرجنا لہم دابة من الارض تکلمہم ان الناس کانوا بایتنا  
لا یوقنون (النمل ۸۲)

ترجمہ: جب بات ان پر آ پڑے گی تو ہم زمین سے ان کے لئے ایک چوپایہ نکالیں گے جو ان  
سے کلام کرے گا اس لئے وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ جانور آخر زمانہ میں فساد الناس اور ان کے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کرنے اور دین حق کے تبدیل کرنے پر نکلے گا۔

(☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۷ زیر آیت مذکورہ سورة نمل: ۸۲)

## وقت خروج:

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خروج دابة کے وقت خروج کے

بارے میں حق بات یہ ہے کہ وہ جب نکلے گا تو لوگوں میں مومن بھی ہوں گے اور کافر بھی۔ اسی پر یہ

حدیث بھی دلالت کرتی ہے جسے امام احمد، طیارسی، نعیم بن حماد، عبد بن حمید، امام ترمذی، ابن ماجہ،

ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی نے بعث میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یتخرج دابة الارض ومعها عصا موسیٰ و

خاتم سلیمان علیہما السلام فتجلو وجہ المومن بالخاتم و تختم انف الکافر

بالعصا حتی تجتمع الناس علی الخوان یعرف المومن من الکافر

دابة الارض زمین سے نکلے گا تو اس کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور سلیمان علیہ

السلام کی انگٹھی ہوگی۔ مومن کے چہرہ کو انگٹھی سے روشن کرے گا اور کافر کی ناک پر مہر لگائے گا۔

یہاں تک کہ لوگ دسترخوان پر جمع ہوں گے تو کافر مومن سے پہچانا جائے گا۔

(☆ روح المعانی ج ۱ ص ۳۴ جز ۲۰ سورۃ نمل آیت: ۸۲)

مسلم شریف کی حدیث ہے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ایسی حدیث سنی ہے جس کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ آپ نے فرمایا ان اول الآیات خروج الشمس من مغربها وخروج الدابة وقت الضحیٰ وایتھما كانت قبل صاحبتهما فالأخریٰ علی اثرھا قریبا۔

(☆ صحیح المسلم کتاب الفتن باب اقتراب الفتن وفتح روم یا جوج و ما جوج)

مسلم شریف ہی کی دوسری حدیث ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بادروا بالاعمال ستا طلوع الشمس من مغربها والدخان والدجال والذبة و خاصة احدکم او امر العامة سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دجال، دابۃ الارض، تم میں سے کسی ایک کی موت یا سب کی موت۔ لعن قیامت۔

(☆ صحیح المسلم کتاب الفتن باب من بقیۃ احادیث النبی ﷺ کثیر، سورۃ نمل آیت ۸۲ ص ۳۸۸ ج ۳)

جائے خروج:

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دابۃ الارض کا ذکر فرمایا میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) وہ کہاں سے نکلے گا؟ آپ نے فرمایا من اعظم المساجد حرة علی اللہ بینما عینی یطوف بالبیت و معہ المسلمون اذ تضطرب الارض۔ تحتهم و تنشق الصفا مما یلی المشعر و تخرج الدابة من الصفا اول مایہ۔ منها راسها ملعة ذات و برو ریش لن یدر کھا طالب ولن یفوتھا هارب تسمى الناس مومنا و کافرا و اما المومن فترک وجهه کوکب درى و تکتب بین عینیہ مومن و اما الکافر تکتب بین عینیہ نکنة سوداء و تکتب بین عینیہ کافرا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں حرمت کے اعتبار سے سب سے عظیم مسجد سے نکلے گا دریاں حالیکہ



حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہوں گے اور آپ کے ساتھ مسلمان ہوں گے۔ جب زمین ان کے نیچے سے متحرک ہوگی اور صفا پہاری کا مشعر کے ساتھ والا حصہ پھٹ جائے گا اور دابتہ الارض صفا سے نکلے گا۔ سب سے پہلے اس کا سر چمکتا ہوا ظاہر ہوگا۔ اس پر بال اور پر ہوں گے۔ کوئی طالب اس کو پا نہیں سکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے بچ نہیں سکے گا۔ وہ لوگوں کو مومن اور کافر کے نام سے مسمیٰ کرے گا۔ مومن کے چہرہ چمکتا ہوا موتی بنا کر چھوڑے گا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان مومن لکھ دے گا اور کافر کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک سیاہ نکتہ لکھ دے گا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھ دے گا۔

(☆ تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی سورۃ نمل آیت ۸۲)

علامہ قرطبی اور علامہ ابن کثیر نے ابوداؤد طیالسی کی مسند کے حوالہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دابتہ الارض کا ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ زمانے میں اس کے تین خروج ہوں گے یہ بادیہ کے کنارے سے نکلے گا اور اس کا ذکر قریہ (مکہ) میں داخل نہ ہوگا۔ پھر کافی زمانہ گزرنے پر دوبارہ اس کا خروج ہوگا اس کا ذکر بادیہ میں بھی ہوگا اور قریہ (مکہ) میں بھی داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محترم مسجد میں ہوں گے اور سب سے زیادہ بہتر اور عزت والی مسجد اللہ تعالیٰ کے ہاں مسجد حرام ہے وہ کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرنے پائے ہوں گے مگر یہ کہ وہ (دابتہ الارض) مقام ابراہیم اور رکن یمانی کے درمیان زور سے آواز نکالے گا۔ اور مومنین کا ایک گروہ ثابت قدم رہے گا اور یہ یقین کر لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ ان کے پاس آئے گا اور ان کے چہروں کو روشن کر دے گا گویا وہ چمکتے ہوئے موتی ہیں اور زمین سے بھاگ کھڑا ہوگا کوئی بھی طالب اسے نہیں پاسکے گا اور نہ ہی کوئی بھاگنے والا اس سے بچ سکے گا۔ یہاں تک کہ ایک آدمی اس سے نماز میں پناہ مانگ رہا ہوگا وہ اس کے پیچھے سے آئے گا اور کہے گا اے فلاں! اب نماز پڑھ رہا ہے۔ پس وہ اس کی اگلی جانب سے آکر اس کے چہرہ پر نشان لگائے گا اور چل پڑے گا۔ لوگ احوال میں شریک ہوں گے اور شہروں میں باہم رضامند ہوں گے مومن۔ فر سے پہچان لیا جائے گا یہاں تک

کہ مومن کافر کو کہے گا اے کافر میرا حق ادا کر۔ (☆ تفسیر ابن کثیر ص)

ایک بحث یہ ہے کہ کیا دابتہ الارض کو خروج کے وقت پیدا کیا جائے گا یا یہ کہ وہ آج بھی مخلوق شدہ ہے بعض نے کہا کہ وہ یوم خروج کو پیدا کیا جائے گا اور بعض نے کہا کہ آج بھی مخلوق ہے لیکن اسے خروج کا حکم نہیں ہے بعض نے کہا کہ انبیاء متقدمین کے زمانہ میں اسے پیدا کیا گیا ہے بعض نے کہا یہ اژدھا ہے جب کہ بعض نے کہا یہ جسامہ ہے۔ واللہ اعلم بصواب

اس کی شکل اور ماہیت:

اس کی شکل و ماہیت اور اوصاف کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی مردویہ نے ابن زبیر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے دابتہ الارض کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا سر بیل کا آنکھیں خنزیر کی، کان ہاتھی کے، سینگ بارہ سگہ کے، گردن شتر مرغ کی، سینہ شیر کا، رنگ چیتے کا، پہلو بلی کے، دم مینڈھے کی اور پاؤں اونٹ کے مشابہ ہیں۔ ہر دو جوڑوں کے درمیان بارہ ذراع (بازو) کا فاصلہ ہے ابن جریر نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کے ذراع کے ساتھ لمبے۔ بعض نے کہا کہ وہ انسان ہوگا بعض نے کہا عقاب ہے وہب سے مروی ہے کہ اس کا چہرہ انسان کا ہے اور باقی سارے جسم کی تخلیق پرندہ کی طرح ہے اور بعض روایات میں اس کے دو پروں کی بھی تصریح ملتی ہے۔ ابن منذر نے عبد اللہ بن عباس سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ وہ بالوں اور پروں والا ہے اس میں جانوروں کے تمام ہی رنگ ہیں اور ہر امت کا ایک ایک نشان اور اس امت (امت مسلمہ) کی نشانی عربی مبین میں گفتگو کرتا ہے۔

علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں مذکورہ اخبار میں سے سب سے زیادہ قبولیت کے قریب والی روایت وہ ہے جسے امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایسا دابتہ الارض ہے جو بہت بڑا ہے۔ اس کے پاؤں ہیں بنی نوع انسان میں سے بالکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ زمین سے اسے آخری زمانہ میں نکالے گا۔ اور اس کو زمین سے نکالنے



کو "من الارض" سے مقید کرنا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ اس کی تخلیق بطریق توالد نہیں ہے بلکہ بطریق تولد ہے جیسے حشرات الارض۔

(☆ روح المعانی ج ۲ جز ۲۰ ص ۳۶ سورۃ نمل آیات ۸۲)

## (۷) خروج النار:

علامات قیامت میں سے ایک علامت خروج النار ہے بخاری شریف کی حدیث ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا لا تقوم الساعة حتی

تخرج النار من ارض الحجاز تضیی اعناق الابل ببصری۔

ترجمہ:- قیامت اس وقت تک پانہیں ہوگی جب تک ایک آگ سرزمین حجاز سے نہ نکلے گی جس

سے بصری میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔ (☆ بخاری شریف کتاب الفتن باب خروج النار)

علامہ بدرالدین عینی علامہ قرطبی کی کتاب "التذکرہ" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حجاز

مدینہ سے یہ آگ نکلی اس کی ابتدا بدھ کی رات کے تیسرے پہر کے بعد جمادی الآخر سن ۶۵۴

ہجری کو عظیم زلزلوں سے ہوئی اور جمعہ کے دن چاشت کے وقت زلزلے رک گئے اور ایک آگ

قریظہ کے مقام پر قاع تنعین کے پاس حرہ کی ایک جانب ظاہر ہوئی جو ایک عظیم پل کی صورت میں

دکھائی دی جس پر ایک فصیل اسے گھیرے ہوئی تھی جس پر قلعے کے کنگروں کی طرح کنگرے برج

اور منارے دکھائے دیئے اور آدمی دکھائی دیئے جو اسے کھینچتے۔ یہ آگ جس پہاڑ کے پاس سے

گزرتی اسے گرا دیتی اور پگھلا دیتی اور اس سب مجموعہ سے ایک سرخ نہر اور ایک نیلی نہر نکلی جس کی

آواز گرج کے مشابہ تھی۔ جو اپنے سامنے چٹانوں اور پہاڑوں سے ٹکراتی۔ اور محط ركب عراقی تک

جا پہنچی اس سے ملکہ جمع ہو گیا جو ایک جبل عظیم (بہت بڑا پہاڑ) بن گیا۔ اور یہ آگ مدینہ کے

قریب ختم ہو گئی اس کے ساتھ ہی مدینہ منورہ سے حضور ﷺ کی برکت سے ٹھنڈی ہوا آئی۔ اس

آگ کے جوش کا مشاہدہ سمندر کے "مد" کی طرح کیا گیا اور یہ یمن کے دیہاتوں میں سے ایک

دیہات پر منتہی ہوئی اور اسے جلا دیا۔ ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ میں نے اس آگ کو خود

مدینہ میں تقریباً پانچ دن ہوا میں بلند ہوتے ہوئے دیکھا اور میں نے سنا کہ اس آگ کو مکہ میں



بصری کے پہاڑوں سے دیکھا گیا۔ اور امام نووی نے کہا کہ تمام اہل شام کو بالتواتر اس آگ کے نکلنے کا علم ہے۔ ابو شامہ نے (ذیل الروضتین) میں کہا کہ اوائل شعبان سن ۶۵۴ھ میں مدینہ سے کتابیں پائی گئیں ان میں ایک امر عظیم کے وقوع کی وضاحت تھی اس میں صحیحین کی روایت کی تصدیق تھی۔ (☆ عمدۃ القاری کتاب الفتن باب خروج النار)

علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر کرتے ہیں کہ جو چیز مجھ پر ظاہر ہوئی ہے کہ یہ مذکورہ آگ جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے وہی آگ ہے جو نواحی مدینہ میں ظاہر ہو چکی ہے جیسا کہ قرطبی نے لکھا اور وہ آگ جو لوگوں کو میدان حشر کی طرف ہانکے گی وہ دوسری آگ ہوگی۔

(☆ فتح الباری، کتاب الفتن باب خروج النار)

بخاری شریف ہی کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اول اشراط الساعة نار

تحشر الناس من المشرق الى المغرب (☆ بخاری شریف، کتاب الفتن باب خروج النار)

قیامت کی شرطوں میں سے پہلی شرط آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانکے گی۔ ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ یہ آگ رومان یا رکوبہ سے نکلے گی جس سے بصری میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہوں گی حذیفہ بن اسید روایت کرتے ہیں سمعت رسول اللہ ﷺ يقول لا تقوم الساعة حتى تخرج نار من رومان اور كوبة تضي منها اعناق الابل ببصرى۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ رکوبہ مدینہ سے شام کی طرف جاتے ہوئے ایک مشکل اور بلند گھاٹی ہے حضور ﷺ نے غزوہ تبوک کے دوران اس کا سفر کیا اور شاید رومہ سے مراد رومت البر ہے جو مدینہ میں معروف ہے اس حدیث میں دونوں آگوں کو جمع کیا گیا ہے ان میں سے ایک آگ قبل قیامت جمیع امور کے ساتھ وقوع پذیر ہوگی جن کی خبر ہمیں صادق و مصدوق ﷺ نے دی ہے اور دوسری آگ وہ ہوگی جس کے فوراً بعد بغیر کسی تخلل کے قیامت واقع ہو جائے گی۔

(☆ فتح الباری بحوالہ طبرانی کتاب الفتن باب خروج النار)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قیامت سے پہلے جس آگ کے مشرق سے مغرب کی طرف لوگوں کو ہانک کر لے جانے کا ذکر ہے اس سے مراد جنگ و جدل اور فتنوں کی آگ ہے جو مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی۔

(☆ مرقاة ج ۹ ص ۳۴۰ کتاب الفتن باب الملاحم فصل اول)

مسلم شریف کی حدیث ہے حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ ہم باہم گفتگو کر رہے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا تم کیا گفتگو کر رہے ہو۔ (صحابہ نے عرض کی) ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک پیا نہیں ہوگی جب تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ تو آپ نے دخان (دھوئیں) کا ذکر کیا۔ دجال، دباتہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے، نزول عیسیٰ علیہ السلام، یاجوج ماجوج، تین بارحصف (دھسنے) مشرق کی طرف دھسنے، مغرب اور جزیرہ عرب کے دھسنے کا ذکر فرمایا اور اس سب کے آخر میں ایک آگ نکلے گی جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو میدانِ حشر کی طرف ہانکے گی۔ (☆ مشکوٰۃ کتاب الفتن باب ذکر الدجال فصل اول)

بخاری شریف کی حدیث میں حضرت انس سے روایت مذکور ہے کہ قیامت کی اولین نشانیوں میں سے آگ کا نکلنا ہے جب کہ مسلم کی روایت میں سب سے آخری علامت اسے قرار دیا گیا ہے ملا علی قاری حنفی دونوں حدیثوں سے تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں بخاری شریف میں بیان شدہ آگ کی اولیت اس اعتبار سے ہے کہ یہ وہ پہلی نشانی ہوگی جس کے بعد دنیا کی کوئی چیز اصلاً باقی نہ ہوگی۔ بلکہ اس کے انتہاء پر نفعِ صور ہوگا بخلاف ان دوسری نشانیوں کے۔ کیوں کہ ان کے بعد دنیا کی کوئی نہ کوئی چیز باقی رہے گی اور اس کی آخریت اس اعتبار سے ہے کہ آیات مذکورہ کے بعد وقوع پذیر ہوگی۔ (☆ مرقات کتاب الفتن باب ذکر الدجال فصل اول ص ۳۶۷ ج ۹)

(۸) نفعِ اولیٰ:

جب دنیا میں صرف اشرار باقی بچیں گے اور ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی ہوگی اور زمین پر کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیوا نہیں بچے گا سب لوگ شرک میں مبتلا ہوں گے اس وقت اچانک اور

سرعت رفتاری کے ساتھ قیامت پیا ہوگی۔ اور نچھ اولیٰ (پہلا صدر) ہوگا۔ کسی کا ہوش ٹھکانے نہیں رہے گا جو جس کام میں مشغول ہوگا وہی کام کرتے کرتے ہلاک ہو جائے گا نہ کسی بھی قسم کی کوئی وصیت کر سکے گا اور نہ ہی گھروں سے باہر لوگ واپس گھروں کو لوٹ سکیں گے جس کے کان میں بھی یہ آواز پہنچے گی وہیں ڈھیر ہو جائے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لتقومن الساعة و قد نشر الرجلان ثوبهما بينهما فلا يتابعانه ولا يطويانه  
ولتقومن الساعة و الرجل يليط حوضه فلا يسقي منه و لتقومن الساعة و قد  
انصرف الرجل بلبن نعجته فلا يطعمه و لتقومن الساعة و قد رفع اكلته الى  
فمه فلا يطعمها. (☆ صحیح البخاری کتاب الرقاق باب ۴۰ روح المعانی ص ۴۵ ج ۲ ایس: ۴۹ صحیح المسلم  
کتاب الفتن باب قرب الساعة)

قیامت ضرور پیا ہوگی اس حال میں کہ دو آدمیوں نے کپڑا اپنے سامنے پھیلا دیا ہوگا اور وہ ابھی بیچ کرنے نہ پائیں گے کہ قیامت پیا ہو جائے گی۔ اور آدمی اپنے حوض کو لپ رہا ہوگا وہ اس سے اپنے جانوروں کو پانی پلانے نہ پائے گا کہ قیامت پیا ہو جائے گی اور آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دودھ کر واپس لوٹے گا اور اسے پینے سے قبل ہی قیامت پیا ہو جائے گی اور آدمی نے اپنے کھانے کا لقمہ اٹھایا ہوگا اسے کھانے سے قبل ہی قیامت پیا ہو جائے گی۔

امام مسلم نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے ثم ینفخ فی الصور فلا یسمعه احد الا اصغی لیتاً و رفع لیتاً و قال اول من یسمعه رجل یلوط حوض ابله قال فیصعق الناس ثم ینزل الله مطراً کانه الطل فینبت منه اجساد الناس ثم ینفخ فیہ اخری فاذا هم قیام ینظرون ثم یقال یا ایها الناس هلم الی ربکم الخ (☆ صحیح المسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

پھر صور پھونکا جائے گا جو شخص بھی اس کو سنے گا وہ گردن کو ایک جانب جھکا دے گا اور دوسری جانب سے اٹھائے گا جو شخص سب سے پہلے اس آواز کو سنے گا وہ اپنے اونٹوں کے حوض کو



درست کر رہا ہوگا وہ بے ہوش ہو جائے گا اور دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ شہنشاہ کی طرح بارش برسائے گا جس سے لوگوں کے جسم اگ پڑیں گے پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا پس اچانک وہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور دیکھ رہے ہوں گے پھر انھیں کہا جائے گا اے لوگو آؤ اپنے رب کی طرف اٹھو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله تعالى لما فرغ من خلق السموات خلق الصور فاعطا اسرافيل فهو واضعه على فيه شاخص ببصره الى العرش ينتظر متى يؤمر بالنفخة قلت يا رسول الله ما الصور؟ قال قرن والله عظيم والذي بعثنى بالحق ان عظم دارة فيه كعرض السماء والارض فينفخ فيه ثلاث نفخات النفخة الاولى نفخة الفزع والثانية نفخة الصعق والثالثة نفخة البعث والقيام لرب العلمين ذكره الطبري والثعلبي وعلي ابن معبد وغيره وصححه ابن العربي .

(المجمع ۱۱ احکام القرآن للقرطبي ج ۷ ص ۱۸۲ سورة النمل ۸۷)

ترجمہ:- جب اللہ تعالیٰ آسمانوں کی تخلیق سے فارغ ہوا تو اس نے صور کو پیدا فرمایا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کو عطا فرمایا وہ اسے اپنے منہ پر رکھے ہوئے ہیں اور نگاہیں عرش پر گاڑھ کر نفخہ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) صور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ قرن ہے قسم بخدا یہ بہت بڑا ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اس کے منہ کے دائرے کی عظمت زمین و آسمان کے عرض کی طرح ہے پس حضرت اسرافیل اس میں تین صور پھونکیں گے پہلا نفخہ، نفخہ فزع ہوگا دوسرا اڑک کا ہوگا اور تیسرا البعث (دوبارہ جی اٹھنے کا) کا اور رب کے حضور کھڑا ہونے کا۔

نفخوں کی تعداد:

بعض مفسرین کے نزدیک کل تین نفخے ہوں گے پہلا نفخہ، نفخہ فزع ہوگا یعنی اس کے بعد ہر طرف خوف و ہراس پیدا ہوگا۔ دوسرا نفخہ قیام قیامت کا ہوگا جس کو سنتے ہی ہر ذی روح چیز

مر جائے گی اور تیسرا نفعہ دوبارہ جی اٹھنے کے لئے ہوگا۔ اور اس کے بعد حشر بپا ہوگی اور حساب و کتاب کے بعد جنتی جنت میں اور جہنمی دوزخ کا ایندھن بن جائیں گے۔

جب کہ اکثر مفسرین اور جمہور علماء کے نزدیک نفعے صرف دو ہوں گے۔ پہلا نفعہ دنیا کے اختتام پذیر ہونے کے لئے ہوگا اور دوسرا نفعہ دوبارہ جی اٹھنے اور رب کے حضور حاضر ہو کر سزا و جزاء پانے کے لئے ہوگا اب ہم ان میں سے ہر ایک گروہ کے چند دلائل پیش کریں گے۔

تین نفعوں کے قائلین کے دلائل:

تین نفعوں کے قائلین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان و یوم ینفخ فی الصور ففزع

من فی السموات ومن فی الارض الا ماشاء اللہ وکل اتوہ داخرین (النمل ۸۷)

ترجمہ: جس دن پھونکا جائے گا صورتو گھبرا جائے گا ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں مگر جنہیں خدا نے چاہا (نہیں گھبرائیں گے) اور سب حاضر ہوں گے اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے۔

اس سے مراد نفعہ فزع ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ اسرائیل علیہ السلام صور میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھونکیں گے اور یہ نفعہ فزع ہوگا اور دنیا کے آخر عمر میں ہوگا جب زندہ لوگوں میں سے اشرار پر قیامت بپا ہوگی۔ زمین و آسمان میں سے ہر ایک پر فزع (خوف) طاری ہوگا مگر جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا ان پر خوف طاری نہیں ہوگا جیسے امام مسلم کی روایت جسے پچھلے صفحات میں ذکر کر دی گئی ہے جس میں ذکر ہے کہ اسے جو بھی سنے گا وہ ایک جانب سے گردن جھکائے گا اور دوسری جانب سے اٹھائے گا اور سب سے پہلے جو شخص سنے گا وہ اپنے اونٹوں کے حوض کو لیپ رہا ہوگا۔ وہ بھی مر جائے گا اور سارے لوگ مر جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا شبنم کی طرح جس سے اجسام اگ پڑیں گے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ اٹھ کھڑے ہوں گے الخ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ثم ینفخ فی الصور فلا یسمعه احد الا اصغی لیتا و رفع لیتا اس نفعہ سے مراد نفعہ فزع ہے اس کے بعد نفعہ صعق یعنی موت کا نفعہ ہوگا اس

کے بعد نفعی قبروں سے اٹھ کھڑا ہونے کے لئے اور اللہ کے حضور حاضر ہونے کے لئے ہوگا۔  
(۸۶ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۹۱ سورۃ نمل ۸۷)

نفعی بعث کا استدلال اس آیت سے کرتے ہیں و نفخ فی الصور فاذا هم من  
الاجداث الی ربهم ینسلون (یس ۵۱) اور پھونکا جائے گا صور میں پس وہ اچانک اپنی قبروں  
سے اٹھ کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے اور نفعی صعق یا موت کا استدلال اس آیت سے و نفخ  
فی الصور فصعق من فی السماوات والارض (الزمر ۶۸) ترجمہ (اور صوریں پھونکا  
جائے گا تو زمین و آسمان کی ہر شے بے ہوش ہو جائے گی)

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ نفعی فزع اور نفعی صعق میں کہ نفعی فزع نفعی صعق سے پہلے  
ہے یا کہ نفعی بعث کے بعد۔ قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ نفعی فزع زمین و آسمان کے منتشر ہونے  
کے بعد جب نشر ہوگا یعنی جب دوبارہ زندہ کیا جائے گا اس وقت ہوگا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ  
نفعی تین ہیں بلکہ اس طرح تو چار نفعی ثابت ہوئے ہیں ایک وہ نفعی جس سے اللہ تعالیٰ ہر ذی روح  
کو موت عطا کرے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا لمن الملک  
الیوم (غافر ۱۶) آج کس کی بادشاہت ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان و کل شی ہالک الا  
وجہہ / قصص / ۸۸ اور نفعی بعث جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے و نفخ فی الصور فاذا هم  
من الاجداث الی ربهم ینسلون (یس ۵۱)

نفعی صعق اور یہ بذاتہ نفعی فزع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان و نفخ فی الصور فزع من  
فی السموات و من فی الارض (النمل ۸۶) اور نفعی افاقہ جیسے اللہ تعالیٰ نے نفعی صعق کے بعد  
فرمایا ثم نفخ فیہ اخری فاذا هم قیام ینظرون (زمر ۶۸) (۸۶ روح المعانی ج ۳ سورۃ نمل ۸۶)  
علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے اس نفعی فزع و صعق  
میں مغایرۃ کے قول پر پانچ نفحات ثابت ہوتے ہیں اور ہم نے کسی سے بھی پانچ کے بارے میں  
نہیں سنا۔ اور پھر ان کا یہ قول کہ نفعی صعق نفعی بعث کے بعد ہے حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف  
ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے انا اول من تنشق عنه الارض فارفع راسی فاذا موسیٰ



متعلق بقائمة من قوائم العرش فما ادرى افاق قبلى ام كان ممن استثنى  
الله تعالى. (رواه بغوی، مترجم)

میں سب سے پہلا شخص ہوں جس پر سے زمیں پھٹ جائے گی میں اپنا سر اٹھاؤں گا  
تو موسیٰ علیہ السلام کو عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کے ساتھ لٹکا ہوا پاؤں گا۔ مجھے معلوم  
نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو مجھ سے پہلے افاقہ ہوا یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے  
مستثنیٰ کیا ہوا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فزع نفعی بعث کے بعد ہوگا تو پھر نفعی صعق کہاں گیا اور  
ظاہری بات ہے پانچ نفعوں کا قول کسی سے بھی نہیں سنا گیا، اور یہ بھی کہا گیا کہ نفعی صرف تین  
ہیں۔ پہلا نفعی صعق بمعنی موت ہے، دوسرا نفعی بعث اور تیسرا نفعی فزع ہے۔ اور یہ وہی نفعی ہے جو زمین  
و آسمان کے انشقاق کے بعد ہوگا جیسا کہ آپ نے قاضی عیاض کے حوالے سے جان لیا۔

(☆ روح المعانی ج ۵ سورۃ نمل ۸۶)

## دو نفعوں کے قائلین کے دلائل:

اکثر مفسرین کے نزدیک صرف دو نفعی ہوں گے علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ان الصحيح في النفع في الصور انهما نفختان ثلاث صحيح یہ ہے کہ صرف دو نفعی  
ہوں گے۔ نفعی فزع نفعی صعق کی طرف راجع ہوگا۔ کیوں کہ یہ دونوں امر لازم و ملزوم کی حیثیت  
رکھتے ہیں۔ یعنی وہ خوفزدہ ہوں گے اور اس خوف سے ہی مرجائیں گے۔ یا یہ نفعی بعث کی طرف  
راجع ہوگا اسے قشیری وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ اور مراد یہ ہوگا کہ نفعی ثانیہ کے وقت وہ دوبارہ زندہ  
ہوں گے دریاں حالیکہ وہ ڈرے اور سہمے ہوں گے، اور یہ کہہ رہے ہوں گے من بعثنا من مرقدنا  
(یس ۵۲)، ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا ماروردی نے کہا و یوم ینفخ فی  
الصور سے مراد قبروں سے اٹھائے جانے کے لئے صور پھونکنا ہے اور کہا کہ اس فزع میں دو قول  
ہیں۔ احدهما یہ جلدی کرنے اور ندا کا جواب دینے کے معنی میں ہے، عربوں کے اس قول سے  
مشتق ہے فزع عت الیہ فی کذا اذا اسرعت الی ندانک فی معونته والقول الثانی

اس فزع سے مراد وہ ہے جو ذہنوں میں موجود ہے کیوں کہ لائحہ عمل اذبحوا من قبورہم وخافوا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہتا ہوں کہ حدیث ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر جنہیں مسلم نے روایت کیا ہے اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نفعی صرف دو ہیں انھیں میں نے اپنی کتاب "التذکرہ" میں ذکر کیا ہے اور یہی انشاء اللہ صحیح ہے کہ نفعی صرف دو ہیں۔

(۵۰ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۱۸۲ سورۃ نمل ۸۶)

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں والمختار ماہو المشہور من ان النفس ختہ انسان یعنی مختاریہ ہے کہ دو نفعی ہوں گے اور جن سے زیادتی کا گمان ہوتا ہے ان کا جواب اس طرح دیا جائے گا کہ نفعی اولیٰ نفعی صعق بمعنی موت ہے کہ اس سے زمین و آسمان کی ہر زندہ شے الا ماشاء اللہ مر جائے گی اسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے و نفخ فی الصور فصعق الخ، اور نفعی ثانیہ نفعی بعث ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے ثم نفخ فیہ اخری فاذا ہم قیام ینظرون اور ان دونوں نفعیوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ مشہور مذہب کے مطابق ہے صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو نفعیوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا اربعون یوما فقال ابو ہریرہ ابیت فقیل اربعون شهرا فقال ابیت فقیل اربعون سنة فقال ابیت چالیس دن؟ آپ نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا عرض کی کئی چالیس ماہ؟ آپ نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا۔ عرض کی کئی چالیس سال؟ آپ نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا۔

نفعی فزع رعب وخوف کے معنی میں ہے۔ یہ نفعی بعث ہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعث کے لئے صور پھونکا جائے گا مخلوق دوبارہ زندہ ہوگی اور منتشر ہوگی۔ جب انھیں قیامت کا یقین ہو جائے گا اور عظمت الہی کے آثار کا مشاہدہ کریں گے اس وقت ان پر خوف و رعب طاری ہوگا الا ماشاء اللہ اور فزع کو نفعی پر مرتب کرنا زمان فاصل کی قلت اور ان کے مشاہدہ و یقین ہونے کی سرعت پر دلالت کرنے کے لئے ہے اور نفعی کو فزع اور بعث پر مرتب کرنا سبب کی نسبت مسوب کی طرف کرنے کے قبیل سے ہے۔ (تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۸۷ سورۃ نمل ۸۷)

امام بخاری نے عبداللہ بن مبارک سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا  
بین النفختین اربعون سنة الاولى يميت الله بها كل حيي والاخرى يحيي  
الله بها كل ميت. (☆ صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب سورة ۳۹ تفسیر قرطبی سورة النمل ۷۷ تفسیر ابن کثیر ج  
فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۷۰)

دو ننحوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا پہلا ننحہ سے ہر زندہ چیز کو اللہ تعالیٰ موت  
عطا کرے گا اور دوسرے ننحہ سے ہر میت کو زندگی بخشے گا۔



وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَاذْهَبْ مِنْ الْاَجْدَاثِ اِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝۱

اور (دوبارہ جب) صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے نکلتے ہیں گے

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ

(اس وقت) کہیں گے ہائے ہم برباد ہو گئے۔ کس نے ہمیں اٹھ کھڑا کیا ہے ہماری خوابگاہوں سے (آواز آئے گی) یہ

الْمُرْسَلُوْنَ ۝۲ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاذْهَبْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا

وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا (اس کے) رسولوں نے نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً

مُحْضَرُوْنَ ۝۳ فَاَلْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ

سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس آج نہیں ظلم کیا جائے گا کسی پر بھی ذرہ بھر بھی اور نہ ہی بدلہ

تَعْمَلُوْنَ ۝۴ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكِهُوْنَ ۝۵

دیا جائے گا تمہیں مگر ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے۔ بے شک اہل جنت آج (سب مراتب) اپنے شغل سے لطف اندوز

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ اِلٰى اَرَاَيْكَ مُتَكِنُوْنَ ۝۶ لَهُمْ

ہو رہے ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرصع) تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لئے وہاں

فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَّا يَدْعُوْنَ ۝۷ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبِّ رَحِيْمٍ ۝۸

(طرح طرح کے لذیذ) پھل ہوں گے۔ اور انھیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے تم پر سلام ہو (انھیں) یہ کہا جائے گا اپنے

وَاَمَّا زَوْا الْيَوْمَ اَيْهَا الْمَجْرِمُوْنَ ۝۹ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِي

رحیم رب کی طرف سے۔ اور (حکم ہوگا) اے مجرمو! (میرے دوستوں سے) آج الگ ہو جاؤ۔ کیا میں نے تمہیں یہ

اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوْا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۰ وَاِنْ اَعْبُدُوْنِيْ

تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۱۱ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا

عبادت کرتا یہ راستہ ہے (بایں ہمہ) گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو لیا تم

تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهُ

عقل و خرد نہیں رکھتے تھے یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ آج اس کی آگ تاپو

الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٣﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ

اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ آج ہم مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے

وَتَكَلَّمْنَا بِأَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾

ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان (بدکاریوں کی) جو وہ کمایا کرتے تھے۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّى

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کے نشان کو محو کر دیتے پھر وہ راستے کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان کو

يُبْصِرُونَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا

(اندھوں کی طرح) راستہ کیسے نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو انہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر پھر وہ

اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٧﴾

نہ آگے جاسکتے ہیں اور نہ پیچھے پلٹ سکتے ہیں۔

## نفع موت و حیات دونوں کا سبب:

قیامت کے وقوع کے یقینی ہونے کی بنا پر فعل ماضی "نفع" ذکر کیا گیا اور یہ نفع ثانیہ ہی مردوں کی زندگی کا سبب ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز یعنی نفع دو متضاد چیزوں یعنی موت و حیات میں کیسے موثر ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ موثر فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور نفع اس کی علامت ہے پھر چونکہ صوت ہائل (آواز) اجسام میں زلزلہ پیدا کرتی ہے حالت حیات میں زندہ آدمی کے اجزاء مجتمع ہوتے ہیں پس یہ آواز ان کے اندر زلزلہ پیدا کرتی ہے اور انہیں متفرق کرتی ہے اور حالت موت میں اجزاء متفرق ہوتے ہیں یہ ان میں زلزلہ پیدا کر کے ان کے اجتماع کا باعث بن جاتی ہے الحاصل دونوں نفعی اجرام کے اندر زلزلہ اور انتقال میں موثر ہیں اجتماع کے وقت انہیں متفرق اور افتراق کے وقت اجتماع کا باعث بنیں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۷ سورۃ یس ۵۱ ص ۲۹۱ ج ۹)

## آیت کی لغوی تشریح:

اجداث، جدث کی جمع ہے قبر کے معنی میں ہے اور ینسلون کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب الاصفہانی لکھتے ہیں کہ نسل کسی چیز کے جدا ہونے کو کہا جاتا ہے اور اسی سے دوڑنا ہے ومنہ نسل اذا اعدا ینسل نسلانا اذا اسرع جیسے اللہ تعالیٰ کافر مان ہے وہم من کل حدب ینسلون (الافردات فی غریب القرآن ص ۲۹۱)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں وهو الاسراع فی المشی فالمعنی ینخرجون مسرعین یعنی تیزی سے چلنا۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ بڑی سرعت اور عجلت سے قبروں سے نکل رہے ہوں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پہنچنے میں دیر نہ ہو جائے قرآن حکیم میں ہے ینخرجون من الاجداث کانہم جراد منتشر (القمر ۷۷: ترجمہ)۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ینخرجون من الاجداث سراعا کانہم الی نصب



یوسفون (معارج: ۴۳) ترجمہ:-

اور حدیث شریف میں ہے کہ ہم نے نبی کریم علیہ السلام سے کمزوری کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا علیکم بالنسل یعنی تم تیز رفتاری کے ساتھ چلا کرو۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن سورۃ یس آیت: ۵۱ ج ۸ جز ۱۵ ص ۳۱)

معنی آیت:

آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ قبروں سے اٹھ کر جلدی جلدی میدان حشر میں پہنچیں گے اور دوڑے دوڑے چلیں گے۔ اور ان کا دوڑے دوڑے جانا اپنے اختیار میں نہ ہوگا بلکہ یہ جلد بازی اور تیز رفتاری جبری ہوگی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی عجلت کر رہے ہوں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ آن واحد میں اجزاء متفرقہ اور بوسیدہ ہڈیاں جمع بھی ہو جائیں گی اور ترکیب پا کر ان کے اندر زندگی بھی دوڑنے لگے گی اور وہ اٹھ کھڑے ہو کر دیکھیں گے اور پھر میدان حشر کی طرف دوڑ پڑیں گے اور یہ سب کچھ ایک لمحہ میں ہوگا اس کے لئے کسی مدت مدید کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ایک شبہ کا ازالہ:

دوسری آیت مقدسہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے فاذا هم قيام ينظرون اور آیت مذکورہ میں فاذا هم من الاجداث الی ربهم ينسلون فرمایا۔ قیام (کھڑا ہونا) نسلان (تیز رفتاری سے چلنا) دو الگ چیزیں ہیں اور اذانوں جگہ پر مفاجأة کے لئے آیا ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان کا قبروں سے اٹھ کر دیکھتے رہنا یعنی حیران رہنا اور دوڑنا بیک وقت ہوگا۔

اس شبہ کے دو جوابات ہیں (۱) قیام تیز رفتاری کے منافی نہیں ہے کیوں کہ چلنے والا کھڑا ہی ہوتا ہے اور یہ چیز دیکھنے کے منافی نہیں ہے۔ (۲) امور اس تیز رفتاری سے وقوع پذیر ہوں گے گویا کہ سب ہی ایک ہی زمانہ میں واقع ہوئے جیسے شاعر کا یہ شعر

مکر مفر مقبل مدیر معا (کجلمود صخر حطه السبل من عل)  
(☆ تفسیر کبیر ص ۲۹۱ ج ۹ ص ۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱)

یہ آیت اس بات پر بھی دلیل ہے کہ نفعی صرف دو ہوں گے۔

دونفخوں کے درمیان کا وقفہ:

ابن ابی حاتم نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ دونفخوں کے درمیان چالیس

سال کا وقفہ ہوگا بین النفختین اربعون سنتہ (☆ تفسیر ابن ابی حاتم ص ۵۱-۵۲)

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

بین النفختین اربعون قالوا یا ابا ہریرۃ اربعون یوما قال ابیت قالوا اربعون شهرا قال

ابیت قالوا اربعون عاما قال ابیت (☆ صحیح المسلم کتاب الفتن واثرار الساعۃ باب ما بین النفختین)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونفخوں کے درمیان چالیس

وقفہ ہوگا۔ صحابہ نے کہا اے ابو ہریرہ چالیس دن؟ آپ نے فرمایا مجھے یاد نہیں انھوں نے کہا کیا چالیس

مہینے؟ آپ نے فرمایا مجھے یاد نہیں۔ انھوں نے کہا کیا چالیس سال؟ آپ نے فرمایا مجھے یاد نہیں۔

علامہ قرطبی نے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے

ارشاد فرمایا بین النفختین اربعون سنة الاولى یمیت اللہ بها کل حی والاخری

بہ حی الا یمیت کل میت کہ دونفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا پہلے نفعی کے ساتھ اللہ

تعالیٰ ہر زندہ چیز کو موت سے دوچار کرے گا اور دوسرے نفعی سے ہر مردہ کو اللہ تعالیٰ زندگی بخشے گا۔

(☆ تفسیر الجامع لاحکام القرآن ج ۸ جز ۵ ص ۳۱ سورۃ یس: ۵۱ فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۱)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی مظہری نے اپنی تفسیر میں ابوداؤد کے حوالہ سے ابو ہریرہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں دونفخوں کے درمیان چالیس سال کے وقفہ کا

ذکر ہے۔ (☆ تفسیر مظہری سورۃ یس: ۵۱ ج ۸ ص ۹۸)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو عرش

کے نیچے سے بارش برسائے گا اس سے جسم اس طرح اگیں گے جس طرح سبزیاں اور نباتات اگتی ہیں آدمی کی کوئی ایسی چیز باقی نہ ہوگی جو گل سڑ نہ گئی ہو سوائے ایک خفیف ہڈی کے جسے عجب الذنب کہا جاتا ہے۔ اور اسی ہڈی سے قیامت کے روز مخلوق کو مرکب کیا جائے گا۔ جب اجسام مکمل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا اور وہ دوبارہ صور پھونکیں گے تو ہر روح اڑ کر اپنے اپنے جسم میں منتقل ہو جائے گی اور پھر اس سے قبر کو شق کیا جائے گا۔ اور وہ زندہ ہو کر قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اور میدان حشر کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ اور یہ دوڑنا اسرافیل علیہ السلام کا نشور کی طرف پکارنا ہے۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ بیت المقدس ہی ارض محشر ہے۔

(☆ روح البیان ج ۷ ص ۳۱۱ سورۃ یس: ۵۱)

## وقوع قیامت اور کفار کا داویلا:

یہ قیامت کا مذاق و استہزا کرنے والے کفار اس دن جب اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر قیامت کی ہولناکیوں کو ملاحظہ کریں گے تو خوف و دہشت اور سراسیمگی کی حالت میں اپنے سروں کو پیٹیں گے اور کہیں گے وہ قیامت جس کو ہم محال عقلی قرار دے کر اس کا انکار کیا کرتے تھے اور قیامت سے ڈرانے والوں کو مجنون اور دیوانہ سمجھ کر اس کا استہزاء کیا کرتے تھے۔ وہ قیامت تو آج بپا ہو گئی اور ہمیں پکڑ کر یہاں لا کھڑا کر دیا گیا ہے۔ ہم تو یہ گمان کیا کرتے تھے کہ نہ قیامت بپا ہوگی اور نہ ہمیں اپنے کئے کا حساب و کتاب دینا ہوگا۔ آج تو ہم مارے گئے۔ اسی سراسیمگی میں کہیں گے وہ کون ہے جس نے ہمیں آج اپنی خواب گاہوں سے جگا کر یہاں کھڑا کر دیا؟

ابن ابی کعب، ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے کہ وہ یہ قول اس لئے کریں گے کیوں کہ ان سے فقہ اولیٰ اور فقہ ثانیہ کے درمیان عذاب قبر اٹھایا جائے گا پس وہ سو جائیں گے جب فقہ ثانیہ کے بعد انھیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اور قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے تو تباہی و بربادی اور ہلاکت کو پکاریں گے۔ اہل معانی نے کہا کہ جب کفار جہنم اور اس کے مختلف النوع



عذابوں کو ملاحظہ کریں گے تو اس وقت وہ عذاب قبر کو نیند سے تعبیر کریں گے اور کہیں گے ہائے ہم برباد ہو گئے ہمیں اپنی خواہگا ہوں سے کس نے بیدار کیا۔

(☆ معالم التنزیل (بغوی) ج ۳ ص ۲۱۹ سورۃ لیس: ۵۲)

ابن عباس وقتادہ اور ابن ابی کعب کا قول معتزلہ کے عذاب قبر کے انکار کا رد ہے جو وہ یہ کہتے ہیں کہ آیت عذاب قبر کی نفی پر دلالت کرتی ہے حضور ﷺ کا یہ فرمان بھی اسی دلالت پر کرتا ہے کہ دو نفخوں کے درمیان عذاب قبر اٹھایا جائے گا بین النفختین اربعون سنتہ و لیس بینہا قضاء ولا رحمة ولا عذاب الا ماشاء ربک دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہے ان کے درمیان نہ تو کوئی فیصلہ ہے نہ رحمت و عذاب مگر جو کچھ آپ کا رب چاہے گا۔

عذاب قبر کا ثبوت قرآن و حدیث سے:

آیت مذکورہ کے علاوہ درج ذیل آیات کریمہ عذاب قبر کے حق ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱) سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يَرُدُّونَ اِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (توبہ: ۱۰۱)

ہم انھیں عنقریب دو بار عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔

علامہ خازن اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مفسرین کا عذاب اول میں اختلاف ہے

جب کہ عذاب ثانی کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے کیوں کہ اللہ

تعالیٰ کا یہ ارشاد ثم یردون الی عذاب عظیم اس سے مراد عذاب نار ہے جو آخرت میں ہوگا

اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو تین بار عذاب دے گا پہلا دنیا میں، دوسرا قبر میں

اور تیسرا آخرت میں۔ (باب التاویل فی معانی التنزیل للخازن ص ۲۸۰ ج ۳ سورۃ توبہ: ۱۰۱)

ابن ابی حاتم اور طبرانی نے اوسط میں اور وغیرہما نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا

ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا اے فلاں تو نکل

جا تو منافق ہے۔ اے فلاں تو نکل جا تو منافق ہے ان کے نام لے کر انھیں نکالا اور انھیں ذلیل و

خوار کیا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی ضروری کام کی بنا پر جمعہ میں حاضر نہ تھے۔ آپ کی

ملاقات ان سے ہوئی دراں حالیکہ وہ مسجد سے نکل رہے تھے۔ آپ ان سے شرمندگی محسوس کر کے ان سے چھپ گئے کہ آپ جمعہ میں شریک نہیں ہو سکے اور آپ نے یہ گمان کیا کہ لوگ چلے گئے ہیں اور وہ (منافقین) آپ سے چھپ گئے اور یہ گمان کیا کہ آپ کو ان کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔ آپ مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا لوگ تو مسجد میں موجود ہیں، تو ایک آدمی نے آپ سے کہا اے عمر تجھے خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو آج رسوا کیا ہے۔ پس یہ ان کا پہلا عذاب ہے۔ اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔

حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عذاب اول سے مراد ان سے زکوٰۃ لینا ہے جب کہ دوسرا عذاب عذاب قبر ہے ابن اسحق سے مروی ہے کہ پہلا عذاب اہل اسلام کے غضب کو مول لینا ہے جب کہ دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ (☆ روح المعانی ص ۱۷، ۶، سورۃ توبہ: ۱۰۱) (۲) وحاق بال فرعون سوء العذاب النار يعرضون عليها غدوا و عشيا و يوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب (غافر: ۴۵، ۴۶)

ترجمہ:- اور آل فرعون کو برے عذاب نے آگھیرا، آگ جس پر صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان النار يعرضون عليها غدوا و عشيا سے عذاب قبر پر استدلال کیا ہے۔ اسی طرح مجاہد، عکرمہ، مقاتل اور محمد بن کعب میں سے ہر ایک نے کہا ہے کہ یہ آیت عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے اور عذاب آخرت پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان و يوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب دلالت کرتا ہے۔ (☆ الجامع لاحکام القرآن سورۃ غافر/مومن: ۴۵، ۴۶ ص ج ۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا فرعونیوں کی روہیں سیاہ پرندوں کے قالب میں ہر روز دو مرتبہ صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہیں، اور ان سے کہا جاتا ہے یہ آگ تمہارا مقام ہے اور قیامت تک ان کے ساتھ یہی معمول رہے گا۔

(☆ معالم التنزیل للبغوی ص ۲۴۱ ج ۷ سورۃ حم المومن ر غافر ۴۵، ۴۶)

(۳) قالوا ربنا امتنا اثنتين و احیتنا اثنتين (غافر/مومن: ۱۱)

کفار کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی بخشی۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت کے معنی میں اہل تاویل کا اختلاف ہے ابن مسعود ابن عباس، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے کہ وہ اپنے آباء کے صلبوں میں مردہ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا پھر انہیں موت سے دو چار کیا جس سے دنیا میں کوئی چارہ کار ہی نہیں پھر بعثت اور قیامت کے لئے انہیں زندہ کیا پس یہ دو موتیں اور دو زندگیاں ہیں اور سدی کا قول ہے کہ انہیں دنیا میں موت دی گئی پھر انہیں قبروں میں سوال و جواب کے لئے زندہ کیا گیا پھر انہیں موت دی گئی۔ پھر انہیں آخرت میں زندہ کیا جائے گا۔ یہ اس وجہ سے کیوں کہ عرف عام میں میت کا اطلاق نطفہ پر نہیں کیا جاتا۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ علماء کرام نے سوال قبر کے ثبوت پر بھی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اور اگر ثواب و عقاب صرف روح کو ہوتا جسد کو نہ ہوتا تو پھر احیاء اور اماتہ (موت و حیات) کا کوئی معنی نہ ہوتا۔ روح تو بذات خود زندہ ہے اسے موت نہیں ہے اور نہ ہی تغیر و فساد کو قبول کرتی ہے موت اس کی طرف کوئی سبیل نہیں پاتی نہ اس پر غشی طاری ہوتی ہے اور نہ ہی وہ فنا ہوتی ہے۔

(☆ الجامع الاحکام القرآن سورۃ غافر/مومن ۱۱ ص ۲۱۷ ج ۸)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو بار موت اور دو بار حیات کا ذکر کیا ہے ایک موت و حیات تو دنیا میں آگئی اب دوسری موت و حیات کونسی ہے؟ یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے کہ جب قبر میں مردہ کو زندہ کیا جائے اور قیامت کے وقت اس پر پھر موت طاری کی جائے اب یہ کہنا درست ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو دو بار مارا اور دو بار زندہ کیا اور جب قبر میں حیات ثابت ہوگئی تو قبر میں عذاب و ثواب بھی ثابت ہوگا کیوں کہ جو عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں وہ قبر میں حیات کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اور جو مانتے ہیں وہ دونوں کو مانتے ہیں۔

(☆ شرح صحیح مسلم للسعیدی کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمیا ص ۶۰۶ ج ۷ باب عرض مقعد لمیت من الجنۃ او النار علیہ )



## احادیث سے عذاب قبر پر استدلال:

علامہ حافظ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ عذاب قبر کے ثبوت پر بہت سی احادیث صحیحہ اور اخبار متواترہ موجود ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب آدمی کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب واپس پلٹ کر چلے جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز بھی سن لیتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے اٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں ما کنت تقول فی هذا الرجل محمد ﷺ اس آدمی محمد ﷺ کے بارے میں کیا کچھ کہا کرتا تھا؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا تھا کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس سے کہا جائے گا کہ تو جہنم میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ اللہ تعالیٰ نے اس کو بدل کر تمہارا ٹھکانا جنت بنا دیا ہے نبی کریم رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا۔ اور رہا کافریا منافق تو وہ کہے گا میں نہیں جانتا۔ میں وہ بات کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ اس سے کہا جائے گا کہ تم نے کچھ جانا نہ کچھ پایا۔ پھر لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے کانوں کے درمیان ضرب لگائی جائے گی پھر وہ زور سے چیخ مارے گا جس کو جن وانس کے علاوہ سب سنیں گے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب لمیت یسمع حق النعال)

(۲) صحاح ستہ میں عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا۔ تو آپ نے فرمایا انھما لیعدبان ..... ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے وما یعدبان فسی کبیر ، انہیں کسی بڑے گناہ کے باعث عذاب نہیں دیا جاتا۔ پھر آپ نے فرمایا بلسی احدھما فکان یسعی بالنمیمۃ واما الآخر فکان لا یستزہ من بولہ ہاں ان میں سے ایک چغلخوری کرتا تھا جب کہ دوسرا پیشاب سے بچتا نہیں تھا۔ پھر آپ نے ایک تازہ ٹہنی کو لیا اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا پھر ہر ٹکڑے کو ایک ایک قبر پر گاڑ دیا پھر فرمایا لعلہ یخفف عنھما مالہم یسا شاید ان کے عذاب میں اس وقت تک تخفیف ہو جب تک یہ خشک نہ ہوں۔

(بخاری کتاب الجنائز باب عذاب القبر من الغیۃ والبول)

(۳) صحاح ستہ میں حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب مومن قبر میں بیٹھ جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچ ہے یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی عذاب القبر)

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جسے شیخین اور نسائی نے نقل کیا ہے آپ فرماتی ہیں کہ ایک یہودی آپ کے ہاں داخل ہوئی اس نے عذاب قبر کا ذکر کیا اور آپ سے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو عذاب قبر سے بچائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے عذاب قبر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا نعم عذاب القبر ہاں عذاب قبر ہے دوسری روایت میں ہے عذاب القبر حق۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی عذاب القبر)

(۵) ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جہن (بزدلی) بخل، عذاب قبر اور فتنہ صدر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(۶) بخاری، ترمذی اور نسائی نے حضرت سعد سے روایت کیا ہے کہ آپ اپنے بیٹوں کو کہا کرتے تھے کہ ان کلمات کے ساتھ پناہ مانگا کرو جن سے رسول اللہ ﷺ مانگا کرتے تھے۔ الی ان قال پھر آپ نے عذاب قبر کا ذکر فرمایا۔

(۷) حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضور ﷺ سورج غروب ہونے کے بعد باہر نکلے تو آپ نے ایک آواز سنی تو فرمایا یہود کو قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔

(بخاری کتاب الجنائز باب العوذ من عذاب القبر)

(۸) نسائی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے اللھم انی اعوذ بک من الکفر و الفقر و عذاب القبر

(۹) امام مسلم نے زید بن ارقم سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں صرف وہی بات بتاتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی آپ فرمایا کرتے تھے

اللهم انى اعوذ بك من العجز و الكسل و الجبن و البخل و عذاب القبر  
ان کے علاوہ دیگر کئی احادیث آپ نے نقل کی ہیں۔

(☆ عمدة القاری کتاب الجنائز باب الميت یسمع خفق النعال)

عذاب قبر کی نفی پر دلالت کرنے والی آیات کا صحیح مفہوم:

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں اثبات عذاب قبر مذہب اہل السنۃ والجماعت ہے  
جب کہ ضرار بن عمرو، بشر مرسی اور اکثر متاخرین معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں۔ انھوں نے قرآن  
کریم کی درج ذیل آیات سے بھی استدلال کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یدوقون فیہا الموت  
الا الموتۃ الاولی (الدخان: ۵۶) یعنی وہ جنت میں پہلی موت کے علاوہ موت نہیں چکھیں گے۔  
اگر وہ قبروں میں زندہ ہوتے تو پھر دوبارہ موت کا ذائقہ چکھتے نہ کہ ایک موت کا۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ما انت بمسمع من فی القبور (الفاطر: ۲۲)

یہاں سیاق کلام سے غرض کفار کو عدم سماع میں اہل قبور سے تشبیہ دینا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ ان کے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔  
پہلی آیت کا جواب یہ ہے کہ اہل جنت، جنت میں موت کو نہیں چکھیں گے اور جس  
طرح دنیاوی نعمتیں موت سے منقطع ہو گئی تھیں جنت میں ان کی نعمتیں منقطع نہیں ہوں گی۔ آیت  
کریمہ میں کوئی دلیل اس بات پر نہیں کہ مسالمت کے بعد اور دخول جنت سے قبل ان پر کوئی موت  
وارد نہیں ہوگی۔

اور الاموتۃ الاولیٰ جنت میں موت کے نہ آنے پر علی سبیل التعلیق بالمحال تاکید ہے  
گویا کہ یہ کہا گیا کہ اگر پہلی موت کا چکھنا ممکن ہوتا تو وہ جنت میں پہلی موت چکھ لیتے لیکن یہ ناممکن  
ہے۔ پس جنت میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الموتۃ الاولیٰ سے مراد جنس موت ہے اور یہ موت  
کی تعداد کے منافی نہیں کیوں کہ جنس متعدد کو بھی شامل ہوتی ہے۔ اس کی دلیل حضرت موسیٰ علیہما



السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کا کثیر موتی کو زندہ کرنا ہے اور یہ چیز آیت کی اس تاویل کو واجب کرتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔

دوسری آیت کا جواب یہ ہے کہ اہل قبور کا عدم اسماع ان کے عدم ادراک کو مستلزم نہیں

ہے۔ (عمدة القاری کتاب الجنائز باب المیت یسمع خلق النعال ص ۲۰۳ ج ۶)

اس آیت کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے اہل قبور حاسہ سمع یعنی کانوں سے نہیں سنتے کیوں کہ جسم تو کچھ عرصہ بعد گل سڑ کر مٹی بن جاتا ہے لہذا اس آیت میں جو اس سے سننے کی نفی ہے اہل قبور جو اس سے نہیں بلکہ روح کی قوت سے سنتے ہیں۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ آپ انہیں سنا نہیں سکتے مگر اللہ تعالیٰ انہیں سنانے پر قادر ہے۔

**عذاب قبر کے عدم پر عقلی دلائل اور ان کا جواب:**

علامہ ابی لکھتے ہیں کہ منکرین عذاب قبر کی دلیل یہ ہے کہ میت سے سوال کرنا اور اس کو عذاب دیا جانا عقل اور مشاہدے کے خلاف ہے کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کو قتل کر دیا گیا یا سولی پر چڑھایا گیا اور ایک مدت تک اس کی لاش پڑی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کے اجزاء پھٹ جاتے ہیں اور ہم اس پر سوال و جواب اور عذاب دیئے جانے کے کوئی آثار نہیں پاتے۔ اسی طرح جس شخص کو درندے یا پرندے کھا جاتے ہیں اور اس کے اجزاء ان کے پیٹ یا پوٹوں میں ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ واضح یہ ہے کہ جو شخص جل کر راکھ ہو جاتا ہے تو ان کے متعلق سوال و جواب اور عذاب کا دعویٰ کرنا عقل کے خلاف ہے۔

علامہ ابی کہتے ہیں علامہ ابن باقلانی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مستبعد نہیں ہے کہ جس شخص کو سولی پر چڑھایا گیا ہو اور اس میں دوبارہ روح لوٹادی جائے اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس آتے تھے اور حاضرین ان کا مشاہدہ نہیں کر پاتے تھے اسی طرح جو شخص کسی درندے کے پیٹ یا پرندے کے پوٹے میں ہو یا جل گیا ہو اس کے کسی ایک جز میں روح لوٹادی جائے تو یہ ممکن ہے اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا زیادہ

سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ خرق عادت بات ہے اور تمام امور آخرت خرق عادت ہی ہیں۔

(☆ اکمال اکمال معلم کتاب الجنة وصفة نعيمها ص ۲۳۲ ج ۷)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مردہ اپنی قبر میں اپنی حالت پر ہوتا ہے اسے کیسے اٹھایا جاتا ہے اور اس پر لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے اور اس کا کوئی اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممتنع نہیں ہے بلکہ اس کی نظیر عام زندگی میں بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ سویا ہوا شخص حالت نیند میں لذت و آرام پاتا ہے لیکن ہمیں اس کا شعور نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک بیدار شخص سننے یا غور و فکر سے لذت یا الم کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے لیکن اس کا ہمنشین یہ سب کچھ اس سے نہیں دیکھ سکتا۔

علامہ نووی فرماتے ہیں ہمارے اصحاب نے کہا کہ حدیث میں مذکور اقعاد (کھڑا کرنا) میں یہ احتمال ہے کہ شاید یہ مقبورین کے ساتھ خاص ہونہ کہ ان کے لئے بھی جہنمیں کسی درندہ وغیرہ نے کھالیا ہو اور جہاں تک لوہے کے ہتھوڑوں کے ساتھ مارنے کا تعلق ہے یہ ممتنع نہیں ہے۔

(☆ شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۳۸۶ کتاب الجنة صفته و نعيمها باب مقعد الميت من الجنة والنار و اثبات عذاب القبر الخ)

کیا عذاب قبر روح کو ہوگا یا روح مع الجسد کو ہوگا:

اس مسئلہ میں متکلمین کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک صرف روح کو عذاب قبر ہوگا جب کہ بعض کے نزدیک روح مع الجسد کو عذاب قبر ہوگا۔ اور ہر ایک نے اپنی موقف کی تائید میں دلائل دیئے ہیں میرے نزدیک قبر میں زندگی کی ایک نوع کا لوٹایا جانا جس سے وہ لذت و الم کی کیفیت سے دوچار ہو حق ہے باقی رہا یہ کہ عذاب قبر روح کو ہوگا یا روح مع الجسد کو، تو اس میں توقف ہے۔ عذاب قبر کے حق ہونے پر کتاب و سنت اور آثار سے دلائل کثیرہ موجود ہیں۔ اور کسی بھی آیت یا حدیث میں اس بات کی صراحت موجود نہیں کہ عذاب صرف روح کو ہوگا یا روح مع الجسد کو اور علامہ تفتازانی نے بھی شرح المقاصد میں توقف ہی کو اختیار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کی طرف حیات کی ایک نوع کی اتنی مقدار لوٹائے گا جس سے وہ لذت یا الم کو پا سکے اور اس پر کتاب و سنت اور آثار گواہ ہیں لیکن انھوں نے اس میں توقف کیا ہے کہ کیا یہ عذاب فقط روح کو ہوگا یا روح مع الجسد کو اور یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ حیات بدون الروح ممتنع ہے ممنوع ہے۔ یہ اس حیات کاملہ میں ہے جس کے ساتھ قدرت اور افعال اختیار یہ ہوتے ہیں۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت میں قدرت اور افعال اختیار یہ پیدا نہیں فرماتا۔ (۵۸ شرح المقاصد ص ۲۲۳ ج ۲ باب عذاب القبر حق)

اموات قبروں میں دنیا والوں کے لئے نیک تمنائیں اور دعائیں کرتے ہیں: انبیاء، شہداء، اولیاء کرام اور مومن اپنی قبروں میں بھی دنیا والوں کے لئے نیک تمنائیں اور دعائیں کرتے ہیں۔ آیت زیر بحث میں جب صاحب لیس کو قتل کر دیا جاتا ہے اور حق کوئی کے صلہ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے جنت عطا فرماتا ہے تو وہ ان اخروی لازوال نعمتوں کو دیکھ کر یہ آرزو کرتا ہے کاش کہ اس کی قوم اللہ تعالیٰ کے اس پر ہونے والے انعامات و اکرامات کو جان لیتی یا لیت قومی يعلمون قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ شہداء کے مقام و مرتبہ کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:-

لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أحياء عند ربهم يرزقون (ال عمران، ۱۶۹)

ترجمہ:- ہرگز خیالی نہ کرو کہ وہ جو قتل کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (اور) رزق دیئے جاتے ہیں۔

عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی غزوہ احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پونوں میں رخصا وہ جنت کی نہروں پر وارد ہوتی ہیں اور جنت کا پھل کھاتی ہیں اور عرش کے زیر سایہ سونے کی قندیلوں میں



بسیرا کرتی ہیں جب انہوں نے اپنے کھانے پینے کی پاکیزگی و عمدگی کو پایا اور اپنے قیلولہ کرنے کی جگہ کو عمدہ پایا تو وہ بول پڑیں کاش کہ ہمارے بھائیوں کو اللہ تعالیٰ کے ہمارے اوپر ہونے والے احسانات کا علم ہوتا تا کہ وہ جہاد سے روگردانی نہ کرتے اور حرب سے منہ نہ موڑتے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا میں تمہاری طرف سے انہیں یہ پیغام پہنچاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۷، سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی فضل الشہادۃ، تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۲۰۶ جز ۴، معالم التنزیل للبغوی ج ۱ ص ۵۷۴) مسلم شریف کتاب الجہاد باب فضل الشہداء سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ آرزو کرنے والے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ جب انہوں نے خیر میں سے رزق پایا تو یہ تمنا کی کہ کاش ہمارے بھائیوں کو اس خیر کا علم ہوتا جو ہمیں حاصل ہوا تا کہ جہاد میں ان کی رغبت زیادہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری طرف سے انہیں بتا دوں گا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

(الجاح لاحکام لاقراء القرآن للقرطبی ج ۲ جز ۴ ص ۲۰۷)

الاخلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو الا المتقین (زحرف: ۶۷)

ترجمہ:- گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ بجز ان کے جو متقی (پرہیزگار) ہیں۔ اس آیت کے ذیل میں علامہ ابن کثیر، قرطبی، اور علامہ بغوی لکھتے ہیں، علامہ بغوی اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دو مومن دوست اور دو کافر دوست تھے مومن دوستوں میں سے ایک کی وفات ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے پروردگار فلاں شخص مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا مجھے خیر کا حکم دیتا شر سے منع کرتا اور مجھے تیری ملاقات کی خبر دیتا۔ میرے پروردگار میرے بعد اسے گمراہ نہ کرنا اسے بھی یونہی ہدایت پر گامزن رکھنا جیسا کہ تو نے مجھے ہدایت پر ثابت قدم رکھا اور اسے بھی وہی عزت بخش جو تو نے مجھے بخشی جب اس کے دست کا انتقال ہوا تو ان دونوں کی روحوں کو جمع کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کی مدح کرے تو وہ گویا ہوئے کہ یہ بہترین بھائی، دوست اور

ہمنشین تھا۔ جب کافر دوستوں میں سے ایک مر گیا تو اس نے کہا پروردگار فلاں شخص مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت سے روکتا تھا مجھے شر کا حکم دیتا اور بھلائی سے روکتا تھا۔ اور تیرے ساتھ عدم ملاقات کا کہتا۔ وہ بدترین بھائی دوست اور ہمنشین تھا۔ (معالم التنزیل للبعوی ص ۴۰۵ ج ۵، تفسیر ابن کثیر ص ۱۳۴ ج ۴، الجامع لاحکام القرآن قرطبی ج ۸ جز ۱۶ ص ۸۰)

مذکورہ بالا آیات اور ان جیسی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقبوریں نہ صرف قبروں میں زندہ ہوتے ہیں بلکہ وہ دنیا والوں کے لئے نیک تمنائیں اور دعائیں بھی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں اور تمنائوں کو شرف قبولیت سے بھی نوازتا ہے۔

### سماع موتی قرآن کی روشنی میں:

قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اموات قبروں میں دنیا والوں کی آوازوں کو سنتے بھی ہیں ان کا جواب بھی دیتے ہیں ہم ان چند آیات کا ذکر کریں گے جو سماع موتی پر دلیل کرتی ہیں۔

(۱) فتولی عنہم وقال یقوم لقد ابغتکم رسالۃ ربی و نصحت لکم ولکن لاتحبون النصحین (اعراف: ۷۹) ترجمہ:- تو (صالح) نے منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور (بعد حسرت) کہا اے میری قوم! بے شک پہنچا دیا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں نے خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم پسند ہی نہیں کرتے خیر خواہوں کو۔

علامہ ابن جوزی حنبلی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قال قتادة ذکر لنا ان صالحا سمع قومہ کما اسمع نبیکم قومہ بعد موتہم

ترجمہ:- قتادہ نے فرمایا ہمیں بتایا گیا کہ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اسی طرح سنایا جس طرح

تمہارے نبی ﷺ نے اپنی قوم کو ان کی موت کے بعد سنایا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۴)

علامہ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں:

قال لهم صالح ذالک بعد هلاكهم تقریعا و توبيخا و هم یسمعون ذالک کما

ثبت فی الصحیحین ان رسول اللہ ﷺ لما ظهر علی بدر اقام هناك ثلاثا ثم امر برأ حلتہ فشدت بعد ثلاث من اخر اللیل فرکبها ثم سار حتی وقف علی القلب قلب بدر فجعل یقول یا ابا جہل بن ہشام یا عتبہ بن ربیعۃ یا شیبہ بن ربیعۃ یا فلان بن فلان هل و جدتم ما وعد ربکم حقا فانی وجدت ما وعد ربی حقا فقال له عمر یا رسول اللہ ما تکلم من اقوام قد جیفوا فقال والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منهم ولكن لا یجیبون (تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۳۵)

ترجمہ:- حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں ان کی ہلاکت کے بعد زبردستی بخیر کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا، دریاں حالیکہ وہ اسے سن رہے تھے۔ جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بدر کے مقام پر فتح حاصل ہوئی تو آپ نے وہاں پر تین دن قیام فرمایا۔ پھر آپ نے اپنی سواری لانے کا حکم دیا تیسرے دن رات کے آخری حصہ میں آپ کی سواری پر زین ڈالی گئی پس آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے پھر آپ چل پڑے حتیٰ کہ بدر کے کنوؤں میں سے ایک کنویں پر رک گئے اور یہ فرمانے لگے اے ابو جہل بن ہشام، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے فلاں بن فلاں کیا تم نے اپنے ساتھ کئے گئے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟ یقیناً میں نے اس وعدہ کو سچا پایا جو میرے رب نے میرے ساتھ کیا تھا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے عرض کی یا رسول اللہ آپ اس قوم سے خطاب فرما رہے ہیں جو بدبودار جتنے ہو چکے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ میری بات کو سن نہیں سکتے۔ لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

(۲) فتولی عنہم وقال یقوم لقد ابلغتکم رسالات ربی و نصحت لکم فکیف

اسی علی قوم کفرین (اعراف: ۹۳)

ترجمہ:- تو منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور کہا اے میری قوم! بے شک میں نے پہنچا دیئے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی تو (اب) کیوں کر غم کروں میں کافر



قوم (کے ہولناک انجام) پر۔

علامہ ابن جوزی حنبلی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:-

قال قتاده اسمع شعيب قومه كما اسمع نبيكم قومه يوم بدر انه خاطبهم بعد

الهلاك (زاوالسیر ج ۳، ص ۱۷۹)

ترجمہ:- قتادہ نے فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو اسی طرح سنایا جیسا کہ تمہارے

نبی ﷺ نے اپنی قوم کو ان کی ہلاکت کے بعد خطاب کیا تھا۔

علامہ ابن کثیر دمشقی فرماتے ہیں:-

ای فتولی عنهم شعيب عليه السلام بعد ما اصابهم من العذاب والنقمة والنكال

وقد قال مقرر عا لهم و موبحا يقوم لقد ابلغتكم رسالات ربي و نصحت لكم

(تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۲۳۸)

ترجمہ:- یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں عذاب، انتقام اور عبرتناک سزا پہنچنے کے بعد ان

سے منہ موڑا اور انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا اے میری قوم میں نے تم تک اپنے رب کے

پیغامات کو پہنچا دیا تھا اور تمہیں نصیحت کی تھی۔

(۳) ونفخ فی الصور فاذا هم من الاجداث الی ربهم ينسلون (-سین ۵۱)

ترجمہ:- اور جب (دوبارہ) صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار

کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے۔

اس آیت میں بھی سماع موتی پر دلیل موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ جب نفلہ اولی ہوگا تو

تمام ذی روح مخلوق مرجائے گی اور موت سے دو چار ہوگی۔ پھر نفلہ ثانیہ ہوگا جس کی آواز مردے

اپنی اپنی قبروں میں یا جہاں کہیں ان کے اصلی اجزاء ہوں گے وہ اُسے سنیں گے اور پھر دوبارہ زندہ

ہو کر میدانِ حشر کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ الر سماع موتی ممکن نہ ہوتا تو مردے اس

آواز کو بھی نہ سکتے معلوم ہوا کہ سماع موتی جائز بلکہ قرآن کی بہت سی آیات سے ثابت ہے۔

(۴) واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الهة يعبدون (زحرف: ۴۵)

ترجمہ:- اور آپ ان سے پوچھئے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے ہیں خداوندِ رحمن کے علاوہ اور خدا تا کہ ان کی پوجا کی جائے۔  
ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:-

ای جمیع الرسل دعوا مادعوت الناس الیہ من عبادة الله ونهوا عن عبادة الانسداد یعنی تمام رسولوں نے بھی تمام لوگوں کو وہی دعوت دی جو آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت لوگوں کو دیتے ہیں اور اس کا شریک بنانے سے انہوں نے روکا۔

وقال عبدالرحمن بن زید بن اسلم و اسالہم لیلۃ الاسراء فان الانبیاء علیہم السلام جمعوا الہ

آپ ان انبیاء سے سوال کریں لیلۃ الاسراء کو کیوں کہ اس رات تمام انبیاء علیہم السلام کو آپ کے لئے جمع کیا گیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۲۹)

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

قال ابن زید و ابن عباس لما اسرى برسول الله ﷺ من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى و هو مسجد بيت المقدس بعث الله له ادم ومن بعد من المرسلين و جبريل مع النبي ﷺ فاذن جبريل عليه السلام ثم اقام الصلوة ثم قال يا محمد تقدم فصل بهم فلما فرغ رسول الله ﷺ قال له جبريل عليه السلام سل يا محمد من ارسلنا من قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الهة يعبدون فقال رسول الله ﷺ لا اسئل قد اکتفیت

(الجامع الاحکام القرآن ج ۸ ج ۱۶ ص ۷۰) (زاد المسیر ج ۷ ص ۱۳۸)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عباس اور عبد الرحمن ابن زید سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ کو مسجد

حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کروائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی اولاد میں سے مرسلین کو مبعوث فرمایا اور جبریل امین علیہ السلام حضور ﷺ کی معیت میں تھے تو جبریل نے آذان دی پھر نماز کے لئے اقامت کہی پھر کہا اے محمد (ﷺ) آگے بڑھ کر انہیں نماز پڑھائیے۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو جبریل نے آپ سے کہا اے محمد ﷺ آپ ان سے پوچھئے جنہیں ہم نے آپ سے قبل رسول بنا کر بھیجا کیا ہم نے رحمن کے سوا دوسروں کو معبود بنایا ہے جن کی یہ عبادت کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نہیں پوچھتا مجھے یہی چیز کافی ہے۔ (یعنی مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے)۔

یہ تمام آیات مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ موت سماع سے مانع نہیں ہے اور نہ ہی موت فنا محض کا نام ہے۔ بلکہ موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے اگر موت فنا محض ہوتی تو پھر عذاب و ثواب کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پرندوں سے خطاب:-

واذ قال ابراهيم رب انى كيف تحى الموتى قال اولم تؤمن قال بلى ولكن ليطمنن قلبى قال فخذ اربعة من الطير فصرهن اليك ثم اجعل على كل جبل منهن جزءا ثم ادعهن ياتينك سعيا واعلم ان الله عزيز حكيم (البقرہ: ۲۶۰)

ترجمہ:- اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے پروردگار دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو فرمایا (اے ابراہیم) کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے۔ عرض کی ایمان تو ہے (لیکن یہ سوال اس لئے ہے) تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل فرمایا تو پکڑ لے چار پرندے پھر مانوس کر لے انہیں اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا۔ پھر بلا انہیں چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے۔

بقول مفسرین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندوں کو لیا انہیں ذبح کیا ان کے پروں کو اکھاڑا گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کئے۔ اور ان کے گوشت خون اور پروں کو ملایا اور پھر انہیں



پہاڑوں پر ڈال دیا ان کے سروں کو اپنے ہاتھ میں رکھا۔ پھر آپ نے انہیں بلایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم آؤ۔ ہر پرندہ کا ہر قطرہ خون دوسرے قطرے کے ساتھ پر ہر دوسرے پر کیسا تھ اور ہر گوشت و ہڈی کا ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دیکھتے ہوئے ہوا ہی میں ملا اور پھڑ پھڑاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ جب بھی کوئی پرندہ آپ کے پاس آتا آپ ایک سرا اس کے قریب کر دیتے اگر وہ اس کا سر ہوتا تو وہ اس کے سر کے قریب ہو جاتا ورنہ رکتا۔ یہاں تک کہ وہ سارے کے سارے اپنے سروں کے ساتھ مل گئے۔

اس آیت کریمہ سے درج ذیل نکات مترشح ہوتے ہیں۔

- (۱) موت فنائے محض کا نام نہیں ہے۔
- (۲) موت سماعت کے منافی نہیں ہے اگر ایسی چیز ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ مردہ پرندوں کو بلانے کا حکم نہ دیتا۔
- (۳) مردے زندہ لوگوں کے کلام کو سنتے ہیں بلکہ سن کر جواب بھی دیتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بلانے پر مردہ پرندوں نے آپ کے کلام کو سنا بھی اور سراپا امتثال بن کر آپ کی بارگاہ میں حاضر بھی ہوئے۔

سماع موتی احادیث کی روشنی میں:

اب ہم اختصار کے ساتھ چند ان احادیث کو پیش کرتے ہیں جو سماع موتی پر دلالت کرتی ہیں۔

- (۱) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں اطلع النبی ﷺ علی اهل القلب فقال وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فقیل له اتدعو امواتا فقال ما انتم باسمع منهم ولكن لا یجیبون (بخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی عذاب القبر)

ترجمہ: حضور ﷺ نے گڑھے والوں (بدر کے مشرکین مقتولین) پر جھانک کر فرمایا "کہا تم نے اس چیز کو حق پایا جس کا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا۔ تو آپ سے عرض کی گئی کیا

آپ اموات سے خطاب فرما رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن یہ جواب دینے سے قاصر ہیں۔

(۲) مالک بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ان النبی ﷺ امر بیوم بدر باربعة و عشرين رجلا من صنادید قریش فقد فوا فی طوی من اطواء بدر خبیث مخبث و کان اذا ظهر علی قوم اقام بالعرصة ثلاث لیل فلما کان ببدر الیوم الثالث امر بر اخلته فشد علیها راحلتها ثم مشی و اتبعه اصحابه و قاموا مانری ینطلق الا لبعض حاجته حتی قام علی شقه الرکی فجعل ینادیهم باسمائهم و اسماء ابائهم یا فلان بن فلان یا فلان بن فلان ایسرکم انکم اطعمتم اللہ و رسولہ؟ فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا؟ قال فقال عمر یا رسول اللہ ماتکم من لا اجساده ولا ارواح لها فقال رسول اللہ ﷺ و الذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منهم (بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل)

حضور ﷺ نے یوم بدر کو چوبیس قریش کے سرداروں کو کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا تو انہیں بدر کے ایک کنویں میں پھینک دیا گیا جو خبیث و مخبث تھا۔ آپ ﷺ جب کسی قوم پر فتح پاتے تو میدان میں تین راتیں وہاں قیام کرتے۔ جب بدر میں تیسرا دن تھا تو آپ ﷺ نے اپنی سواری لانے کا حکم دیا تو اس پر زین ڈالی گئی۔ پھر آپ چل پڑے۔ آپ کے صحابہ آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ اور پھر رک گئے ہمارا خیال تھا کہ آپ ﷺ کسی حاجت کے لئے جارہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کنویں کے کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے انہیں ان کے ناموں اور ان کے آباء کے ناموں سے پکارنا شروع کر دیا اے فلاں بن فلاں اے فلاں بن فلاں کیا تمہیں یہ بات خوش کرتی ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے؟ ہم نے تو اس وعدہ کو سچا پایا جو ہمارے رب نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔ کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچا پایا جو تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ان کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں جن کے اجساد ہیں اور نہ ارواح۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (فداہ ابی وامی) کی جان ہے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔

(۳) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:-

ان النبی ﷺ قال ان العبد اذا وضع فی قبره و تولى عنه اصحابه و انه يسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فتقعدانه فيقولان ما كنت تقول في هذا الرجل؟ لمحمد ﷺ فاما المؤمن فيقول اشهد انه عبد الله و رسوله فيقال له انظر الى مقعدك من النار ابدلك الله به مقعدا من الجنة فيراهما جميعا قال قتاده و ذكر لنا انه يفسح في قبره ثم رجع الى حديث انس قال واما المنافق و الكافر فيقال له ما كنت تقول في هذا الرجل فيقول له لا ادرى كنت اقول ما يقوله الناس فيقال لا ادريت ولا تليت و يضرب بمطارق من حديد ضربة فيصبح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين (بخاری کتاب الجنائز باب عذاب القبر)

ترجمہ:- نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب کسی شخص کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے اصحاب واپس چلے جاتے ہیں تو وہ ان کے پاؤں کی آواز کو بھی سن لیتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اسے کہتے ہیں اس شخص (محمد ﷺ) کے بارے میں تو کیا کہا کرتا تھا۔ مومن کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہے تو اسے کہا جاتا ہے اپنے جہنم کے ٹھکانے کی طرف دیکھ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے تیرے اس ٹھکانے کو جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا پس وہ ان دونوں کو دیکھ لیتا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں ہمیں بتایا گیا کہ اس کی قبر کو کشادہ کیا جاتا ہے پھر حدیث انس کی طرف لوٹے اور فرمایا منافق اور کافر کو کہا جاتا ہے کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا تو وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا میں وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ اس کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ تو اس سے کہا جاتا ہے تو نے نہ جانا اور نہ تلاوت کی پس اسے لوہے



کے ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے اور وہ ایسی چیخ مارتا ہے کہ اس کے گرد و نواح کی ہر چیز سوائے جن و انس کے اسے سن لیتی ہے۔

(۴) مسند امام احمد میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کا گزر قبروں کے پاس سے ہوا تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا السلام علیکم مر رسول اللہ ﷺ بقبور فاقبل علیہم بوجہہ فقال السلام علیکم

(۵) روی ابن ابی دنیا عن مجمع بن جارية ان رسول اللہ ﷺ انتہی الی المقبرة فقال السلام علی اهل القبور

رسول اللہ ﷺ قبرستان پہنچے تو آپ نے فرمایا السلام علی اهل القبور

(۶) عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه اتی المقبرة فسلم علیہم وقال رايت رسول اللہ ﷺ یسلم علیہم

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ایک قبرستان تشریف لائے ان پر سلام کیا اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان پر سلام کرتے ہوئے دیکھا۔

(۷) عند ابن عبد البر بسند صحیح مامن احدیمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفه ورد علیہ السلام

ابن عبد البر نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جو بھی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ جانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ پہچانتا بھی ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے۔

(۸) کان ابن عمر اذا قدم من سفر اتی قبره المکرم فقال السلام علیکم یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابتاہ

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سفر سے واپس لوٹتے تو حضور ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہو کر السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابابکر اور السلام علیک یا ابتاہ فرماتے۔

(نوٹ) یہ آخری احادیث عمدۃ القاری سے ماخوذ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۹۴/۹۵، کتاب الجنائز باب ما جاء فی مذاہب القبر)

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ شارع علیہ السلام ہر سال کے اختتام پر شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے اور فرماتے السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار تم پر سلامتی ہو اس صبر کے بدلے جو تم نے کیا۔ پس آخرت کا گھر کتنا عمدہ ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (عمدة القاری ج ۶ ص ۹۴، کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر)

(۹) علامہ ابن اثیر جذری نے اسد الغابہ کے اندر نقل کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور ﷺ کے وصال کے بعد شام میں سکونت اختیار کی تو حضور ﷺ آپ کو ایک بار خواب میں تشریف لائے اور فرمایا اے بلال کب تک یہ جفا رہے گی۔ کیا اب بھی آپ ہماری زیارت نہیں کریں گے۔ تو آپ حزن و ملال کی حالت میں بیدار ہوئے اور مدینہ کی طرف سوار ہو کر تشریف لائے۔ قبر نبی ﷺ پر حاضر ہوئے اور اس کے پاس رونا شروع کیا، الخ۔

(اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۰۷ ترجمہ۔۔۔۔ بن رباح، شفاء القام ص ۵۳ باب ثالث، نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۵۶ کتاب الحج باب تحلل المحصر عن العمرۃ)

ابن ابی شیبہ مالک بن درداء سے روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک بار لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر گیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اپنی امت کیلئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ بوجہ قحط ہلاک ہو رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر کے پاس جاؤ ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی۔ اور ان سے کہو تم پر سو جھ بوجھ لازم ہے پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور انہیں خبر دی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور عرض کرنے لگے اے پروردگار میں اس چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے عاجز آتا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۶۷، الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۹۰-۳۸۹، فتح الباری ج ۲ ص ۶۳۰ کتاب الاستسقاء باب ۳، الاستعاب ج ۲ ص ۷۷ ترجمہ عمر)

(۱۰) علامہ ابن کثیر سورۃ نساء کی اس آیت ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفر الله واستغفر لهم الرسول لوجد الله توابا رحیما“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے گناہگاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ اور غلطی سرزد ہو جائے تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جائیں اور آپ کے پاس بارگاہ الہی میں استغفار کریں اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے لئے رب کے ہاں سفارش کی درخواست کریں جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے، ان میں شیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں عقی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر پر بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی نے آکر کہا السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک الخ“ اور میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں میں اپنے گناہوں پر استغفار کرتا ہوں اور آپ کی شفاعت رب کی بارگاہ میں طلب کرتا ہوں۔ پھر یہ اشعار پڑھے،

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمه      فطاب من طیہن القاع والا کم  
نفسی الفداء لقبر انت ساکنه      فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

ترجمہ: اے وہ ذات جو زمیں میں مدفون ہیں سب سے افضل ہے جنکی خوشبو سے زمین اور نیلے خوشبودار ہو گئے۔ میری جان اس قبر پر فدا ہو جس کے آپ ساکن ہیں اسمیں عفو، سخاوت اور لطف و کرم ہے۔

پھر وہ اعرابی چلا گیا عقی بیان کرتے ہیں مجھ پر نیند غالب آگئی میں نے خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی آپ نے فرمایا اے عقی اس شخص سے ملو اور اسے خوشخبری دو اللہ تعالیٰ نے اسکی مغفرت کر دی۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰، الجامع الاکام القرآن ج ۱ ص ۱۰۰، مدارک التذیل ج ۱ سورۃ نساء، ۶۴)

سعید بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ ایام حرہ میں تین روز تک مسجد نبوی میں آذان نہیں



دی گئی نہ جماعت ہوئی سعید بن مسیب مسجد سے نہ نکلے نماز کا وقت انہیں صرف اس آواز سے ہوتا تھا جو انہیں قبر نبی ﷺ سے سنائی دیتی۔ (مشکوٰۃ باب الکرامات ص ۵۴۵، مسند الدارمی ج ۱ ص ۲۲۷ حدیث ۹۴ باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ بع موتہ، وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۲۶)

قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ محققین کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں آپ اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور انبیاء کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے حالانکہ مطلق ادراک جیسے سمع (سننا) اور علم تو تمام موتی کیلئے ثابت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح / مرفوع حدیث سے ثابت ہے ”جو شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے الخ“

دوسری روایت میں ہے کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا وہ اسے سلام کرے تو وہ اسے جانتا بھی ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اور اگر ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرے جسے وہ جانتا نہیں تھا تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ جنت البقیع کے موتی کی زیارت کیلئے نکلا کرتے تھے اور انہیں سلام کیا کرتے تھے۔ یہ حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اسے مندری نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے اسکی تصحیح کی ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں نبی کریم علیہ السلام سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا میں معراج کی رات قبر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا کتیب احمد میں آپ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔

(نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۳۴ کتاب الجمعة باب فضل الجمعة وذکر ساعۃ الاجلۃ)

علامہ قاضی شوکانی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں ابو منصور بغدادی لکھتے ہیں ہمارے اصحاب میں سے محققین متکلمین نے کہا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں انتہی۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں انکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ بات ثابت ہے کہ شہداء زندہ ہیں اپنی قبروں میں رزق پاتے ہیں نبی ﷺ انہیں میں سے ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں تو آپ کی طرف آپ کی موت کے بعد آنا بھی ایسے ہی ہے جیسے زندگی میں اس سے

قبل آپ کے پاس حاضر ہونا تھا۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۴۵۴ کتاب الحج باب تحلل المحصر عن العمرۃ) وہ مزید لکھتے ہیں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ صحیح حدیث وہ ہے جسے امام احمد اور ابو داؤد نے ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے ”جو شخص بھی مجھ پر سلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔ بیہوشی نے اسی سے باب باندھا ہے قاضی شوکانی لکھتے ہیں اس میں مسلم علیہ کا آپ کی قبر پر ہونے میں ہی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ اس سے اعم ہے (یعنی اگر بعید سے بھی سلام کیا جائے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو لوٹا دیتا ہے اور آپ اسے سن کر جواب دیتے ہیں۔) (نیل الاوطار ج ۳ ص ۴۵۶ کتاب الحج باب تحلل المحصر عن العمرۃ)

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں ہزاروں لوگوں نے حضور ﷺ کی قبر انور پر سلام کیا اور جواب پایا۔ اور دیگر صالحین کی قبروں سے بھی سلام کا جواب سنا ثابت ہے۔ سعید بن مسیب نے ایام حرہ میں حضور ﷺ کی قبر انور سے آذان سنی یہ سب حق ہے اس میں ہمارا کسی سے اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عمر کے زمانہ میں ایک شخص نے آکر قبر انور پر قحط سالی کی شکایت اس نے حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی حضور ﷺ نے فرمایا عمر سے کہو نماز استسقاء پڑھے بارش ہوگی۔ ایسے واقعات تاریخ اسلام میں کثرت سے ملتے ہیں جو حق ہیں۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۷۳) میں کہتا ہوں کہ یہی علماء اہلسنت و جماعت کا عقیدہ اور موقف ہے۔ اور یہی اسلاف اور صلحاء امت کا عقیدہ بھی۔ سماع موتی اور نداء موتی جائز اور قرآن و سنت اور اقوال سلف سے ثابت اور حق ہیں اور ان سے انکار کرنا شذوذ اور بدعت کو ملتزم ہے اور قرآن و سنت سے عدم واقفیت کی بین دلیل بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعصب، ہٹ دھرمی سے بچائے اور حق کو حق سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے۔ بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آمین یا رب العالمین۔

ان تمام آیات و احادیث سے سماع موتی اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔ نیز زیارت قبور کے جواز پر بھی یہ احادیث دلالت کرتی ہیں۔

سماع موتی کے عدم جواز پر دلائل اور ان کے جوابات:

ہم نے قرآن و حدیث سے سماع موتی کے ثبوت پر دلائل قائم کئے ہیں لیکن اس کے برعکس چند آیات و احادیث ایسی بھی موجود ہیں جن سے بظاہر سماع موتی کا عدم جواز ثابت ہو رہا ہے لہذا ضروری ہوا کہ ہم ان دلائل کو مع جوابات تحریر کر دیں تاکہ حق واضح ہو جائے۔

سماع موتی کے عدم جواز پر جن آیات کریمہ کو پیش کیا جاتا ہے ان میں سب سے پہلے آیت پیش کی جاتی ہے۔

(۱) انک لاتسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین وما انت بهدی العمی عن ضلالتهم ان تسمع الا من یؤمن بایتنا فہم مسلمون

ترجمہ: بے شک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہ ہی آپ سنا سکتے ہیں بہروں کو اپنی پکار سے جب وہ بھاگے جارہے ہوں اور نہیں آپ ہدایت دینے والے (دل کے) اندھوں کو ان کی گمراہی سے۔ نہیں سناتے آپ بجز ان کے جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر اور پھر فرمانبردار بن جاتے ہیں۔ (النمل ۸۰/۸۱ الروم ۵۰/۵۱)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہاں جس اسماع کی نفی ہے وہ نافع سمع ہے ای لا تسمعہم شیئا ینفعہم یعنی آپ انہیں اس طرح نہیں سنا سکتے جو ان کے لئے نفع بخش ہو۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ ان کے لوگوں پر پروے اور کانوں میں کفر کا بہرہ پن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۷)

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہ کے استدلال اور پھر مقتولین بدر کے ساتھ حضور ﷺ کے خطاب میں وارد ہونے والی احادیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں وقد عورضت هذه الایة بقصة بدر وبالسلام علی القبور وبما روی فی ذالک من ان الارواح تكون علی شفیر القبور فی اوقات وبان المیت یسمع قرع النعال اذا انصرفوا عنه الی غیر ذالک فلولم یسمع المیت لم یسلم علیہ وهذا واضح وقد بیناه فی کتاب التذکرۃ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۱۷۶، ج ۱۳)



قصہ بدر اور قبروں پر سلام (کرنے والی احادیث) اور جو یہ روایت کیا گیا ہے کہ ارواح قبروں کی منڈیروں پر بعض اوقات میں واپس لوٹتی ہیں اور یہ کہ میت زیارت قبور کرنے والوں کے واپسی پر ان کے قدموں کی آواز کو بھی سن لیتے ہیں وغیرہ ذالک سے اس آیت کا معارضہ کیا گیا ہے۔ اگر میت کا سماع نہ ہوتا تو اس پر سلام نہ کیا جاتا یہ بات بڑی واضح ہے۔ ہم نے اپنی کتاب التذکرہ کے اندر اس چیز کو بیان کر دیا ہے۔

علامہ ابن کثیر سورہ روم کی آیت نمبر ۵۱ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یقول تعالیٰ کما انک لیس فی قدرتک ان تسمع الاموات فی اجداثھا ولا تبلغ کلامک الصم الذین لا یسمعون وھم مع ذالک مدبرون عنک کذالک لا تقدر علی ہدایۃ الحمیان عن الحق وردھم عن ضلالتھم بل ذالک الی اللہ فانہ تعالیٰ بقدرتہ یسمع الاموات اصوات الاحیاء اذا شاء ویھدی من یشاء ویصل من یشاء ولیس ذالک لاحد سواہ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کی قدرت و طاقت میں یہ بات نہیں کہ آپ قبروں میں مردوں کو سنا سکیں اور نہ ہی آپ ان بہروں کو سنا سکتے جو آپ سے بھاگ رہے ہوں اسی طرح آپ حق سے بھاگنے والوں کو ہدایت دے سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں گمراہی سے لوٹا سکتے ہیں بلکہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں وہ اپنی قدرت سے مردوں کو زندوں کی اصوات سناتا ہے جب چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا یہ نہیں کر سکتا۔

علامہ ابن کثیر کثیر احادیث و آثار نقل کرنے کے بعد اپنی بحث کا اختتام بایں الفاظ کرتے ہیں فھذا السلام والخطاب والنداء لموجود یسمع و یخاطب و یعقل و یرد وان لم یسمع المسلم الرد واللہ اعلم یہ سلام، خطاب، اور ندا اس موجود کے ساتھ ہے جو سنتا ہے مخاطب ہوتا ہے، عقل رکھتا ہے اور جواب دیتا ہے اگرچہ مسلمان اس کو سن نہیں سکتا

اللہ ہی بہتر علم والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۵، ج ۳)

(۲) سماع موتی کے عدم جواز پر دوسری آیت جو پیش کی جاتی ہے وہ درج ذیل ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

وما يستوى الاحياء ولا الاموات ان الله يسمع من يشاء وما انت بمسمع من في القبور (الفاطر: ۲۲)

اور نہ ایک جیسے ہیں مردہ اور زندہ بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے اور آپ نہیں سنانے والے ہیں انہیں جو قبروں میں ہیں۔

علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ای کما لا ينتفع الاموات بعد موتهم و صرورتهم الى قبوهم وهم كفار بالهداية والدعوة اليها كذا لك هؤلاء السشر كون الذين كتب عليهم الشقاوة لاحيلة لك فيهم ولا تستطيع هدايتهم (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۷۰)

یعنی جیسے مردے مرنے اور قبروں میں چلے جانے کے بعد ہدایت اور اس کی دعوت سے نفع نہیں اٹھا سکتے در اس حالیکہ وہ کافر ہوں اسی طرح یہ مشرکین جن کے لئے بد بختی کو مقدر کر دیا گیا ہے آپ کا کوئی بھی حیلہ ان میں کارگر نہ ہوگا اور نہ ہی آپ انہیں ہدایت دے سکتے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں ای ہم بمنزلة اهل القبور في انهم لا ينتفعون بما يسمعون ولا يقبلونه (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۲۴۹)

یعنی وہ جس چیز کو سناتے ہیں اسے قبول نہ کرنے اور اس سے نفع نہ اٹھانے میں اہل قبور کی طرح ہیں۔

معلوم ہوا کہ ان آیات کریمہ میں سماع موتی کے عدم پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے یہاں جس سماع کی نفی ہے وہ اسماع کی نفی ہے نہ کہ سماع کی ورنہ پھر وہ اسماع جو نفع بخش ہو۔ جہاں تک سماع کی نفی کا تعلق اس پر کہیں بھی ان آیات کریمہ میں نہ صراحتہ اور نہ ہی اشارۃ کوئی دلیل ہے اور ہماری

بھی یہی موقف ہے کہ مردے قبروں میں ایسا نہیں سنتے جو انہیں نفع دے اور پھر یہ سماع اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے کہ وہ انہیں ٹنوں مٹی کے اندر جہاں ہوا اور آواز کے گزرنے کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان تک آواز کو پہنچاتا ہے اور وہ اس کو سنتے ہیں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ کے پاس عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا گیا کہ آپ حضور ﷺ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ان المیت یعذب فی قبرہ ببكاء اہلہ فقالت وھل ابن عمر رحمہ اللہ انما قال رسول اللہ ﷺ انه لیعذب بخطیئتہ و ذنبہ وان اہلہ لیكون علیہ الان و ذالک مثل قوله ان رسول اللہ ﷺ قام علی القلب و فیہ قتلی بدر من المشرکین فقال لھم ما قال انھم یسمعون ما اقول انما قال انھم الان لیعلمون انما کنت اقول لھم حق ثم قرأت انک لاتسمع الموتی الخ وما انت بمسمع من فی القبور (بخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی مذاب القبر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابن عمر پر رحم فرمائے حضور ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ میت کو قبر میں اس کی خطاؤں اور اس کے گناہوں کے باعث عذاب ہوتا ہے اور اس کے گھر والے اب اس پر رورہے ہیں یہ ان کے اس قول کی طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کنویں پر کھڑے ہوئے درال حالیکہ اس میں مشرکین مقتولین بدر کی اشیں تھیں تو آپ نے ان سے کچھ فرما کر کہا کہ یہ اب سن رہے ہیں جو میں کہہ رہا ہوں۔ حالانکہ آپ نے یہ فرمایا تھا یہ اب جانتے ہیں کہ جو کچھ میں ان سے کہتا تھا وہ حق تھا۔ پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں ”انک لاتسمع

الموتی اور وما انت بمسمع من فی القبور“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے استدلال کا جواب جمہور محدثین نے یہ دیا

ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مقابلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ



تعالیٰ عنہ کی روایت زیادہ رائج ہے کیوں کہ اسے دیگر صحابہ کی تائید حاصل ہے جو خود وہاں حاضر تھے جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود موقع پر حاضر بھی نہ تھیں۔ علامہ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں۔

والصحيح عند العلماء رواية عبد الله بن عمر لما لها من الشواهد على صحتها من وجوه كثيرة من اشهر ذلك ما رواه ابن عبد البر مصححاه عن ابن عباس مرفوعا ما من احد يمر بقبر اخيه المسلم كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا رده الله روحه حتى يرده عليه السلام وثبت عنه عليه السلام لامته اذا سلموا على اهل القبور ان يسلموا عليهم سلام من يخاطبونه فيقول المسلم السلام عليكم دار قوم مؤمنين و هذا خطاب لمن يسمع و يعقل و لولا هذا الخطاب لكانوا بمنزلة خطاب المعدوم و الجماد و السلف مجموعون على ذلك (تفسير ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۳)

علماء کے نزدیک عبد اللہ بن عمر کی روایت صحیح ہے کیوں کہ اس کی صحت پر کئی شواہد ہیں ان میں سے مشہور وہ ہے جسے ابن عبد البر نے تصحیح کے ساتھ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ کوئی بھی شخص جب اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا وہ اسے سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح اس کی طرف لوٹاتا ہے وہ اسے جواب دیتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ جب اہل قبور کو سلام دیں تو انہیں وہ سلام کہیں جن سے انہیں خطاب کیا جاتا تھا پس مسلمان کہے گا السلام علیکم دار قوم مؤمنین یہ اس کو خطاب ہے جو سنتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے اگر یہ خطاب سنا اور سمجھا نہ جاتا تو وہ معدوم و جماد کے خطاب کی طرح ہوتے اور سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

وقد خالفها الجمهور في ذلك و قبلوا حديث ابن عمر لموافقة من رواه غيره عليه و اما استدلالها بقوله تعالى انك لاتسمع الموتى قالوا معناها لاتسمعهم

سماعا ينفعهم او لاتسمعهم الا ان يشاء الله.

(فتح الباری کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر ج ۲ ص ۳۰۰)

یعنی جمہور نے ان کی (حضرت عائشہ) مخالفت کیا اور ابن عمر کی حدیث کو قبول کیا کیوں کہ ان کی موافقت دوسروں نے کی ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس قول انک لا تسمع الموتی سے استدلال کا تعلق ہے تو علماء نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ انہیں نفع بخش بات نہیں سنا سکتے۔ یا تم خود اللہ کی مشیت کے بغیر انہیں کچھ نہیں سنا سکتے۔

بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس مسئلہ سے رجوع بھی ثابت ہے ان میں سے ایک وہ روایت ہے جسے ابن اسحاق نے میں سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے الفاظ بعینہ حدیث ابی طلحہ جیسے ہیں۔

علامہ ابن حجر مستقلانی فرماتے ہیں:-

ومن الغریب ان فی المغازی لابن اسحق رواية یونس بن بکیر بسند جید عن عائشة مثل حدیث ابی طلحة و فیہ ما انتم باسمع لما اقول منهم و اخرجه احمد باسناد حسن فان كان محفوظا فکانها رجعت عن الانکار لما ثبت عندها من رواية هؤلاء الصحابة لكونها لم تشهد القصة.

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۶، کتاب المغازی باب قتل ابی جہل)

غریب بات یہ ہے کہ ابن اسحق کی مغازی میں بروایت یونس بن بکیر سند جہد کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث ابی طلحہ کی مثل روایت ہے اس میں ہے کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو جو پچھ میں کہتا ہوں۔ امام احمد نے بھی سند حسن سے اسے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں اگر یہ محفوظ ہے تو گویا پھر ان صحابہ کی روایت کے ثابت ہونے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انکار سے رجوع کر لیا کیوں کہ وہ بذات خود اس موقع پر حاضر نہ تھیں۔

ابن ابی دنیا نے کتاب القبور میں حضرت عائشہ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مامن رجل يزور قبر اخيه ويجلس عنده الا استانس به ورد عليه حتى يقوم (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۳) تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۸۹ بحوالہ ابن عبد البر ص ۵۸۶ بحوالہ کتاب الروح

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب قبر کو اس سے بڑی راحت ہوتی ہے۔ اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اٹھ جاتا ہے۔

### وقوع قیامت اور کفار کی حسرت میں اضافہ:

یہ ان کے قول کا بھی حصہ ہو سکتا ہے یعنی اس وقت ان کی آنکھوں سے تعصب اور ہٹ دھرمی کی بٹی کھل جائے گی اور حقیقت کے منکشف ہونے پر انھیں یاد آئے گا کہ جس خدائے ذوالجلال نے ہمیں پیغمبروں کے ذریعے اور کتابیں نازل فرما کر بروقت آگاہ فرمایا تھا اور قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا تھا لیکن ہم نے ان پیغمبروں کو جھٹلایا ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے ان کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ان کا تمسخر اڑایا اور انھیں ساحر، مجنون اور نہ جانے کیا کچھ کہا قیامت کو ناممکن اور انہونی بات شمار کیا آج معلوم ہوا کہ ان رسولوں نے تو سچ ہی کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں اور اپنے برگزیدہ رسولوں کے ذریعے جو وعدہ ہمارے ساتھ کیا تھا وہ تو سچ تھا ہم ہی کوتاہ نظر تھے ان کی باتوں کو قبول نہ کیا اور نہ ہی انھیں قابل التفات سمجھا لیکن اب ان کو حقیقت کا اعتراف کچھ فائدہ نہ دے گا۔

علماء سلف میں سے اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ جواب ملائکہ یا مومنین کی جانب سے دیا جائے گا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب کفار یہ کہیں گے ہائے ہماری بتا ہی ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے جگایا تو مومنین انھیں یہ جواب دیں گے اور یہ کئی ایک سلف صالحین کا قول ہے۔ اور حسن بھری نے کہا کہ یہ جواب ملائکہ دیں گے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں ان دونوں



اقوال میں کوئی بھی منافات نہیں ہے اور ان کو جمع کرنا ممکن ہے علامہ ابن جریر طبری نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں یہی قول صحت کے زیادہ قریب ہے۔

(☆ تفسیر ابن کثیر ص ۵۹۳ ج ۳ سورۃ یس آیت ۵۲)

فرشتوں یا مومنین کی زبانی یہ جواب اللہ تعالیٰ کی جانب سے انھیں ذلیل و رسوا کرنے اور ان کی حسرت میں مزید اضافہ کرنے کے لئے دیا جائے گا کہ اب اپنی بد بختی پر کف افسوس ملو۔ تم نے تو خود اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارا ہے اب اپنے کئے کی سزا بھی چکھو اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں بروقت اپنے پیغمبروں کے توسط سے آگاہ فرمایا تھا اور اس گھڑی سے تمہیں ڈرایا تھا تم نے خود لا پرواہی کی اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا اور قیامت کا انکار کرتے رہے اسی معنی کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے۔

وقالوا یویلنا هذا یوم الدین هذا یوم الفصل الذی کنتم به تکذبون۔ (صافات ۱۹/۲۱)  
ترجمہ:- اور وہ کہیں گے ہائے ہماری خرابی (ان سے کہا جائے گا) یہ تو انصاف کا دن ہے یہ ہے وہ فیصلہ کا دن جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یوم تقوم الساعة یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعة کذا لک کانوا یؤفکون وقال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث فہذا یوم البعث ولکنکم کنتم لاتعلمون (الروم ۵۵)  
ترجمہ:- اور جس روز قیامت بپا ہوگی مجرم قسمیں اٹھائیں گے کہ وہ دنیا میں ایک لمحہ بھر ہی رہے ہیں یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے، اور اہل علم و ایمان (انھیں) کہیں گے کہ تم نوشتہ الہی میں روز محشر تک ٹھہرے ہو۔ پس (یہ آگیا) ہے یوم محشر لیکن تم نہیں جانتے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک بھی اسی قول کی تائید کرتا ہے۔

فانما هی زجرة واحدة فاذا هم ینظرون وقالوا یویلنا هذا یوم الدین هذا یوم الفصل الذی کنتم به تکذبون

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انھیں کہلوایا جائے گا کہ یہ کوئی ایسا دن نہیں ہے جس کی تمہیں خبر نہ ہو۔ بلکہ یہ تو وہی دن ہے جس کا تم سے بار بار وعدہ یا جاتا رہا اور اس کے متعلق رسولوں نے تمہیں آگاہ کیا اور معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم خیال کرتے ہو کہ تمہیں نیند سے بیدار کیا گیا ہے بلکہ یہ تو بعث اکبر ہے جو بڑی ہولناکیاں اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے تم ذرا اپنی آنکھیں موند کر دیکھ لو اور ماضی کو یاد کرو حقیقت تم پر منکشف ہو جائے گی اور تمہاری یادداشتیں واپس لوٹ آئیں گی۔

### قیامت کا اچانک وقوع پذیر ہونا:

یہ سب کچھ چشم زدن میں محض ایک کڑک سے یا اسرائیل علیہ السلام کے پکارنے پر ہو جائے گا اور سب کے سب زندہ ہو کر بارگاہ الہی میں حساب و کتاب کے لئے حاضر ہو جائیں گے اس کے لئے نہ تو اسباب و آلات کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی مدت دراز کی حاجت۔ اگرچہ انسان اسباب و آلات کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ ان اسباب کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ اپنے کلمہ کن سے جس قیامت کو چاہے برپا کر سکتا ہے۔ جس چیز کو چاہے وجود میں لاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی طرح ہے وما امر الساعة الا كلمح البصر او هو اقرب اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان فانما هي زجرة واحدة فاذا هم بالساهرة

"جمع لدینا محضرون" سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس وقت پس و پیش کر کے بارگاہ الہی میں حاضر ہونے سے رہ جائے گا یا وہ کہیں چھپ کر جواب دہی سے بچ جائے گا بلکہ سب کے سب چار و ناچار مجرموں کی طرح عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے اور اپنے اپنے کئے کی سزا و جزا حاصل کر کے رہیں گے۔

### کیفیت نشور

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے مدینہ کے شہر میں کہا اس

ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو بشریت میں سے منتخب فرمایا تو ایک انصاری نے ہاتھ اٹھا کر اسے تھپڑ رسید کیا اور فرمایا کیا تو یہ کہتا ہے حالانکہ ہم میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ جب یہ بات حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا ماشاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذا هم قیام ینظرون (زمر ۶۸)

ترجمہ: جب صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان کی ہر شے پر بیہوشی طاری ہوگی الا ماشاء اللہ پھر دوسری بار پھونکا جائے گا تو سب اچانک اٹھ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے۔ پھر فرمایا میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنا سر اٹھائے گا پس میں اچانک دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائیوں میں سے ایک پائے کو پکڑے ہوں گے میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے سر اٹھائیں گے یا وہ ان افراد میں سے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ کیا ہوگا۔

(☆ سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب ذکر البعث۔ صحیح ابن حبان ذکر الاخبار عن وصف ما تشر الناس علیہ ما انعقدت علیہ ضارہم ص ۳۹۹ ج ۶)

جب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے اس وقت وہ ننگے پاؤں، برہنہ جسم، اور بے ختنہ اٹھائے جائیں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں کو قیامت کے دن کیسے اٹھایا جائے گا تو آپ نے فرمایا ننگے پاؤں، برہنہ، حفاة عراة۔ میں نے عرض کی کیا عورتیں بھی؟ تو آپ نے فرمایا "والنساء" عورتیں بھی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا حیا نہیں کیا جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا اے عائشہ معاملہ اتنا سخت ہوگا کہ کوئی دوسرے کو دیکھے گا بھی نہیں۔

الامر اہم من ان ینظر بعضهم الی بعض (☆ ابن ماجہ کتاب الزہد باب ذکر البعث۔ ترمذی نے اسے سعید بن جبید کے جواز سے نقل کیا ہے کتاب صفۃ القیامتہ باب فی شان الجنۃ) (یعنی اس دن کسی کو دیکھنے کی فرصت ہی نہ ہوگی ہر ایک کو نفسا نفسی کی پڑی ہوگی۔ ترمذی کے الفاظ



ہیں حفاة عراة عزلا کما خلقوا جس طرح ننگے پاؤں برہنہ اور بے ختنہ پیدا کئے گئے تھے۔  
سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔ و اول  
الخلائق یکسی يوم القيامة ابراهيم .

(☆ صحیح ابن حبان کتاب ذکر الاخبار عن وصف تبایں الناس فی العرق فی يوم القيامة ص ۴۰۳ ج ۶)  
جب لوگ میدان حشر میں پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ اس روز سورج کو ایک یا دو میل کے  
فاصلہ پر زمین کے قریب کر دے گا۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے  
فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا سورج بندوں کے قریب کر دیا جائے گا یہاں تک کہ ایک یا دو میل  
کے فاصلہ پر ہوگا۔ راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ میل سے مراد زمین کی مسافت ہے یا سرمہ  
لگانے والا آلہ۔ آپ نے فرمایا فتصهرهم الشمس سورج انھیں پگھلائے گا۔ گرم کر دے گا۔  
وہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں شرابور ہوں گے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے پٹھوں  
تک پسینہ آ لے گا کچھ وہ ہوں گے جن کے گھٹنوں تک پسینہ آئے گا کچھ کی کمر تک اور کچھ وہ ہوں  
گے جن کو پسینہ لگام دے گا راوی کہتا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اپنے ہاتھ سے اپنے  
منہ کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ اور یہ فرما رہے تھے یلجمها الجاما .

(☆ صحیح ابن حبان کتاب ذکر القدر الذی بہ تدنوا الشمس مت الناس يوم القيامة)

### شفاعت کبریٰ:

وہ اسی حالت میں رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا اللہ تعالیٰ اس وقت بڑے  
جلال میں ہوگا اور حساب و کتاب نہیں لے رہا ہوگا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔  
اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا ایک ایسے ہموار میدان  
میں جس میں منادی کی آواز سب سنیں گے اور وہ سب دکھائی دیں گے سورج نزدیک ہو جائے گا  
اور لوگوں کو ناقابل برداشت گھبراہٹ و پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا اس وقت لوگ ایک دوسرے  
سے کہیں گے کیا تم نہیں دیکھتے تمہارا کیا حال ہے اور کیا یہ نہیں سوچتے کہ تم کس قسم کی پریشانیوں

میں مبتلا ہو چکے ہو۔ آؤ ایسے شخص کی تلاش کریں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کرے پس لوگ مشورہ کر کے کہیں گے چلو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں اور ان سے عرض کریں گے اے آدم علیہ السلام آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا ہے اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے تمام فرشتوں کو آپ کی تعظیم کے لئے سجدہ کا حکم دے چکا ہے آپ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت کریں۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس کرب میں مبتلا ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے آج میرا رب اس قدر جلال اور غضب میں ہے کہ کبھی اس سے پہلے اتنا تھانہ بعد میں ہوگا اور پھر اس نے مجھے گندم کا دانہ کھانے سے منع کیا تھا اور میں نے (بظاہر) نافرمانی کی آج مجھے اپنی فکر ہے تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ زمین پر اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندہ قرار دیا آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کریں آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس تکلیف میں ہیں حضرت نوح علیہ السلام ان سے فرمائیں گے کہ آج میرا رب اس قدر غضب میں ہے کہ پہلے اتنے غضب میں کبھی آیا تھا نہ کبھی آئے گا اور پھر میں نے اپنی قوم کے لئے ہلاکت کی دعا کی تھی جس کی وجہ سے مجھے آج اپنی فکر دامن گیر ہے تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں پوری کائنات میں آپ اس کے خلیل ہیں ہماری شفاعت کریں آپ ہماری مصیبت کو ملاحظہ نہیں فرما رہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام انھیں فرمائیں گے آج میرا رب اس قدر جلال میں ہے کہ اس سے قبل کبھی تھا اور نہ آئندہ ہوگا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی تین باتوں کا ذکر کریں گے جن کو لوگوں نے بظاہر جھوٹ سمجھا تھا۔ آج مجھے اپنی فکر دامن گیر ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے اور عرض کریں گے آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت اور ہمکلامی دونوں چیزوں کے شرف سے نوازا ہے آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے آپ ہماری حالت کو دیکھ نہیں رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک شخص کو قتل کیا تھا آج مجھے اپنی فکر دامن گیر ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ نے پنگوڑے میں لوگوں سے بات کی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ سے پیدا فرمایا ہے جو اس نے حضرت مریم علیہا السلام کو القاء کیا ہوا تھا آپ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہیں آپ ہماری شفاعت ہمارے رب کے ہاں فرمائیں کیا آپ ہماری حالت کو دیکھ نہیں رہے ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انھیں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ایسے جلال میں ہے کہ آج سے قبل ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ ہر چند کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی کسی اجتہادی خطا کا اظہار نہیں کریں گے مگر فرمائیں گے آج مجھے اپنی فکر دامن گیر ہے حضرت محمد ﷺ کے پاس چلے جاؤ۔

حضور ﷺ نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے محمد آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر ہی آپ کو مغفرت کی نوید سنائی تھی۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے ہم کس تکلیف میں ہیں؟ حضور نے فرمایا پھر میں عرش کے نیچے جا کر اپنے رب کے حضور سجدہ کروں گا پھر اللہ تعالیٰ میرا سینہ کھول دے گا اور میرے دل میں حمد و ثناء کے ایسے کلمات ڈال دے گا جو اس سے قبل کسی کے دل میں پیدا نہیں کئے تھے۔ پھر کہا جائے گا اے محمد! اپنا سراٹھائے مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا اے رب میری امت کو بخش دے اے رب میری امت کو بخش دے جواب آئے گا اے محمد تیری امت میں سے جن لوگوں کا حساب نہیں لیا گیا ان کو جنت کے دائیں دروازے سے داخل کر لو۔



اور جو لوگ جنت کے باقی دروازوں میں سے بھی داخل ہو سکتے ہیں اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے جنت کے دروازوں کے کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ و مقام بصر میں یا مکہ و مقام بصری میں ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے پھر میں شفاعت کروں گا میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انھیں جنت میں داخل کر دوں گا۔ پھر لوٹوں گا اچانک میں اپنے رب کو دیکھ کر سجدہ میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ جتنا چاہے گا مجھے چھوڑے گا پھر آواز آئے گی اے محمدؐ سر اٹھائیے آپ نہیں آپ کی بات سنی جائے گی سوال کریں عطا کیا جائے گا شفاعت کریں آپ کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا میں اپنے رب کی وہ حمد کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں شفاعت کروں گا پس میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ پس میں انھیں جنت میں داخل کر دوں گا۔ پھر واپس لوٹوں گا اچانک میں اپنے رب کو دیکھ کر سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھے چھوڑے رکھے گا جتنا وہ چاہے گا پھر آواز آئے گی اے محمدؐ سر اٹھائیے آپ بات کریں آپ کی بات کو سنا جائے گا سوال کریں عطا کیا جائے گا شفاعت کریں شفاعت قبول کر لی جائے گی۔ پس میں اپنے رب کی وہ حمد کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں شفاعت کروں گا میرے لئے ایک حد مقرر کر لی جائے گی۔ پس میں انھیں جنت میں داخل کروں گا پھر میں واپس لوٹوں گا اور عرض کروں گا اے رب اب جہنم میں وہی لوگ باقی بچ چکے ہیں جنہیں قرآن روکے ہوئے ہے اور خلود ان کے لئے واجب ہو چکا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ عزوجل لما خلقت بیدی)

اس حدیث مبارکہ میں متعدد شفاعات کا ذکر ہے اس کے ابتدائی حصہ میں شفاعت کبریٰ کا ذکر ہے۔ جو موقف کی ہولناکیوں سے چھٹکارے حساب و کتاب کے لئے ہوئی۔ یہ شفاعت عام ہوگی جو سب کے لئے ہوگی اس میں مومن و کافر کی کوئی قید نہیں۔ اس شفاعت کا فائدہ کفار کو بھی ہوگا جب کہ بعد والی شفاعات یہ مسلمانوں کے حق میں خاص ہیں۔ بعض ان میں سے عذاب میں تخفیف کے لئے ہوں گی بعض بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل کرنے کے

لئے اور بعض عذاب سے چھٹکارے کے لئے۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث کا پہلا حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شفاعت اہل موقف کے لئے موقف کی ہولناکیوں سے چھٹکارے کے لئے ہوگی اور آخری حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شفاعت جہنم سے رستگاری اور خلاصی دلانے کے لئے ہوگی۔ لکھتے ہیں میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ اس حدیث میں متعدد شفاعتوں کا ذکر ہے پہلی شفاعت موقف کے احوال سے چھٹکارے کے لئے ہوگی اور یہیٰ ذن لی علیہ کے الفاظ سے مستفاد ہے۔

(☆ عمدة القاری ج ۱ ص ۶۰۶ کتاب التوہید باب قول اللہ عزوجل لما خلقت بیدي)

پھر آپ ﷺ لوگوں میں واپس آ کر کھڑے ہوں گے اچانک آسمان سے سخت قسم کی کڑک سننے کی آواز سنائی دے گی حضور ﷺ نے فرمایا پس ہم اچانک آسمان دنیا سے فرشتوں کو اترتے دیکھیں گے جوزمین میں موجود جن وانس کے دوگنا ہوں گے ہم ان سے کہیں گے کہ ہمارا رب بھی تم میں موجود ہے؟ وہ جواب دیں گے نہیں وہ ابھی آنے والا ہی ہے پھر وہ اپنی اپنی صفوں کی جگہ لے لیں گے۔ پھر دوسرے آسمان والے اتریں گے جوزمین و آسمان دنیا کے باشندوں سے دوگنا ہوں گے ہم ان سے یہی سوال کریں گے اور وہ جواب دیں گے نہیں وہ آنے والا ہی ہے اسی طرح دوگنا دوگنا اترتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (اپنی شایان شان) بادلوں اور فرشتوں کے جلو میں اترے گا اور اس کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے جو آج چار ہیں اور وہ تسبیحات پڑھ رہے ہوں گے سبحان ذی العرش والجبروت سبحان الملک والملكوت سبحن الحی الذی لاینام ولا یموت سبحان الذی یمیت الخلاق ولا یموت سبحان قدوس قدوس ، قدوس سبحن ربنا الاعلیٰ رب الملائکة والروح سبحن ربنا الاعلیٰ الذی یمیت الخلاق ولا یموت

## یوم حساب کی کیفیت:

پھر اللہ تعالیٰ جہاں چاہے گا زمین پر اپنے کرسی کو رکھے گا پھر اپنی آواز میں پکارے گا اے گروہ جن و انس میں نے تمہیں یوم تخلیق سے آج تک نصیحت کی کہ میں تمہاری باتوں کو سنتا ہوں تمہارے اعمال کو دیکھتا ہوں۔ میری بات غور سے سنو تمہارے اعمال نامے تمہارے سامنے پڑھے جائیں گے جو تم میں خیر پائے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کر لے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے پھر اللہ تعالیٰ جہنم کو حکم دے گا تو ایک تاریک گردن جھانکتے ہوئے نکلے گی۔ پھر فرمائے گا الم اعهد اليكم يا بنى ادم ان لا تعبدوا الشيطان انه لكم عدو مبين الى و امتازوا اليوم ايها المجرمون

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے و تقرى كل امة جاثية كل امة تدعى الى كتابها

اليوم تجزون بما كنتم تعملون

اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان سوائے انس و جان کے فیصلہ فرمائے گا وحوش و بہائم کے درمیان فیصلہ فرمائے گا یہاں تک کہ ایک بے سنگ بکری کے لئے سنگ والی بکری سے بھی جب ہر ایک کا حق اسے دیا کر فارغ ہو گا تو انھیں فرمائے گا منی ہو جاؤ اس وقت کا فر کہیں گے یا لتینی کنت ترابا پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ ہو گا پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جانے والا ہر شخص حاضر کیا جائے گا اور ساتھ ہی قاتل بھی وہ اپنا سراٹھائے گا اور اس کی دوج (وہ رگ جس کو ذبح کرنے والا کاٹتا ہے) سے خون کی دہار جاری ہوگی وہ عرض کرے گا اے میرے رب اس شخص نے مجھے کیوں قتل کیا اللہ تعالیٰ باوجودیکہ سب کچھ جانتا ہے اس سے پوچھے گا تو نے اسے کیوں قتل کیا۔ وہ عرض کرے گا اے رب میں نے اسے اس لئے قتل کیا تاکہ عزت ساری کی ساری تیرے لئے ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے سچ کہا اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو سورج کی طرح روشن کرے گا اور فرشتے اسے جنت کی طرف لے جائیں گے۔



پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو اس کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے قتل کیا گیا ہو وہ سر اٹھائے گا تو اس کی رگ سے خون کی دہار جاری ہوگی وہ عرض کرے گا اے رب اس شخص نے مجھے کیوں قتل کیا اللہ تعالیٰ باوجودیکہ سب سے زیادہ جانتا ہے اس سے پوچھے گا تو ان کے ساتھ کیوں قتل کیا وہ عرض کرے گا اے رب تاکہ عزت ساری کی ساری میرے لئے ہو جائے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیری ناک خاک آلود ہو جائے پھر کوئی شخص ایسا باقی نہیں بچے گا جس نے قتل کیا ہو مگر یہ کہ اس کے بدلے اسے بھی قتل کیا جائے گا جس نے ظلم کیا ہو گا اس سے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہو گا کہ جس شخص کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲ سورۃ انعام آیت نمبر: ۷۳)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من كانت عنده مظلمة لاختيه من عرضه وماله فليستحله اليوم قبل ان يآخذ به حين لا دينار ولا درهم فان كان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته فان لم يكن اخذ من سيئات صاحبه فجعلت عليه (☆ صحیح ابن حبان ص ۵۱۳ ج ۱۲۶ ذکر اخذ المظلوم فی القيامة من ظلمه فی الدنيا) جس شخص پر کسی کا ظلم ہو مال و عزت میں سے اسے چاہے کہ وہ اس وقت سے پہلے پہلے اسے حلال کرے جس دن نہ دینار ہوں گے نہ دراهم۔ اگر اس کے اعمال صالح ہوں گے تو اس ظلم کی مقدار وہ اس سے لے کر مظلوم کو دیئے جائیں گے ورنہ مظلوم کے گناہ ظلم کی مقدار ظالم پر ڈالے جائیں گے۔ دیدار الہی:

جب تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا ہر ایک کا حق اسے مل جائے گا کسی پر کوئی ظلم نہ رہے گا یہاں تک کہ وہ شخص جس نے دودھ میں پانی ملا کر بیچا ہو گا اسے بھی خالص دودھ کا دینے کا حکم دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس فعل سے فارغ ہو گا تو ایک ندا کرنے والا ندا دے گا۔ مسلم شریف کی روایت ابو سعید خدری سے مروی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا ہر گروہ اس کی اتباع کرے جس کی وہ

دنیا میں عبادت کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد جس قدر بھی لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں وغیرہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ سب جہنم میں جا کر گریں گے اور صرف وہی لوگ باقی بچیں گے جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ خواہ نیک ہوں یا بد اور کچھ لوگ اہل کتاب میں سے بھی باقی رہیں گے۔ پھر یہود کو بلا کر ان سے پوچھا جائے گا کہ دنیا میں تم کس کی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے عزیز علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے ان سے کہا جائے گا تم جھوٹ بک رہے ہو اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی بیٹا اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اے رب ہم پیا سے ہیں ہم کو پانی پلا دے پھر ان سے اشارہ سے کہا جائے گا تم پانی کی طرف کیوں نہیں جاتے پھر انھیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا وہ جہنم سراب کی طرح دکھائی دے گی اور وہ جہنم میں جا گریں گے۔

پھر عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا تم دنیا میں کس چیز کی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کیا کرتے تھے ان سے کہا جائے گا تم جھوٹے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ بیٹا۔ پھر ان سے کہا جائے گا اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے ہمارے رب ہم بہت پیا سے ہیں ہمیں پانی پلا دے ان سے اشارہ سے کہا جائے گا تم پانی کی طرف کیوں نہیں جاتے؟ پھر انھیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا وہ جہنم سراب کی طرح دکھائی دے گی پھر وہ جہنم رسید ہوں گے۔

پھر صرف وہ لوگ باقی بچیں گے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے خواہ نیک ہوں یا بد کار پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک ایسی صورت بھیجے گا جس کو وہ دنیا میں کسی نہ کسی شکل میں جانتے تھے۔ پھر ان سے کہا جائے گا اب تمہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ ہر گروہ اپنے معبود کے ساتھ جا چکا ہے، مسلمان عرض کریں گے اے اللہ ہم دنیا میں ان لوگوں سے الگ رہے حالانکہ ہم ان کے سب سے زیادہ محتاج تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کا کبھی ساتھ نہیں دیا۔ اس صورت سے آواز آئے گی میں تمہارا رب ہوں، مسلمان کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے مسلمان یہ ہدایت دو یا تمین بار دہرائیں گے یہ ایسا وقت

ہوگا کہ بعض مسلمانوں کے دل ڈگمگانے لگیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تمہارے علم میں کوئی ایسی نشانی ہے جس سے تم اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتے ہو مسلمان کہیں گے ہاں پھر اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی (اپنے شایان شان) منکشف فرمائے گا اس منظر کو دیکھ کر جو شخص بھی دنیا میں محض اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی رضا کے لئے سجدہ کرتا تھا اس کو سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور جو شخص کسی دنیاوی خوف یا ریاکاری کے لئے دنیا میں سجدہ کرتا تھا اس کو سجدہ کی اجازت نہیں ملے گی اس کی پیٹھ ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی اور جب بھی سجدہ کرنا چاہے گا اپنی پیٹھ کے بل گر جائے گا۔ پھر مسلمان اپنا سر سجدہ سے اٹھائیں گے اور اللہ تعالیٰ اسی صورت میں ہوگا جس صورت میں انہوں نے پہلے دیکھا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں مسلمان کہیں گے تو ہمارا رب ہے۔

پل صراط:

پھر جہنم کے اوپر پل صراط بچھا دیا جائے گا اور شفاعت کی اجازت دے دی جائے گی۔ اس وقت سب کہیں گے اللھم سلم اللھم سلم اے اللہ سلامت رکھ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا وہ پل کیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا وہ ڈھلوان چیز ہوگی اس میں دندانے دار کانٹے ہوں گے وہ لوہے کے کانٹے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹوں کی طرح ہوں گے بعض مسلمان پلک چھپکنے کی طرح بعض بجلی کی طرح، بعض آندھی کی طرح، بعض پرندوں کی طرح اور بعض تیز رفتار اعلیٰ نسل گھوڑوں کی طرح اور بعض اونٹوں کی طرح گزریں گے۔ یہ سب صحیح سلامت پار پہنچ جائیں گے بعض مسلمان کانٹوں کے ساتھ الجھتے ہوئے پار پہنچ جائیں گے۔ اور بعض مسلمان کانٹوں سے زخمی ہو کر جہنم میں گر جائیں گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو مسلمان نجات پا کر جنت میں جائیں گے وہ ان مسلمان بھائیوں کو جو جہنم میں گرے ہوں گے جہنم سے چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے ایسا جھگڑا کریں گے جیسا جھگڑا کوئی شخص اپنا حق مانگنے کے لئے بھی نہیں کرتا۔ (☆ صحیح المسلم کتاب الایمان باب اثبات رویۃ المؤمنین فی الآخرة لربهم سبحانہ وتعالیٰ)



## شفاعت برائے دخول جنت:

پل صراط عبور کر کے جب مسلمان جنت کے قریب پہنچ کر جنت کے دروازوں کو بند پائیں گے تو اس وقت حضور ﷺ شفاعت فرمائیں گے اور لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور اسے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن تمام مسلمانوں کو جمع کیا جائے گا اور جنت ان کے قریب کر دی جائے گی پھر تمام مسلمان حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے اے ہمارے والد ہمارے لئے جنت کا دروازہ کھلوائے وہ فرمائیں گے تمہارے باپ کی ایک (اجتہادی) خطانے ہی تو تم کو جنت سے نکالا تھا۔ میرا یہ مقام نہیں ہے۔ جاؤ میرے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں حضور ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے یہ میرا مقام نہیں ہے میرے خلیل ہونے کا مقام، مقام شفاعت سے بہت پیچھے ہے۔ جاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے شرف ہمکاری سے نوازا ہے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میرا یہ منصب نہیں ہے جاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کلمے سے پیدا ہوئے اور اس کی پسندیدہ روح ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میرا یہ مقام نہیں ہے حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں گے آپ کھڑے ہوں گے آپ کو شفاعت کی اجازت دے دی جائے گی۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدين من النار) انس بن مالک سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا اتی باب الجنة يوم القيمة فاستفتح فيقول الخازن من انت فيقول محمد فيقول بك امرت لا افتح لاحد قبلك۔

میں جنت کے دروازے پر قیامت کے دن آ کر دستک دوں گا خازن کہے گا تو کون

ہے میں کہوں گا محمد (ﷺ) وہ کہے گا مجھے یہی حکم ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں۔  
(☆ صحیح المسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعة واخراج الموحدين من النار)

علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ جب لوگ میرے پاس آئیں گے میں چل پڑوں گا جنت میں آؤں گا جنت کے دروازہ کا حلقہ پکڑ کر اجازت طلب کروں گا دروازہ کھولا جائے گا اور مجھے مرحبا اور خوش آمدید کہا جائے گا جب میں جنت میں داخل ہوں گا اپنے رب کی طرف دیکھوں گا سجدہ میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ مجھے اپنی تمہید و تمجید میں سے وہ کلمات سکھائے گا جو اس سے قبل کسی اور کو نہ سکھائے ہوں پھر مجھے فرمائے گا اے محمد (ﷺ) شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی آپ سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا میں اپنا سراٹھاؤں گا اللہ تعالیٰ حالانکہ سب سے زیادہ جانتا ہے مجھے فرمائے گا ماشاءک؟ میں عرض کروں گا اے میرے رب تو نے میرے ساتھ شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے میری شفاعت اہل جنت کے بارے میں قبول فرمائیے کہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تیری شفاعت کو قبول کر لیا اور انھیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۷۲۱ سورۃ النعام آیت ۷۲) یہ حدیث غریب ہے۔

### جنت کے اوصاف:

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) سے پوچھا گیا کہ جنت کس چیز سے بنی ہے تو آپ نے فرمایا البنة من فضة و لبنة من ذهب و ملاطها المسک الاذخر و حصابؤها اللؤلؤ و الياقوت و تربتها الزعفران من يدخلها ينعم لا يبأس و یخلد لا یموت ولا تبلى ثيابهم ولا یضنی شبابهم

ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک سونے کی اس کا گارا نہایت خوشبودار مشک ہے اس کی کنکر موتی اور یاقوت ہیں اور اس کی مٹی زعفران کی ہے جو اس میں داخل ہوگا نعمتوں میں رہے گا کبھی مایوس نہ ہوگا ہمیشہ رہے گا اسے موت نہیں آئے گی نہ کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ہی ان کی

جوانی ختم ہوگی۔ (جامع الترمذی کتاب ابواب صفة الجنة باب ما جاء في صفة الجنة و نعيمها)

حضور ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ راوی ہیں:

جنت کے سودر جے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے۔

(جامع ترمذی کتاب ابواب صفة الجنة باب ما جاء في صفة الجنة و نعيمها)

عبداللہ بن قیس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں دو باغ ہیں جن

کے برتن اور جو کچھ ہے سونے کے ہیں جنت عدن میں لوگوں اور ان کے رب کے درمیان صرف

کبریائی کی چادر حائل ہوگی اسی سند سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جنت میں موتی کا خیمہ

ہے جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہے اس کے ایک کونے والے دوسرے کونے والے کو نہ دیکھ سکیں گے۔

(جامع ترمذی کتاب ابواب صفة الجنة باب ما جاء في صفة الجنة و نعيمها)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو پہلا گروہ جنت

میں داخل ہوگا اس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی۔ پھر ان کے بعد جو گروہ داخل

ہوگا آسمان کے بہت چمکدار ستارے کی مانند ہوگی۔ وہ پیشاب کریں گے نہ رفع حاجت، ناک

صاف کریں گے اور نہ تھوکیں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور ان کا پسینہ مشک ہوگا ان

کی انگلیوں میں عود سلگتا ہوگا۔ ان کی بیویوں کی بڑی بڑی آنکھیں ہوں گی ان سب کے اخلاق

ایک جیسے ہوں گے وہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوں گے اور ان کا قد آسمان میں

ساٹھ اُتر کے برابر ہوگا۔ (صحیح المسلم کتاب الجنة صفة و نعيمها باب اول زمرة تدخل الجنة

على صورة القمر الخ ابن ماجہ کتاب الزهد باب صفة الجنة)

ترمذی شریف کی روایت ہے ابو سعید خدری راوی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت

میں داخل ہونے والا پہلا گروہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا دوسرا آسمان کے نہایت روشن

ستارہ کے رنگ پر ہوگا ہر مرد کے لئے دو بیویاں ہوں گی اور ہر عورت پر ستر جوڑے ہوں جن میں

سے اس کی پنڈلی کا مغز نظر آتا ہوگا۔ (جامع ترمذی کتاب ابواب صفة الجنة باب ما جاء في صفات نساء

دخل الجنة) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔



ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت میں سے ادنیٰ درجے والے جنتی کو اسی ہزار خادماں اور بہتر بیویاں دی جائیں گی اور اس کے لئے موتیوں، زبرجد اور یاقوت کا ایک خیمہ گاڑھا جائے گا جس کی مسافت جابیہ سے لے کر صنعاء جتنی ہوگی۔ (☆ صحیح ابن حبان ذکر عدد النساء والخدم التي اعد الله لاهل الجنة ص ۴۲۷ ج ۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی کو سو آدمیوں کی قوت دی جائے گی۔ (☆ صحیح ابن حبان ص ۴۲۷ ج ۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا جب بھی وہ اپنی بیوی کے پاس آئے گا تو اسے باکرہ پائے گا۔

(☆ صحیح ابن حبان ص ۴۲۸ ج ۶)

### جنت کے بازار:

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں جنت کے بازار میں اکٹھا کرے۔ حضرت سعید بن مسیب نے پوچھا کیا اس میں بازار ہوں گے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں (ہوں گے) مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ جنتی جب بازاروں میں داخل ہوں گے تو اپنے اعمال کی فضیلت کے مطابق اس میں اتریں گے پھر دنیاوی جمعہ کے دن کے برابر وقت میں آواز دی جائے گی تو یہ لوگ اپنے رب کی زیارت کریں گے ان کے لئے اس کا عرش ظاہر ہوگا اور اللہ تعالیٰ باغات جنت میں سے کسی ایک باغ میں تجلی فرمائے گا جنتیوں کے لئے منبر بچھائے جائیں گے۔ جو نور، موتی، یاقوت، زبرجد، سونے اور چاندی کے ہوں گے ان میں سے ادنیٰ مشک اور کافور کے ٹیلوں پر بیٹھیں گے اور وہاں کوئی شخص ادنیٰ نہیں ہوگا وہ کرسیوں پر بیٹھنے والوں کو اپنے سے اعلیٰ نہیں سمجھیں گے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم رب کا دیدار کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں! کیا تمہیں سورج اور چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی

شک ہے تو ہم نے عرض کیا نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کرو گے۔ اس مجلس کے ہر آدمی سے اللہ تعالیٰ بلا حجاب گفتگو کرے گا یہاں تک کہ ان میں سے ایک سے فرمائے گا اے فلاں بن فلاں کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب تو فلاں نے فلاں بات کہی تھی۔ پس وہ اسے اس کے بعض گناہ یاد دلائے گا وہ شخص عرض کرے گا اے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں کیوں نہیں اور تو میری بخشش ہی کی وجہ سے یہاں پہنچا۔ لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان پر بادل چھا جائے گا اور ایسی خوشبو برسائی جائے گی جیسے انھوں نے اس سے قبل کبھی بھی نہ دیکھی ہوگی۔ پھر ہمارا پروردگار فرمائے گا اس انعام و اکرام کی طرف اٹھو جو ہم نے تمہارے لئے تیار کر رکھا ہے اور اس سے جو تمہارا جی چاہے لے لو۔ پھر ہم بازار میں آئیں گے جہاں فرشتے ہی فرشتے ہوں گے ایسا بازار نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا ہوگا جو چیز ہم چاہیں گے ہماری طرف اٹھائی جائے گی۔ اور خرید و فروخت نہ ہوگی اس بازار میں جنتی ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا بلند مرتبہ والا آگے بڑھ کر ادنیٰ درجے والے سے ملے گا اور وہاں کوئی ادنیٰ درجہ والا نہیں ہوگا کہ وہ اس کا لباس دیکھ کر پریشان ہو جائے گا۔ ابھی ان کی گفتگو ختم ہوگی کہ اپنے جسم پر اس سے بھی خوبصورت لباس دیکھے گا اور یہ اس لئے کیوں کہ وہاں کسی کو کوئی رنج و غم نہ ہوگا۔ پھر ہم اپنی اپنی منزل میں آئیں گے ہماری بیویاں ہم سے ملیں گی اور خوش آمدید کے ساتھ کہیں گی (کیا وجہ ہے) آپ کا حسن اس سے کہیں زیادہ ہے کہ آپ ہم سے رخصت ہوئے تھے ہم کہیں گے کہ آج ہمیں اپنے رب کے دربار میں بیٹھنا نصیب ہوا پس ہم کو ایسے ہی ہونا چاہئے تھا۔ (جامع ترمذی کتاب ابواب الصفۃ و تعیمھا باب فی سوق الجنۃ)

دخول نار کی کیفیت:

جب جہنمی جہنم رسید ہوں گے تو ایک بڑی مخلوق خدا جہنم میں گرے گی ان میں سے کچھ وہ بھی ہوں گے جن کے لئے خلود فی النار واجب ہو چکا ہوگا اور پتھروں کے جن کو ان کے نامہ



اعمال جہنم رسید کریں گے پھر ان میں سے بعض وہ ہوں گے جن کے پاؤں تو آگ میں ہوں گے اور پاؤں سے آگے آگ تجاوز نہ کر سکے گی کچھ وہ ہوں گے جن کے گھٹنوں تک آگ پہنچے گی کچھ کے کولہوں تک آگ بھڑک رہی ہوگی اور کچھ کو آگ ٹھوڑی تک جلا رہی ہوگی ہر شخص کو اپنے اعمال کے مطابق سزا دی جا رہی ہوگی کچھ وہ بھی ہوں گے جن کے پورے جسم تو آگ میں جلیں گے لیکن ان کے چہرے آگ پر حرام ہوں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان جہنمیوں کی جہنم سے رستگاری اور دخول جنت کے لئے شفاعت ہوگی پھر انبیاء کرام، شہداء کرام اور علماء کو بھی شفاعت کا اذان دیا جائے گا یہاں تک کہ جہنم میں صرف وہی لوگ باقی بچیں گے جن پر جہنم کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے واجب ہو چکی ہوگی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے شفاعتی لاهل کبار من امتی میری امت کے گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لئے میری شفاعت ہے۔

(☆ سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب ذکر الشفاعۃ ترمذی کتاب صفۃ القیلمۃ والرقائق والورع باب منہ) ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنمیوں سے وہ لوگ جو کافر اور مشرک ہیں وہ نہ جہنم میں مریں گے اور نہ ہی زندگی کا لطف پائیں گے۔ البتہ کچھ مسلمان ایسے ہوں گے کہ جن کو ان کے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان پر موت طاری کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ جل کر کوئلہ بن جائیں گے پھر جب شفاعت کی اجازت ہوگی تو ان کو گر وہ در گر وہ بلایا جائے گا۔ اور انھیں جنت کی نہروں میں ڈال دیا جائے گا پھر اہل جنت سے کہا جائے گا ان پر پانی ڈالو۔ جس کے باعث وہ اس طرح تروتازہ ہو کر اٹھیں گے جیسے پانی کے بہاؤ سے آنے والی مٹی میں دانہ سرسبز و شاداب ہو کر نکلتا ہے یہ سن کر صحابہ میں سے ایک نے کہا یوں لگتا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ جنگل میں رہے ہوں۔ امام مسلم نے ایک دوسری سند سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہی روایت نقل ہے جس میں ہے کہ دانہ آگ جاتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ وخراج المؤمنین من النار ابن ماجہ کتاب الزہد باب ذکر الشفاعۃ)



سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا شخص:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سب سے آخر میں آگ سے نکلنے اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والے شخص کو جانتا ہوں وہ ایسا شخص ہوگا جو آگ سے پہلوؤں کے بل گھسٹتا ہوا نکلے گا اسے کہا جائے گا کہ تو جنت میں داخل ہو جاوہ آئے گا اور یہ خیال کرے گا کہ جنت بھر چکی ہے وہ واپس لوٹ جائے گا۔ اور عرض کرے گا اے رب میں نے تو اسے بھرا ہوا پایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جا جنت میں داخل ہو جاوہ آئے گا اور یہ خیال کرے گا کہ جنت بھر چکی ہے واپس لوٹ کر عرض کرے گا اے رب میں نے اسے بھرا ہوا پایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جا اس میں داخل ہو جا۔ وہ پھر آئے گا اور یہ خیال کرے گا کہ جنت بھر چکی ہے واپس لوٹ کہ پھر عرض کرے گا اے رب میں نے اسے بھرا ہوا پایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جا جنت میں داخل ہو جا۔ پس بے شک تیرے لئے مثل دنیا اور اس کے دس گنا جنت ہے۔ یا یہ فرمایا تیرے لئے دنیا کے دس گنا جنت ہے وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا اے رب کیا تو میرے ساتھ تمسخر کر رہا ہے یا یہ عرض کرے گا کیا تو میرے ساتھ ہنس رہا ہے حالانکہ تو مالک حقیقی ہے راوی کہتے ہیں میں نے اس مقام پر رسول اللہ ﷺ کو ہنستے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ آپ کے داڑھ مبارک ظاہر ہو گئے۔ اور یہ کہا جاتا تھا کہ یہ ادنیٰ جنت والے کا مقام ہے۔

(☆ صحیح البخاری کتاب التوحید باب کلام رب یوم القیامۃ مع الانبیاء وغیرہ ابن ماجہ کتاب الزہد باب صفۃ الجنۃ)

جہنم کی کیفیت:

قیامت کے روز جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے۔ (۶۵ جامع ترمذی کتاب ابواب صفۃ الجہنم باب ماجاء فی صفۃ النار) اس کی ایک گردن نمودار ہوگی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھیں گی دوکان ہوں گے جو سنیں گے اور ایک زبان ہوگی جو گفتگو کرے گی۔

(۶۶ جامع ترمذی کتاب ابواب صفۃ الجہنم باب ماجاء فی صفۃ النار)

اس کی گہرائی اتنی زیادہ ہے کہ اگر اس کے ایک کنارے پر سے بہت بڑی چٹان اس میں گرائی جائے تو ستر برس تک اس کی تہہ تک نہ پہنچنے پائے گی۔

(☆ جامع ترمذی کتاب ابواب صفۃ الجہنم باب ماجاء فی صفۃ النار)

دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا ستر واں حصہ ہے اور اگر اس آگ کو دو مرتبہ پانی سے بجھایا نہ گیا ہوتا تو اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکتا اور یہ آگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہے کہ وہ اسے دوبارہ جہنم کی آگ میں نہ لوٹائے۔ (☆ سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب صفۃ النار)

اس کے کمترین عذاب والا شخص وہ ہوگا جس کے پاؤں کے نیچے دو انگارے ہوں گے جن سے دماغ کھولتا ہوگا۔ (☆ ترمذی کتاب ابواب صفۃ جہنم باب ۱۹۷ ماجاء فی اہل النار عذابا) اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عذاب جہنم سے بچائے اور اپنے فضل و کرم کا مستحق بنائے اور ہمیں وہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی رضا کے حصول کا ذریعہ اور اس کی ناراضگی سے بچنے کا سبب ہو۔ آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم والہ واصحابہ اجمعین

اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت:

یہ سب کچھ چشم زدن میں محض ایک زوردار کڑک سے یا اسرافیل علیہ السلام کے پکارنے پر ہو جائے گا اور سب کے سب زندہ ہو کر بارگاہ الہی میں حساب و کتاب کے لئے حاضر ہو جائیں گے اس کے لئے نہ تو اسباب و آلات کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی مدت دراز کی حاجت۔ اگرچہ انسان اسباب و آلات کا محتاج ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان اسباب کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ اپنے کلمہ کن سے جس قیامت کو چاہے برپا کر سکتا ہے۔ جس چیز کو چاہے وجود میں لاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی طرح ہے وما امر الساعة الا کلمع بالبصر او هو اقرب اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان فانما ہی زجرة و احدة فاذا هم بالساهرة

جميع لدينا محضرون سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس وقت پس و پیش کر کے بارگاہ الہی میں حاضر ہونے سے رہ جائے گا یا وہ کہیں چھپ کر

جواب دی سے بچ جائے گا بلکہ سب کے سب چارونا چار مجرموں کی طرح عدالت کے کٹھرے میں کھڑے ہوں گے اور اپنے اپنے کئے کی سزا جزا حاصل کر کے رہیں گے۔

قیامت کا دن عدل و انصاف کا دن ہوگا:

آج کسی شخص پر ذرا برابر بھی ظلم نہیں ہوگا ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا اجر ملے گا، بدکاروں کو ان کی برائیوں اور نیکوکاروں کو ان کی اچھائیوں اور نیکیوں کا صلہ پورا پورا ملے گا۔ ہر شخص کے نامہ اعمال، نیک و بد، کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ اس علیم وخبیر سے کسی شخص کی کوئی بات بھی مخفی نہیں یہاں تک کہ دلوں کی دھڑکنوں اور ارادوں اور خواہشات سے بھی وہ باخبر ہے۔ پھر وہاں کسی بھی قسم کی رشوت، نا انصافی، مخالفت، ناجائز شفاعت کی قبولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا اس علیم وخبیر اور عیوب و نقائص سے پاک ذات سے ظلم و نا انصافی ہو ہی نہیں سکتی بلکہ آج تو عدل کامل کا دن ہے۔

عدل سے مراد یہ ہے کہ آج کسی کے گناہوں سے بڑھ کر اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ اور نیکیوں میں کمی نہیں کی جائے گی جہاں تک کسی کے گناہوں کی سزا میں تخفیف یا مومن کے اجر و ثواب میں اضافہ کا تعلق ہے تو یہ ظلم نہیں بلکہ اس کا اپنا فضل محض ہے وہ جس پر چاہے اپنا فضل کرے۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لاتسجرون یہ کفار کے ساتھ خاص ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ مومن کو وہ جزا دے گا جسے وہ من جھت وراثت اور من جھت اختصاص الہی جانتا ہی نہ تھا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے اعمال کی جزاء اور انہیں پورا پورا اجر عطا فرمانے کے بعد اپنے فضل محض سے اسے کئی گنا بڑھا کر اپنی رحمت اس کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔

فضل او بے نہایت و بے پایاں      لطف او زاتصورات بیرون

فیض او ہم سعد آرا مبذول      اجراء میشدہ غیر ممنون

ترجمہ:- بے شک اہل جنت آج (حسب مراتب) اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

۴۸ وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرصع) تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے ۴۹ ان کے لئے



وہاں (طرح طرح کے لذیذ) پھل ہوں گے۔ اور انھیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے تم پر سلام ہو (انھیں) یہ کہا جائے گا اپنے رحیم رب کی طرف سے اور (حکم ہوگا) اے مجرمو! (میرے دوستوں سے) آج الگ ہو جاؤ۔ (☆ روح البیان ج ۷ ص ۴۱۳ سورۃ یس: ۵۴)

علامہ ابوسعود لکھتے ہیں یہ جملہ بطور حکایت نقل کیا گیا ہے جو قیامت میں انھیں کہا جائے گا جب وہ اپنے لئے تیار شدہ عذاب کو دیکھیں گے تاکہ ان کے شکوک و شبہات مٹ کر انھیں یقین ہو جائے گا۔ (☆ تفسیر ابی سعید ج ۴ ص ۲۵۷ سورۃ یس: ۵۴)

سید قطب شہید لکھتے ہیں یہ اعلان یہاں ان شک کرنے والوں کے رد میں آیا ہے جنہیں قیامت کے برحق وعدے میں شکوک و شبہات تھے یا اب ہیں۔

(☆ تفسیر فی ظلال القرآن ج ۸ ص ۲۱۵ سورۃ یس: ۵۴)

کفار کی حالت بیان کرنے کے بعد مومنین و موحدین پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کی جانے والی نوازشات و انعامات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ اس دن اہل جنت ایسی خاص دلچسپیوں میں مصروف ہوں گے لذتوں اور لطف و سرور میں یوں مستغرق ہوں گے کہ انھیں کسی دوسری چیز کی خبر تک نہ ہوگی۔

**شغل کا معنی اور مفہوم آیت:**

شغل اس کام کو کہا جاتا ہے جو انسان کو روک لیتا ہے اور ماسواہ سے مشغول کر دیتا ہے اس لئے کہ یہ کام اس کے نزدیک زیادہ اہم ہوتا ہے کیوں کہ یہ کام یا تو کمال مسرت کو مستوجب ہوتا ہے یا کمال اسأت کو۔ اور یہاں اس سے مراد کمال مسرت ہے۔ اور اسے نکرہ ذکر کیا گیا تاکہ اس کی عظمت شان اور تعظیم پر دلالت کرے گویا یہ ایسا عظیم کام ہے جس کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔ یہاں اس سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان کو ہر پسندیدہ چیز سے مشغول کرنے والی ہیں ابن عباس، قتادہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس سے مراد باکرہ بیویوں کے ساتھ دل لگی کرنا ہے۔ وکیع سے مروی ہے کہ اس سے مراد سماع ہے۔ ابن کيسان سے باہم ملاقات کا قول مروی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد جمعہ کے روز فردوس اعلیٰ میں کستوری کے ٹیلوں کے

پاس اللہ تعالیٰ کی ضیافت میں مشغول ہونا ہے وہاں پر اللہ تعالیٰ اپنی تجلی فرمائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ ہ  
دیدار کریں گے۔ (تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۵۰ سورۃ لیس ۵۵)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔ الاولیٰ ان یقال فی شغل مایشتہون  
فالصوفیۃ العلیۃ الذین لامقصود لہم الا اللہ تعالیٰ شغلہم لانہماک  
والاستغراق فی التجلیات الذاتیۃ علی حسب مدارجہم وغیرہم کان شغلہم  
بالسماع والریاح والاکل والشرب والجماع علی حسب شہواتہم و رغباتہم  
ترجمہ: یعنی ہر ایک اپنی خواہش کے مطابق مشغول ہوگا صوفیائے کرام جن کا مقصود اللہ تعالیٰ  
کے علاوہ اور کوئی نہیں ان کا شغل یہ ہوگا کہ وہ اپنے مدارج کے مطابق تجلیات ذاتیہ کے مشاہدہ میں  
منہمک اور مستغرق ہوں گے اور دوسرے لوگ اپنی دنیاوی لذتوں کھانے پینے، سماع وغیرہ میں اپنی  
خواہش کے مطابق مشغول ہوں گے۔ وہ ابو نعیم سے بایزید بسطامی کا یہ قول نقل کرتے ہیں اخراج  
ابو نعیم عن شیخ طریقتنا ابی یزید البسطامی انہ قال ان للہ خواص من عبادہ  
لو حجبہم عن رؤیتہ لاستغاثوا کما یستغیث اهل النار بالخروج من النار۔

(تفسیر مظہری سورۃ لیس آیت ۵۵ ج ۸ ص ۹۱)

ترجمہ: آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ خواص بندے ہیں کہ اگر انھیں دیدار جمال خداوندی  
سے روک دیا جائے تو وہ ایسے ہی آہ و فغاں کرنا شروع کر دیں گے جیسے جہنمی آگ سے نکلنے کے  
لئے چیخ و پکار کریں گے۔

علامہ شوکانی اپنی تفسیر فتح القدر میں شغل کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شغل سے  
مراد ایسی لذتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کان نے سنا نہیں اور نہ ہی کسی دل میں اس کی  
خواہش پیدا ہوئی ہے جو انھیں کفار کے معاملے اور جہنم میں ان کے ٹھکانے کی طرف توجہ کرنے سے  
مشغول کر دیں گی اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ شغل کو کسی  
معین چیز کے ساتھ خاص نہ کرنا اولیٰ ہے۔ (تفسیر فتح القدر سورۃ لیس آیت ۵۵ ج ۲، الرابع ص ۲۹۵)

علماء سلف نے جو مختلف معانی بیان کئے ہیں ان سے ان کی مراد حصر نہیں ہے بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کی جملہ مشغولیتوں میں سے یہ مشغولیتیں بھی ہوں گی اور ان تمام امور میں سے چند کو ذکر سے خاص کرنے کو مقام بیان کے اقتضاء پر معمول کیا جائے گا۔

روایت کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن منادی کر دی جائے گی کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں جنہوں نے میری اطاعت کی اور بن دیکھے میرے ساتھ کئے گئے وعدوں کی حفاظت کی پس وہ کھڑے ہوں گے گویا ان کے چہرے چودھویں کے چاند اور چمکتے ہوئے ستارے ہیں اس حال میں کہ وہ نور کے نجیب گھوڑوں پر سوار ہوں گے ان کی لگا میں یا قوت کی ہوں گی جو انہیں مخلوق کے سروں کے اوپر سے لے اڑیں گے یہاں تک کہ وہ عرش کے سامنے کھڑے ہوں گے اللہ عزوجل انہیں فرمائے گا سلامتی ہو میرے ان بندوں پر جنہوں نے میری اطاعت کی اور بن دیکھے میرے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو نبھایا۔ میں نے تمہیں منتخب کر لیا اور تمہیں چن لیا اور تمہیں اختیار کر لیا پس تم چلے جاؤ اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پس آج نہ تم پر کوئی خوف ہو گا نہ حزن۔ پس وہ پل صراط سے اچکنے والی بجلی کی طرح گزریں گے جنت کے دروازے ان کے لئے وا کیئے جائیں گے پھر مخلوق محشر میں کھڑی ہوگی وہ ایک دوسرے سے کہیں گے اے قوم فلاں، فلاں کہاں ہیں۔ جب وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے تو ندا کرنے والا ندا دے گا ان اصحاب الجنة اليوم فی شغل فکھون (الجامع لاحکام القرآن سورۃ یس ص آیت ۵۵)

اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کچھ مومنین بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ ابوعمامہ باہلی سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا وعدنی ربی ان یدخل الجنة من امتی سبعین الفا لا حساب علیہم ولا عذاب مع کل الف سبعون الفا و ثلاث حثیات من حثیات ربی میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب اور عذاب سے جنت میں داخل فرمائے گا ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور میرے رب کی



مٹھیوں سے تین مٹھیاں (جو اس کے شایان شان ہیں) مزید ہوں گے۔ (ترمذی کتاب صفة القیلة  
باب منہا بن ماجہ کتاب الزہد باب صفة لمة محمد ما من احد یدخلہ اللہ الیہ الا زوجہ اللہ غنمین و سبعین زوجہ غنمین من الخور  
امین و سبعین من یہ اشمن اهل النار ما منهن واحدة الا ولھا قبل شھی و لذروا الشھی) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

**مومنین کی عظمت شان اور ان پر ہونے والے انعامات کا بیان:**

مومنین کے کمال نشاط کو بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی ازواج (بیویوں) کے ساتھ  
جنت کی نفیس نہروں جو یا قوت و زبرد کی لوح پر مشک، موتی سے جاری ہوں گی کے کناروں پر  
زریریں، منقش و مزین تختوں پر بادشاہوں کی طرح ٹیک لگا کر رونق افروز ہوں گے اور قبوں اور  
درختوں کے سایوں میں داد پیش دے رہے ہوں گے اور جس چیز کی خواہش کریں گے وہ  
انہیں مہیا کی جائے گی۔

**ازواج کی تخصیص کی وجہ:**

ازواج کا ذکر خصوصیت سے کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی نشاط، خوشی اور شغل اس  
وقت تک مکمل اور لطف سے بھرپور نہیں ہوتا جب تک اس نے اہل و عیال بھی اس سرور میں اس نے  
ساتھ شریک نہ ہوں۔ دوسرا اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ جنت سے اندر مومنین کو  
انتاہت یا تنہائی کا احساس نہ ہوگا کیوں کہ دنیا میں عام معمول ہے کہ جب انسان تنہا ہو تو وہ اکتا  
جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ جب شب معراج سدرۃ المنتہی پر جب ایل امین سے جدا ہوئے تو  
آپ کو وحشت کا احساس ہوا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے پھر آواز آئی جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی  
آواز کے مشابہ تھی تاکہ آپ اس آواز سے مانوس ہو جائیں۔

ازواج سے مراد یا تو ان کی وہ بیویاں ہیں جو دنیا میں ان کی زوجیت میں تھیں یا پھر وہ  
تمام بیویاں شامل ہیں جو چاہے دنیا میں اس سے نکاح میں تھیں یا بغیر شادی سے فوت ہو گئیں اور اللہ  
تعالیٰ نے جنت میں انہیں زوجیت میں دے دیا اور وہ بیویاں بھی جو اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں لی  
صورت میں جنت میں پیدا کی ہوئی ہیں۔ آخری صورت ہی راجع ہے کہ ازواج کو عام احسان

جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتی آدمی کو سو آدمیوں کی قوت عطا کرے گا۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ جب بھی وہ اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت کرے گا تو اسے باکرہ ہی پائے گا۔ وہاں منی نہ ہوگی بلکہ ریح (ہوا) ہوگی۔ اور وہاں وہ لذت حاصل ہوگی جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ابن ماجہ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہر جنتی کے لئے جنت میں بہتر بیویاں ہوں گی جن میں دو حور عین اور باقی بنو آدم سے۔ (☆ ابن ماجہ کتاب الزہد باب صفۃ الجنة)

### ظل کا معنی و مفہوم آیت:

ظل کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں یہ ظلہ کی جمع ہے جس کا معنی آڑ کیا گیا ہے یعنی جو مکان، الم سے بچاتا اور پناہ دیتا ہے۔ جس طرح گھر میں پناہ لینے والے کو بارش اور دھوپ کی گرمی کا خوف نہیں ہوتا اور وہ الم کو دور کرنے کے لئے مستعد ہوتا ہے یونہی جنتی بھی اللہ تعالیٰ کے ظل (سایہ) میں ہوگا جو اسے سوء (برائی) سے بچائے گا۔ (☆ تفسیر کبیر ج ۹ جز ۱، ص ۲۹۴ سورۃ یس: ۵۶)

ابن حبان اندلسی نے ظل کی تفسیر "ملا بس" کپڑوں اور پردہ وغیرہ سے کی ہے جو انسان پر سایہ کرتے ہیں۔ ابن اثیر نے ظل کا معنی الفسی (دن کے وقت کا سایہ) کیا ہے جو سورج اور آپ کے درمیان کسی چیز کے حائل ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جنت میں سورج نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ اسی لئے علامہ راغب اصفہانی نے ظل کی تفسیر الفصح سے کی ہے جو ظل کی ضد ہے۔

مفسرین نے ظل کی تفسیر میں جو مختلف اقوال بیان کئے ہیں ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ظل سورج سے سایہ کرنے کے معنی میں نہیں ہوگا کیوں کہ وہاں سورج نہیں ہوگا بلکہ بذاتہا جنت رونق و نور والی ہوگی اور اس کی ہر ہر شے روشن ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے ابن ماجہ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا الاہل مشمر للجنة فان الجنة لا خطر لها ای عدل ولا مثل وہی ورب الکعبة نور يتلألأ کیا تم میں سے کوئی جنت کے لئے تیار ہے پس بے

شک جنت کی کوئی مثل نہیں ہے رب کعبہ کی قسم وہ نور ہے جو چمک رہا ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الزہد باب صفۃ الجنۃ)

اور قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یرون فیہا شمساً ولا زہراً

(انسان، زہر، ۱۳)

وہ جنت میں سورج اور زہر برکوب نہیں دیکھیں گے (یعنی نہ گرمی ہوگی اور نہ ہی سردی کا احساس ہوگا) صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر جنت کی ایک دھڑکی دنیا میں جھانکے تو پوری دنیا روشن ہو جائے گی۔ ابن عباس سے جب جنت کے نور کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا جیسے آپ طلوع شمس سے قبل دیکھتے ہیں یہی اس کا نور ہوگا لیکن جنت میں سورج و زہر برکوب نہیں ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں جنت کا نور فی نفسہا دنیا میں سورج نکلنے سے پہلے کے نور سے مکمل نور ہے اسی طرح حدیث مذکور جسے ابن ماجہ نے حضرت اسامہ سے روایت کیا ہے کہ جنت ایک نور ہے جو چمک رہی ہے۔ یہاں پر ظن کو اسی معنی پر محمول کرنا چاہئے اور جمع کا ذکر تعدد اعتباری کی بنا پر ہے۔

اور ظن کو عزت اور شان و شوکت پر محمول کرنا بھی جائز ہے کیوں کہ کبھی کبھی اسے بھی ظل سے تعبیر کرتے ہیں علامہ راغب نے بھی یہی تفسیر بیان کی ہے اسے ظلتہ کی جمع جس کا معنی پردہ ہے پر بھی محمول کرنا جائز ہے اور ہر اس چیز پر جو چھت، درخت، قبہ وغیرہ میں سے سر کے اوپر ہوں۔ کیوں کہ ان سب کا قیامت میں پایا جانا یقینی ہے۔ (تفسیر روح المعانی ج ۱۲ سورۃ یس ۵۶)

صحیح احادیث میں ہے کہ جنت میں کمرے ہوں گے ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جنت میں موتی کا نیمہ ہے جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہے اس نے ایک کونے والے دوسرے کونے والوں کو نہ دیکھ سکیں گے اور ان کے پاس ایمان والے آتے جاتے رہیں گے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

(ترمذی کتاب ابواب صفۃ الجنۃ باب ما جاء فی حدیثہ عنہ)



ظاہر ہے کہ اس خیمہ کی چھت بھی ہوگی بلکہ دیگر احادیث میں چھت کی صراحت بھی ہے اور دوسری احادیث میں لمبے لمبے درختوں اور جنتیوں کے درختوں کے نیچے سایہ حاصل کرنے کا بھی تذکرہ موجود ہے۔

ابن ماجہ کی حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا ان فی الجنة شجرة يسير الراكب فی ظلها مائة سنة ولا يقطعها جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر ایک شہسوار اس کے نیچے ایک سو سال تک چلتا رہے تو اس مسافت کو طے نہ کر سکے گا۔

(☆ ابن ماجہ کتاب الزہد باب صفة الجنة)

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ درختوں کا سایہ عرش کے نور سے ہوگا تا کہ اس نور کی وجہ سے جنتیوں کی آنکھیں نہ چندھیا جائیں کیوں کہ یہ نور نور شمس سے زیادہ روشن ہے۔

(☆ تفسیر روح البیان ج ۷ سورۃ یس آیت: ۵۶)

## اریکہ کا معنی:

ارائک اریکہ کی جمع ہے اس کا معنی چار پائی یا تخت ہے۔ طبری نے کہا اس سے مراد تکیہ (وسادہ) ہے زہری نے کہا اس سے مراد ہر وہ شے ہے جس کے ساتھ ٹیک لگائی جائے۔ ابن عباس نے فرمایا اریکہ اس تخت کو کہا جاتا ہے جو جملہ عروسی میں ہو۔ اگر تخت بغیر جملہ (وہ خاص کمرہ جو دولہن کے لئے سجایا جاتا ہے) کے ہو تو وہ اریکہ نہیں اور اگر جملہ بغیر تخت کے ہو تو بھی اسے اریکہ نہیں کہتے۔ سریر (تخت) اور جملہ دونوں کو اریکہ کہا جاتا ہے حاوی الارواح میں ہے اریکہ جملہ میں اس تخت کو کہا جاتا ہے جس پر فراش بھی ہو اور صحاح میں ہے کہ اریکہ وہ بلند اور مزین تخت ہے جو قبہ یا گھر میں ہو۔ (روح المعانی ج ۱۲ سورۃ یس آیت: ۵۶)

الغرض اکثر لغویوں کے نزدیک اریکہ صرف تخت کو نہیں کہا جاتا بلکہ تخت اور جملہ دونوں کے مجموعے کو کہا جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوا کہ جنتی قبوں کے اندر مزین و آراستہ تختوں پر اپنی ازواج کے ساتھ رونق افروز ہوں گے اور بادشاہوں کی طرح عیش و نشاط اور شان و شوکت سے زندگی بسر

کریں گے۔ حور و غلمان ان کی خدمت پر معمور ہوں گے اور ہر طرح کی فکر، غم و الم سے دور ہوں گے۔ ہر قسم کی کھانے پینے کی چیزیں انھیں میسر ہوں گی جنہیں وہ لذت پذیری کے لئے استعمال میں لائیں گے۔ کیوں کہ وہاں بھوک یا پیاس نہیں ہوگی اور جس چیز کی بھی خواہش کریں گے اس کو پورا کیا جائے گا انھیں سوال کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی اور وہ اسی چیز کی خواہش کریں گے جو خواہش کئے جانے کے قابل ہو اور اس میں حسن و جمال ہو۔

سب سے بڑی نعمت دیدار الہی اور رب کی جانب سے سلام:

بنت میں مآکل و مشارب اور ہسمانی لذتوں کے ذکر کے بعد تکمیل نعمت و لذت کے لئے روحانی لذتوں کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے جس کے سامنے ہر قسم کی راحتیں، نعمتیں اور لذتیں بیچ ہو جائیں گی وہ نعمت اس خالق و مالک اور محبوب حقیقی کا دیدار ہوگا جس کو راضی کرنے کے لئے اور جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وہ دنیا میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے جس کے خطاب جاں افروز کو سننے کے لئے انھوں نے اپنی نیندوں کو قربان کر دیا اور رات قیام اور دن صیام میں گزارے جس کی رضا جوئی کے لئے وہ سربکف میدان کارزار میں دشمنان دین کے خلاف املائے کلمہ الحق کے لئے سرگرم عمل رہے اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیا۔ اس وقت ان سرفروشوں اور جانثاروں کی خوشی و مسرت کا اندازہ کون اگا سکتا ہے جب وہ خالق حقیقی انھیں اپنے خطاب جانفزا سے شاد کام فرمائے گا اور انھیں اپنے رخِ زیبا (اپنی شان کے مطابق) کا دیدار کروائے گا۔ اہل جنت کو سب سے بڑی نعمت جو حاصل ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انھیں سلام و دیدار الہی ہوگا۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بینما اهل الجنة في نعيمهم اذ سطح لهم نور فرفعوا رؤسهم فاذا الرب جل جلاله قد اشرف عليهم من فوقهم فقال السلام عليكم يا اهل الجنة وهو قوله

ترجمہ: جس وقت اہل جنت اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے اچانک اوپر سے ایک نور چمکے گا جب وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ ان کا رب کریم ان کی طرف (اپنی شان کے مطابق) جھانک رہا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیوں السلام علیکم! سلام قولا من رب رحیم سے یہی مراد ہے۔ پس جمال حقیقی کے دیدار میں اس قدر مستغرق ہو جائیں گے کہ انھیں کسی نعمت کا خیال تک نہیں رہے گا۔ یہاں تک کہ حسن حقیقی پر وہ فرمائے گا لیکن اس کا نور اور اس کی برکت ان پر اور ان کے گھروں پر ضیا بار رہے گی۔ علامہ شوکانی نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے علامہ ابن کثیر نے اس کی سند پر تعقب کرتے ہوئے لکھا ہے فی اسنادہ نظر زائد میں ہے اس کی سند میں عبد اللہ بن عبید اللہ ابو عاصم العباری ہے جو منکر الحدیث ہے۔ (۱۵۸ فی زوائد ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۳ فی انکرت الجہور تفسیر ابوی سورۃ یس ۵۸، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۱ سورۃ یس ۵۸، فتح القدیر ج ۳ ص ۵۰۱ سورۃ یس ۵۸)

لیکن اس حدیث کے معنی کی تائید مسلم شریف کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

انہر ت صحیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا اذا دخل اهل الجنة الجنة قال يقول الله تبارک و تعالیٰ تریدون شیئا فیقولون الم تبیض و حوہنا الم تدخلنا الجنة و تنجینا من النار قال فیکشف الحجاب فما اعطوا شیئا احب الیہم من النظر الی ربہم عزوجل۔

(صحیح مسلم کتاب ایمان باب فی اثبات لرؤية المؤمنين فی الآخرة)

تو کہہ: جب تمام جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کیا تم نے بعد تمہیں کوئی اور خواہش ہے جنتی عرض کریں گے اے رب! کیا تو نے ہمارے چہرے



روشن نہیں کئے؟ کیا تو نے ہمیں جنت عطا نہیں کی؟ کیا تو نے ہمیں جہنم سے نجات نہیں دی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ حجاب اٹھائے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب کوئی دوسری چیز نہ ہوگی۔

بعض مفسرین نے سلام سے مراد فرشتوں کا سلام لیا ہے یعنی جب مومنین جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے انہیں ہر دروازے پر سلام کہیں گے سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تحیتہم یوم یلقونہ سلام (احزاب: ۴۴) جس دن وہ ان سے ملیں گے تو ان کا خیر مقدم سلام سے کیا جائے گا۔ احادیث میں بھی مذکور ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کا سلام انہیں پہنچائیں گے۔ میرے نزدیک پہلا قول ہی راجح ہے کیوں کہ جو خوشی مومنین کو اللہ تعالیٰ کے سلام و کلام سے ہوگی وہ فرشتوں کے سلام سے نہیں ہوگی۔ مومنین کی کرامت اور کمال شرف اس میں ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ فرمائے اور انہیں شرف ہمکلامی سے نوازے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی انہیں لوگوں میں سے بنائے بجاہ نبیہ الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام آمین

کفار کی سوء منزلت اور مسلمانوں سے الگ ہونا:

مومنین پر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور ان کے عیش و نشاط جسمانی و روحانی لذتوں کے تذکرہ کے بعد کفار کی سوء منزلت اور ان کے سزا و عقاب کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے آج مجرموں کو حکم ہو گا تم مومنین صالحین سے دور ہو جاؤ اور الگ الگ صف بندی کرو کوئی فرقہ دوسرے سے گڈ نہ ہو چنانچہ کفار اور مجرمن بعض بعض سے بھی ممتاز ہو جائیں گے یہود کا ایک گروہ ہوگا، عیسائی، بت پرست، آتش پرست، ملحد، دھری سب الگ الگ ہو کر جمع ہو جائیں گے مومنین جنت و سد باریں گے اور کفار جہنم میں اپنے اپنے زندان خانے میں جو ان کے لئے تیار کیا گیا ہے ہر گروہ کے لئے الگ الگ مخصوص ذیل خانہ ہوگا جب وہ اپنے مخصوص ذیل خانے میں چلا جائے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا نہ وہ کسی کو دیکھے گا اور نہ ہی اسے کوئی دیکھے سکے گا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی دنیا اور بیہقی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ان مجرمین کو جہنم میں پھینکا جائے گا جن کے لئے خلود فی النار واجب ہو چکا ہے تو انھیں صندوقوں میں ڈال دیا جائے گا جن کی کیلیں بھی لوہے کی ہوں گی ان تابوتوں کو پھر لوہے کے صندوقوں میں ڈالا جائے گا پھر انھیں اسفل جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو عذاب میں مبتلا نہیں دیکھے گا۔ ابو نعیم اور بیہقی نے سدید بن غفلہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (☆ تفسیر مظہری سورۃ یس: ۵۹ ج ۸ ص ۹۳) علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں یہ امتیاز اور تفرقہ موقف میں کیا جائے گا۔

اسی معنی کی تائید قرآن حکیم کی یہ آیت بھی کرتی ہے و یوم نحشرهم ثم نقول للذین اشرکوا مکانکم انتم و شرکاءکم فزیلنا بینہم (یونس: ۲۸) اور جس دن ہم سب کو اٹھائیں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے اپنی جگہ پر رہو اور تمہارے شریک بھی پس ہم انھیں (مسلمانوں سے) جدا کر دیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یوم تقوم الساعة یومئذ یتفرقون (الروم: ۱۳) جس دن قیامت ہوگی اس دن مسلمان اور کافر الگ ہو جائیں گے اور یہ فرمان یومئذ یصدعون (الروم: ۷۳) یعنی وہ دو فرقے اور دو گروہ بن جائیں گے ایک گروہ مومنین و متقین اور دوسرا گروہ کفار و مشرکین و منافقین کا۔ مومنین جنت کو سدھاریں گے اور کفار جہنم کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان احشروا الذین ظلموا و ازواجہم و ما کانوا یعبدون من دون اللہ فاهدوہم الی صراط الحقیم (الصافات: ۲۲)

ظالموں اور ان کی ازواج کو ہانکو اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو وہ پوجتے تھے ان سب کو دوزخ کی طرف ہانکو۔

یعنی کفار کو اپنے شیاطین اور اپنے اشیاء و امثال کے ساتھ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ازواج سے مراد امثال ہے یعنی بت پرست، بت پرستوں، آتش پرست آتش پرستوں اور یہود و نصاریٰ یہود و نصاریٰ کے ساتھ و علیٰ هذا القیاس۔

## مشرکین کی تبکیت اور انھیں لا جواب کرنا:

ان مجرموں کو زجر و توبخ کرنے، ڈانٹنے اور خاموش کروانے کے لئے کہا جائے گا کہ آج چیخنے چلانے اور آہ و فغاں کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ تم لاکھ چلاتے رہو آہ و زاری کرو آج تمہاری کوئی سننے والا اور تم پر ترس کھانے والا نہیں ہے۔ یہ تو تمہارے اپنے کئے کی سزا تم بھگت رہے ہو۔ تم نے تو خود اس جہنم کو مول لیا اور نہ ہم نے تو اس سے قبل دنیا میں ہی تمہیں اس عذاب الیم سے ڈرایا تھا ہم نے اپنے مقربین، رسولوں اور پیغمبروں اور پھر ان کے ناصین علماء و ربانین کے ذریعے تنبیہ کر دی تھی بار بار وصیت کی تھی کہ تم راہ راست اختیار کرو صراط مستقیم پر گامزن ہو جاؤ۔ شیطان کی پیروی نہ کرو تمہیں عقل و خرد سے بھی نوازا کائنات کے اندر دلائل کو نیہ بھی پیدا فرما دیئے اگر تم ان میں بھی غور و فکر کرتے تو تم پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی کہ اس کائنات کا خالق و مالک اور مدبر ہی حقیقی بندگی کے قابل ہے وہی اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کے حضور جہیں نیاز کو جھکایا جائے اسی کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے لیکن تم ایسے بد بخت نکلے کہ روشن دلائل اور واضح آیات کو دیکھنے اور رسولوں اور مبلغین کے وعظ و ارشاد اور احقاق حق و ابطال باطل کے باوجود کفر و معصیت پر ڈٹے رہے اور اپنے اور اپنے باپ آدم کے دشمن شیطان کی پیروی کرتے رہے اس کے حکم پر عمل پیرا ہوتے رہے۔ تم جیسا ناداں بھی کوئی ہے جو اپنے کھلے اور واضح دشمن کے دام فریب میں آکر اپنے دوست کو بھلا دے اور اس کی مخالفت و مخالفت شروع کر دے۔ اس نے تو تمہارے باپ آدم کو جنت سے نکالا اور پھر اللہ جل مجدہ کو چیلنج کیا کہ وہ بنی آدم جس کی وجہ سے اسے راندہ درگاہ کیا گیا کو بھٹکائے گا اور انھیں راہ راست پر چلنے نہیں دے گا تمہیں بھی اپنے ساتھ جہنم رسید کرے گا۔ لیکن بایں ہمہ تم اس کی بندگی کرتے رہے آج مت چینیو مت چلاؤ اس کا فائدہ کوئی بھی نہیں ہے تم اپنے کفر کے باعث اس جہنم کا ایندھن بنو گے۔



اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر بایں الفاظ بیان فرمایا:

یا بنی ادم لا یفتنکم الشیطن کما اخرج ابویکم الجنة (الاعراف: ۲۷)

اے بنی آدم! شیطان تمہیں ہرگز فتنہ میں مبتلا نہ کرے جس طرح کہ اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکالا۔

مقصد یہ کہ تم شیطان کے مکر و فریب سے بچو جس طرح اس نے آدم و حواء علیہما السلام کو جنت سے نکالا یونہی یہ کہیں تمہیں بھی احکامات الہی کی خلاف ورزی کرنے پر مجبور نہ کرے اور پھر تم جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ جلتے رہو۔ اور غضب الہی تم پر نازل ہو۔

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرماتا ہے ولا تتبعوا خطوات الشیطن انه لکم عدو مبین (بقرہ: ۱۶۸)

اور تم شیطان کی پیروی مت کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس آیت کریمہ میں شیطان کو کھلا دشمن قرار دیا گیا ہے کیوں کہ اس نے اپنی دشمنی کا اظہار خود رب العزت کے سامنے کیا ہے فبعزتک لا غوینہم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر ان میں سے تیرے مخلص بندوں کو۔ ایک شبہ کا ازالہ:

اگر یہ کہا جائے کہ کفار و مشرکین تو عموماً بتوں اور مظاہر کائنات کی عبادت و پرستش کرتے ہیں انھیں سجدہ ریز ہوتے ہیں اپنی مرادیں ان سے مانگتے ہیں انھیں اپنا معبود تسلیم کرتے ہیں نہ کہ شیطان لعین کو؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ شیطان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن چونکہ وہ شیطان کے بھکاوے میں آ کر اس کی اطاعت مطلقہ کرتے تھے۔ اس کے وسوسوں اور مکر و فریب پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ احکامات و امر و نواہی کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے تو گویا وہ شیطان کو ہی اپنا معبود سمجھ کر اس کی عبادت کرتے

تھے۔ اور اس کے ہر قول ہر ہر سو سے اور بھلاوے پر عمل کرنے ہی کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ کلام عرب میں عام ہے کہ جو شخص کسی کی ہر بات پر عمل پیرا ہوتا ہے اسے کہا جاتا ہے یہ تو اس کی عبادت کرتا ہے۔ جیسے عبد الزوجہ عبد النفس والہوی وغیرہ۔

### عہد حالی:

بعض مفسرین نے اس آیت سے مراد دلائل سمعیہ و عقلیہ لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی بندگی پر قائم ہیں۔ اور اس کے غیر کے روکنے والے ہیں ایسے دلائل عقلیہ کہ اگر ان میں تھوڑا سا بھی غور و فکر کیا جائے تو خالق کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے جن کا تقاضا یہ ہے کہ انسان فقط اسی ذات کے سامنے سر بسجود ہو جو تنہا اس کائنات کی خالق بھی ہے اور مالک و پروردگار بھی اور مدبر و حکیم بھی ہے۔ لہذا وہی اس قابل ہے کہ ہر ایک اس کے سامنے اپنی جہین نیاز جھکائے کیوں کہ اس کے علاوہ باقی سب مخلوق ہیں، حادث ہیں، مملوک ہیں غیر مختار ہیں اور محتاج ہیں لہذا جو عیوب و نقائص کا مجسمہ ہو وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے معبود تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو تمام قسم کے عیوب سے منزہ ہو تمام کو ہتھانیوں سے پاک ہو ہر قسم کے عجز سے مبرا ہو۔ جو صفت کمال سے متصف ہو لہذا وہ صرف اللہ جل مجدہ کی ذات بابرکات ہے اور وہی عبادت کی مستحق ہے۔

اگر الم اعدہ الیکم سے یہی دلائل و نچ مراد ہیں تو پھر یہ اپنے حقیقی معنوں میں نہ ہوگا بلکہ یہ بطور استعارہ ہوگا۔

### عہد مقالی:

اس آیت الم اعدہ الیکم سے ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ یہ حکم اور وصیت روز میثاق کو کی گئی تھی۔ جس کو قرآن حکیم نے سورہ اعراف میں بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

واذا اخذ ربک من بنی ادم من ظهورہم ذریتہم واشہدہم علی انفسہم الست بربکم قالوا بلی شہدنا ان تقولوا یوم القیمۃ انا کنا عن ہذا غفلین (اعراف ۱۷۲)

ترجمہ:- اے محبوب! یاد کرو جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولادوں کو نکالا اور انھیں انھیں پر گواہ بنایا اور پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا کیوں نہیں (تو ہمارا رب ہے) ہم نے گواہی دی۔ (یہ اس لئے ہوا) کہ کہیں تم یہ نہ کہو روز محشر کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

مسلم بن یسار جہنی سے مروی ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ سے اس بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی پیٹھ کو اپنے دائیں ہاتھ (جو اس کی شایان شان ہے) سے چھوا پس اس سے ذریت کو نکالا اور فرمایا میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اہل جنت کے کاموں کے لئے پھر ان کی پیٹھ کو چھوا اور اس سے ذریت کو نکالا۔ اور فرمایا میں نے انھیں جہنم کے لئے اور جہنمیوں کے کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! (ﷺ) پھر عمل کس کے لئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ عزوجل نے بندہ کو جنت کے لئے پیدا فرمایا ہے تو اسے جنتیوں کے کاموں کے لئے استعمال کرتا ہے یہاں تک کہ اہل جنت کے کام کرتے کرتے اسے موت آ لیتی ہے پس اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کے ساتھ جنت میں داخل کر دیتا ہے جب کسی آدمی کو جہنم کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اس سے اہل نار کے کام لیتا ہے یہاں تک کہ وہ جہنمیوں کے کام کرتے کرتے مر جاتا ہے اور اسے اس عمل کے ساتھ جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔ ہذا حدیث حسن (☆ جامع ترمذی کتاب التفسیر باب سورة اعراف۔ تفسیر بغوی ص ۶۰۹ ج ۶ زیر آیت سورة اعراف: ۷۲، جامع البیان ج ۶ ص ۱۴۲ سورة اعراف: ۷۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پیٹھ کو ملا چنانچہ آپ کی پیٹھ سے ہر وہ جاندار گر پڑا جس کو اللہ تعالیٰ پیدا فرمانے والا تھا اور ان میں سے ہر ایک کی آنکھوں کے درمیان ایک چمک رکھی پھر انھیں آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیری اولاد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے درمیان ایک آدمی کو دیکھا جس کی آنکھوں



لے درمیان والی چمک آپ کو پسند آئی۔ عرض کی یارب یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیری اولاد میں سے آخری امت کا ایک آدمی ہے جسے داؤد کہتے ہیں حضرت آدم نے پوچھا اے میرے رب اس کی عمر کتنی رکھی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب میری عمر میں سے چالیس سال ان کو دے کر ان کی عمر میں اضافہ فرما۔ تب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ختم ہوئی موت کا فرشتہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتہ نے کہا کیا آپ نے وہ (چالیس سال) اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دیئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا اور آپ کی اولاد نے بھی انکار کیا حضرت آدم علیہ السلام بھولے آپ کی اولاد بھی بھولی حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو آپ کی اولاد سے بھی خطائیں سرزد ہوئیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۱) جامع ترمذی کتاب النفس باب سورة اعراف خازن سورہ اعراف ۷۲ ص ۶۸ ج ۲)

عبد بن حمید، حکیم ترمذی نے نو اور اصول میں طبرانی اور ابوشیخ نے العظمتہ میں اور ابن مردویہ نے ابوعمامہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور فیصلہ فرمادیا اور انبیاء سے میثاق لیا دراں حالیہ اس کا عرش ابھی پانی پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اہل یمین کو اپنے دائیں ہاتھ (دست قدرت) سے لیا اور اصحاب شمال کو اپنے بائیں ہاتھ سے اور سب کے سب نے زمین کے سامنے قسم اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اصحاب یمین انھوں نے جواباً کہا بلیک رہنا و سعدیک فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے عرض کی۔ کیوں نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اصحاب شمال انھوں نے جواب دیا بلیک رہنا و سعدیک اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے عرض کی کیوں نہیں۔

(۲) تفسیر روح المعانی سورة اعراف ص ۱۵ ج ۱۲ آیت نمبر ۱۷۲)

مفسرین و محدثین کے نزدیک مہد سے مراد یہی مہد ہے جو روز میثاق کو لیا گیا تھا متکلمین کے نزدیک اس مہد سے مراد اہل عقلیہ سمعیہ ہیں بہر کیف مفسرین نے درمیان اس آیت میں بہت نزاع ہے۔ معتزلہ اسے میثاق حالی پر محمول کرتے ہیں علامہ بیضاوی بھی اسی سے

قائل ہیں میثاق حالی پر محمول کرنے کی صورت میں آیت واحادیث میں تعارض واقع ہوتا ہے پھر احادیث میں کئی جگہ تعارض آتا ہے اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے ایک سے زائد میثاق ماننے پڑتے ہیں۔ علامہ آلوسی بغدادی نے لکھا ہے کہ علامہ شیرازی نے آیت و آثار میں تطبیق دی ہے وہ ایسی تطبیق ہے جسے عقلاء و علماء نے پسند کیا اور اس پر رضا مندی کا اظہار کیا اور اسے قبولیت کی سند عطا کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضور ﷺ سے آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ کا جواب اسلوب حکیم کی طرز پر تھا اور وہ یہ کہ آپ سے میثاق حالی کے بارے میں پوچھا گیا اور آپ نے جواب میثاق مقالی سے دیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم سے دو میثاق لئے ایک میثاق مقالی اور دوسرا حالی۔ حالی میثاق تو یہ ہے کہ اس کی فطرت میں عقیدہ توحید کی طرف جو میلان رکھ دیا اور اس کے باطن میں جو چراغ روشن کر دیئے ہیں وہ اپنی زبان حال سے بلی کہہ رہے ہیں اور دوسرا میثاق وہ تھا جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے جو روز میثاق کو لیا گیا ہے۔ (۵۶ روح المعانی ص ۸۷ ج ۵ زیر آیت سورۃ اعراف: ۱۷۲)

شیطان کی عبادت کا معنی:

شیطان کی عبادت سے مراد اس کی بندگی و اطاعت ہے۔ اور اس کے حکم اور اشاروں پر عمل پیرا ہونا ہے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے لا تعبدوا الشیطن ای لا تطیعوہ فی معصیتی یعنی میری معصیت میں اس کی اطاعت نہ کرو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لا تعبدوا الشیطن کا معنی ہے لا تطیعوہ یعنی تم اس کی عبادت نہ کرو اس کی دلیل یہ ہے کہ منہی عنہ صرف اسے سجدہ کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا ہے لہذا یہی اطاعت و فرمانبرداری ہی عبادت ہے امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ آیت مقدسہ واطیعوا اللہ والرسول واولی الامر منکم میں تو ہمیں امراء کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے اس طرح کہ ہمیں ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت

اور اس کی اطاعت ہی ہوا کرتی ہے کیوں کہ نفس سجدہ و رکوع جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت و اطاعت ہوتی ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا اور یہ عبادت الہی ہی تھی امراء کی وہ اطاعت جو حکم الہی سے نہ ہو وہ امراء کی عبادت ہوگی۔

امام رازی پھر سوال اٹھاتے ہیں کہ ہم عبادتِ رحمن و عبادتِ شیطان کو کس چیز سے ممیز کر سکیں گے حالانکہ ہم شیطان سے نہ تو کوئی خبر سننے پاتے ہیں اور نہ ہی اس کا کوئی اثر دیکھتے ہیں؟ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت یا اللہ تعالیٰ کے حکم فرمانے ہوئے فعل کو اس بنا پر بجا نہ لانا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے شیطان کی عبادت ہے۔

بعض اوقات آپ کو کوئی دوسرا شخص حکم دے رہا ہوتا ہے اور شیطان اس میں ہوتا ہے بعض اوقات شیطان آپ کے نفس میں موجود ہوتا ہے اور آپ کو حکم دے رہا ہوتا ہے جب کوئی شخص آکر آپ کو کوئی حکم دے آپ دیکھیں کہ وہ حکم اللہ تعالیٰ کے امر کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو شیطان اس شخص کے ساتھ ہے اور وہی آپ کو حکم دیتا ہے۔ اگر آپ نے اس کی اطاعت کی تو گویا آپ نے شیطان کی عبادت کی۔ اگر آپ کا نفس آپ کو کسی کام کی دعوت دے آپ دیکھیں کیا وہ فعل ماذون فی الشرع ہے یا نہیں۔ اگر شرع میں اس کی اجازت نہیں ہے تو آپ کا نفس شیطان ہے یا اس کے ساتھ شیطان ہے جو آپ کو اس کام کی دعوت دے رہا ہے۔ اگر آپ نے اس حال میں اس کی اتباع و پیروی کی تو شیطان کا حکم ہے اس کے مرتکب ہو گئے۔

امام رازی آگے چل کر لکھتے ہیں مبادی سے چند مراتب ہیں۔ کیوں کہ پتہ اعمال وہ ہوتے ہیں جن میں دل و زبان جوارج کے موافق ہوتے ہیں۔ کچھ وہ ہوتے ہیں جن میں دل و زبان جوارج کے مخالف ہوتے ہیں۔ اور کچھ وہ ہوتے ہیں جن کے ارتکاب کے وقت انسان کا دل ان سے نفرت کرتا ہے اسے گناہ کا اعتراف ہوتا ہے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرتا ہے اور اسے گناہ کا اعتراف ہوتا ہے یہ شیطان کی عبادت جوارج ظاہرہ کے ساتھ ہے۔ پتہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو



ارتکاب گناہ کے وقت مسرور اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں یہ ظاہر و باطن میں شیطان کی عبادت کرنے والا ہوتے ہیں۔ (☆ تفسیر کبیر ج ۹ ج ۱ ص ۲۹۸ سورۃ یس: ۶۰)

### آیت کا مدعا:

آیت کا مدعا یہ ہے کہ ایک صحیح و عاقل و سمجھدار آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عبادت شیطان سے پرہیز کرے اور اس کے بھلاوے و پھسلاوے میں نہ آئے اس کے وسوسوں پر عمل پیرا نہ ہو۔ بلکہ قول و فعل اور جوارح سے اس کی مخالفت و مخالفت کو جاری رکھے۔ لیکن انسان اپنی کم فہمی اور کوتاہی عمل کی بنا پر اکثر شیطان کے وسوسوں اور اس کی ترغیبات پر عمل کر کے اپنے رب کی ناراضگی مول لیتا ہے اور بہت سے لوگ اس کے مکر و فریب سے نہ بچ سکے اور گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے اپنے خالق و مالک کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوئے اور انھیں جہنم میں شیطان کے ساتھ دھکیل دیا جائے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ جہنم کو حکم دے گا تو اس سے ایک سیاہ گردن جھانکتی ہوئی نکلے گی جو انتہائی سیاہ اور تاریک ہوگی۔ اور یہ کہے گی الم اعهد الیکم یا بنی ادم ان لا تعبدوا الشیطن انه لکم عدو مبین وان اعبدونی هذا صراط مستقیم و لقد اضل منکم جبلا کثیرا فلم تكونوا تعلقون هذه جہنم التي كنتم توعدون

اے بنی آدم! کیا میں نے تمہیں وصیت نہ کی تھی کہ تم شیطان کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور تم میری عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ تحقیق اس نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ یہ وہی جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

(☆ تفسیر ابن کثیر سورۃ یس: ۶۰ ص ۵۹۵ ج ۳)

### اعضاء و جوارح کی گواہی:

اللہ تعالیٰ نے روز قیامت عدل و انصاف کا اعلان فرمایا ہے یہ دن کامل عدل کا دن ہوگا عدل و انصاف کے جملہ پہلوؤں کو مد نظر رکھا جائے گا کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم و زیادتی نہیں کی جائے گی

ہر ایک کو اپنے اپنے نامہ اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی جو بھی فیصلہ ہوگا اس میں گواہوں کی گواہی کو پیش نظر رکھا جائے گا تحریری دستاویزات پیش کی جائیں گی۔ اور ان کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا لیکن عام طور پر دنیا میں بھی یہ دیکھا گیا ہے، جب فیصلہ سنایا جاتا ہے قاضی و جج چاہے کتنا ہی عدل و انصاف کو پیش نظر کیوں نہ رکھے اور عدل و انصاف کے جملو پہلوؤں کے مطابق فیصلہ سنائے لیکن بایں ہمہ جس کے خلاف فیصلہ سنایا جاتا ہے وہ اس فیصلہ کو ظلم و زیادتی اور نا انصافی سے تعبیر کرتا ہے اور سراپا احتجاج بن کر دستاویزات کو جعلی اور گواہوں کے جھوٹا ہونے کا دواویلا مچاتا ہے۔ قیامت کے روز بھی اگرچہ عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کیا جائے گا فرشتوں کی تحریر کردہ دستاویزات نامہ اعمال کی صورت میں انسان کو پکڑائی جائیں گی۔ نیکوں کو دائیں ہاتھ میں اور کافرین و مشرکین کو بائیں ہاتھ میں ان کا نامہ اعمال تھمایا جائے گا ہر ایک کا پورا پورا ریکارڈ اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کے عزیز و اقارب رشتہ دار اس کے خلاف گواہی دیں گے وہ چلائے گا کہ یہ سارے جھوٹے ہیں فرشتوں نے میرے نامہ اعمال میں یہ یہ کام ویسے ہی لکھ دیئے ہیں میں نے کبھی شرک نہیں کیا گواہوں کی گواہی جھٹلائی جائے گی کراما کا تبین کے تحریری دستاویزات کی صحت کا انکار کیا جائے گا جب ان کا شور و غل اور دواویلا حد سے بڑھ جائے گا تو اس وقت ان کے مونہوں کو سی دیا جائے گا اور انھیں مہر لگا دی جائے گی ان کے اعضاء کو سرکاری گواہ کے نامہ اعمال میں پیش کیا جائے گا اور انھیں قوت گویائی عطا کی جائے گی۔

ہاتھوں کی طرف تکلم کی نسبت اس بنا پر ہے کیوں کہ افعال عموماً اس کی مشارکت سے ہی ہوتے ہیں اسی وجہ سے فعل کو ہاتھوں کی طرف ہی منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان  
یوم ينظر المرء ما قدمت يداه (النساء: ۴۰) اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بما کسبت ایدی الناس (یس: ۳۵) وغیرہ

اور پاؤں (رجل) کی طرف شہادت کی نسبت اس وجہ سے کی گئی کیوں کہ عموماً فعل کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا تو گویا یہ اجنبی کی طرح ہے۔

دوسری آیات کریمہ میں شہادت کی نسبت زبانوں، ہاتھ اور پاؤں اور اسی طرح کانوں، آنکھوں اور جلد وغیرہ کی طرف کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان الیوم نختم علی افواہہم ان کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کی زبانیں ان کی مرضی کے مطابق اور ان کے ارادے اور اختیار سے نہیں بولیں گی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان تمام اعضاء میں علم ضروری پیدا فرمائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے خلاف گواہی دیں گے اور یہ ایسی گواہی ہوگی جو تمام گواہوں سے زیادہ بہاری ہوگی۔ اور یہ حجت تمام حجتوں سے برتر و قوی ہوگی۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کافر اور منافق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کا نامہ اعمال اس کے سامنے پیش کرے گا تو وہ انکار کرے گا اور کہے گا اے رب تیری عزت کی قسم اس فرشتہ نے میرے خلاف وہ وہ اعمال لکھے ہیں جو میں نے کئے ہی نہیں۔ تو فرشتہ اسے کہے گا کیا تو نے فلاں دن فلاں وقت، فلاں جگہ پر یہ کام نہیں کیا تھا۔ وہ کہے گا نہیں اے رب میں نے بالکل نہیں کیا۔ جب وہ ایسا کرے گا تو اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ میرا گمان ہے کہ سب سے پہلے اس کی دہنی ران بولے گی پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی الیوم نختم علی افواہہم۔

(☆ روح المعانی ج ۱۲ جزء ص ۶۳ سورۃ یس: ۶۵ تفسیر مظہری سورۃ یس: ۶۵ ج ۸ ص ۹۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر خدمت تھے۔ آپ ہنس پڑے آپ نے دریافت فرمایا کیا تم جانتے ہو میں کیوں ہنسا ہوں۔ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے آپ نے فرمایا مَن مَخَاطِبَةُ الْعَبْدِ رَبِّهِ يَقُولُ يَا رَبِّ فَاَنِي لَا اَجِيزُ عَلٰی نَفْسِيْ اِلَّا شَاهِدًا مِّنِيْ قَالَ فَيَقُولُ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلٰيكَ شَهِيدًا وَبِالْكَرَامِ الْكَاتِبِيْنَ شَهِودًا قَالَ فَيَخْتَمُ عَلٰی فِيْهِ فَيَقَالُ لَا رِكَانَ اَنْطَقٰی قَالَ فَتَنْطَقُ بِاَعْمَالِهِ قَالَ ثُمَّ يَخْلٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَلَامِ قَالَ فَيَقُولُ بَعْدًا لِّكُنْ سَخَطًا فَعَنَكَ اَفَاضِلُ (☆ صحیح مسلم کتاب الزہد والرقاق باب اول ج ۲ ص ۲)



آپ نے فرمایا مجھے بندے کی اپنے رب سے بات پر ہنسی آتی ہے بندہ کہے گا اسے رب کیا تو نے مجھ پر ظلم سے پناہ نہیں دی وہ فرمائے گا کیوں نہیں بندہ کہے گا میں اپنے خلاف اپنے سوا اور کسی کی گواہی کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج تیرے خلاف تیری اپنی گواہی کافی ہے یا کرانا کاتبین کی گواہی کافی ہوگی۔ آپ نے فرمایا پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا بولو! پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال کا بیان کریں گے۔ پھر اس کے اور اس کے کلام کے درمیان تخلیہ کیا جائے گا۔ پھر وہ اعضاء سے کہے گا دور ہو دفع ہو میں تمہاری طرف ہی سے تو جھگڑ رہا تھا۔

امام مسلم، ترمذی اور بیہقی نے یہ مرفوع حدیث بواسطہ ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کیا میں نے تجھے عزت اور سرداری نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تجھے زوجہ نہیں دی؟ کیا میں نے تیرے لئے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کئے؟ کیا میں نے تجھے ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا؟ بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا افظنت انک ملاقی فیقول لا فیقول ای فل فانی انساک کما نسیتنی ثم یلقى الثانی فیقول ای فل الم اکرمک و اسودک و ازوجک و اسخر لک الخیل و الابل و اذرک تراس و تربع فیقول بلی فیقول افظنت انک ملاقی فیقول لا فیقول انی انساک کما نسیتنی ثم یلقى ثالث فیقول له مثل ذالک فیقول یا رب امت بک و تصدقت و لیتنی بخیر ما استطاع فیقول ہہنا اذا قال ثم یقال له الان نبعث شامدنا علیک و یتفکر فی نفسه من ذا الذی یشہد علی فیختم علی فیہ و یقال لفخذہ و لحمہ و عظامہ انطق فخذہ و لحمہ و عظامہ بعملہ و ذالک لیعذر من نفسه و ذالک المنافق و ذالک الذی یسخط اللہ علیہ

(بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، الرقاق، باب من)

ترجمہ:- کیا تو نے یہ گمان کیا تھا کہ تو مجھ سے ملے گا وہ کہے گا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسرے بندے سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو عزت و سیادت نہیں دی تھی۔ کیا میں نے تجھے زوجہ نہیں دی؟ کہا میں نے تیرے لئے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کئے اور کیا میں نے تجھے ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا۔ وہ شخص کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو یہ گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے وہ عرض کرے گا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھے اسی طرح بھلا دیا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندے کو بلا کر اس سے یہی سوال کرے گا۔ وہ عرض کرے گا اے میرے رب میں تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا۔ میں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، صدقہ دیا اور اپنی استطاعت کے مطابق نیکیاں بیان کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابھی معلوم ہو جائے گا پھر اس سے کہا جائے گا ہم ابھی تیرے خلاف اپنے گواہ بھیجتے ہیں۔ وہ بندہ اپنے دل میں سوچے گا میرے خلاف کون گواہی دے گا پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس کی ران، اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا کہ تم بولو! پھر اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کو بیان کریں گے اور یہ اس لئے کیا جائے گا تاکہ خود اس کی ذات میں اس کے خلاف حجت ہو یہ وہ منافق ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔

آیت اور احادیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ حشر بدن اصلیہ کے اجزاء کے ساتھ ہوگا، نہ کہ کسی دوسرے بدن کے ساتھ جس میں دنیاوی بدن اصلی کے اجزاء نہ ہوں۔ کیوں کہ اس بدن کے اعمال سیئہ ہوں گے ہی نہیں تو ان کی گواہی کیوں کر حسن ہوگی۔ لہذا اعضاء کی گواہی کے حسن ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حشر بدن اصلی کے ساتھ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت:

قیامت کی ہولناکیوں کی منظر کشی اور کفار و مشرکین کی دردناک حالت کا تذکرہ فرمانے کے بعد بنی نوع انسان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ قیامت میں تو اللہ

تعالیٰ عذاب دینے پر قادر ہے لیکن دنیاوی زندگی میں وہ آزاد ہیں جس طرح چاہیں اور جو چاہیں کرتے پھر یہ انہیں کوئی پوچھنے والا اور روکنے والا نہیں ہے اس غلط فہمی کا ازالہ فرمانے کے لئے فرمایا ایسا نہیں بلکہ تم اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہو وہ اگر دنیا میں بھی چاہے تو تمہاری ان آنکھوں کی بینائی ہی سلب کر دے بلکہ آنکھوں ہی کو اس طرح مٹا دے کہ گویا یہاں پر آنکھ ہی نہ تھی۔ آنکھ رہے نہ روشنی اور نہ ہی تمہیں کوئی چیز نظر آئے۔ اسی بینائی اور بصارت کی وجہ سے تم دنیاوی امور چلاتے ہو۔ ادھر ادھر گھومتے پھرتے ہو، لطف اٹھاتے ہو اللہ تعالیٰ کے ایک اشارہ سے بے بصر ہو سکتی ہیں۔ پھر تم ادھر ادھر چلنا پھرنا چاہو راستہ بھی نظر نہ آئے اور تم راہ کی تلاش میں بھٹکتے پھرو لیکن اللہ تعالیٰ اپنی کسی مصلحت کی بنا پر ایسا نہیں کرتا اور تمہیں اس نے مہلت دی ہے تاکہ تم اس ڈھیل سے فائدہ اٹھاؤ۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولو شاء الله لذهب بسمعهم وابصارهم (بقرہ: ۲۰)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کی نور بصیرت کو زائل کرنے کی طرح ان کی نور بصارت کو بھی زائل کر دیتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہے کہ باوجودیکہ انسان دنیا میں عذاب کے مستحق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ اور انہیں مہلت پہ مہلت دیئے جا رہا ہے شاید کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ یا پھر کفر و معصیت میں حد سے بڑھ کر اپنے اوپر عذاب الیم کو واجب کریں۔ فی الحقیقت یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہی ہے سندر جہم من حیث لا یعلمون وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں پوچھنے والا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں آہستہ آہستہ اس طرح جہنم کے قریب کر دیتا ہے کہ وہ جان بھی نہیں سکتے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

ہماری قدرت و طاقت کا یہ حال ہے کہ ہم اگر چاہیں تو چشم زدن میں ان مکذبین و مستہزئین کو مسخ کر کے حیوان یا پھر ان سے بھی بدتر بنادیں اور ان سے غور و فکر اور تدبر کی صلاحیتیں



ہی ان سے چھین لیں بلکہ ہم ان سے چلنے پھرنے کی طاقت بھی چھین لیں اور انھیں پتھر بنادیں نہ آگے ہل سکیں اور نہ پیچھے ہٹ سکیں۔ لیکن ہم نے اپنی رحمت عامہ کے تحت انھیں ڈھیل دی ہوئی ہے تاکہ یہ بد بخت لوگ اس مہلت سے فائدہ اٹھائیں۔ فکر خدا داد سے کام لیتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کو حق پہچاننے میں صرف کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کی قدر کریں اور اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بنیں۔ ہم نے انھیں جو ڈھیل دی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہماری قدرت سے باہر ہیں۔ اور ہمیں ان پر کوئی اختیار نہیں ہے اگر وہ یہ سمجھتے ہیں تو ان کی غلط فہمی ہے اور وہ دھوکے میں ہیں۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ۖ ۱۸ وَمَا عَلَّمْنَاهُ

اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کر دیتے ہیں اس کی طبعی قوتوں کو پھر کیا اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اور نہیں سکھایا

الشَّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۖ ۱۹ لِيُنْذِرَ

ہم نے اپنے نبی کو شعر اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے۔ تاکہ

مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۖ ۲۰ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا

وہ ہر وقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تاکہ حجت تمام کر دے کفار پر۔ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے پیدا فرمائے

خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۖ ۲۱

ان کے لئے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی مویشی پھر (اب) یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے

وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۖ ۲۲ وَلَهُمْ فِيهَا

تابعدار بنا دیا انھیں ان کا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں اور ان کے

مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۖ ۲۳ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ

لئے ان مویشیوں میں اور بھی بہت سی منفعتیں ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے۔ اور ان (ظالموں)

اللَّهُ إِلَهًا لَّهُمْ يُنْصَرُونَ ۖ ۲۴ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ

نے بنائے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شاید وہ ان کی مدد کریں یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی اور یہ کفار ان

لَهُمْ جُنُودٌ مُّحْضَرُونَ ۖ ۲۵ فَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا

معبودوں کے لئے تیار شدہ لشکر ہیں۔ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو (اے حبیب) ان کا قول ہم خوب جانتے ہیں پس

يُسْرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۖ ۲۶ أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ

بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ کیا انسان اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے۔

فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۖ ۲۷ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسَعَ خَلْقَهُ قَالَ

پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے عجیب و غریب مثالیں اور اس نے

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٤٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا

فرا موش کر دیا ہے اپنی پیدائش کو (گستاخ) کہتا ہے اجی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٤٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ

آپ فرمائیے (اے گستاخ سن) زندہ فرمائے گا انھیں وہی جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر مخلوق کو خوب

الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِّنْهُ تُوقَدُونَ ﴿٥٠﴾ أَوَلَيْسَ

جانتا ہے۔ جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لئے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے

الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ

ہو۔ کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی

وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٥١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ

مخلوق) بے شک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا

كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٢﴾ فَسُبْحَنَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَ

ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے پس وہ (ہر عیب سے) پاک ہے جس

إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٣﴾

کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔



## تنکلیس کا معنی اور مفہوم:

تنکلیس کا معنی اونڈھا الٹنا ہے قتادہ نے کہا اس کا معنی بڑھا پے کی اس حالت تک پہنچ جاتا ہے جو بچپن کے مشابہ ہے۔ سفیان ثوری نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انسان اسی سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے اعضاء متغیر اور قوت کمزور پڑ جاتی ہے۔

(☆ الجامع الاحکام القرآن ص ۳۹ ج ۸ جز ۲۵ سورۃ لیس: ۶۸)

## انسانی زندگی کے مختلف مدارج سے قدرت الہی پر دلیل:

اس آیت مقدسہ میں اللہ جل مجدہ اپنی حکمت کاملہ اور قدرت تامہ کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ انسان بلکہ جمیع حیوانات ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے دست قدرت اور اس کے تصرف میں رہتے ہیں اور یہ تصرف پانی کی ایک بوند سے شروع ہو کر ارزل العمر اور قبر میں داخل ہونے تک مسلسل اور لگاتار جاری رہتا ہے۔ پہلے انسان پانی کی ایک بوند ہوتا ہے پھر تغیر پذیر کے عمل سے گزرتے ہوئے خون، گوشت، پھر انسان کی شکل اختیار کر کے جب نو ماہ ماں کے پیٹ میں گزار کر دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اس وقت انتہائی کمزور و ناتواں اور دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے۔ پھر ہستہ آہستہ تربیت پا کر قوت و عقل و علم کے مدارج طے کر کے جب عالم شباب میں پہنچ جاتا ہے تو دوسروں کو دعوت مبارزت دینے لگتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو بارگراں کی قوت و طاقت میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے اور بتدریج اس کے اعضاء و جوارح میں ضعف پیدا ہوتا ہے قوت برداشت میں کمی واقع ہوتی ہے چلنے پھرنے دیکھنے و سننے سے معذور ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بالکل بچوں جیسی حرکات و سکنات ادا کرنے لگتا ہے جو چیزیں حالت جوانی میں اسے محبوب ہوا کرتی ہیں وہی چیزیں بڑھا پے میں مبغوض اور جن پر اسے سب سے زیادہ اعتماد ہوتا ہے انہیں شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ اس کے گہرے اور قابل اعتماد دوست اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی حرکات و سکنات بچوں کی سی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ لیکن بچوں کی حرکتوں کو ان کی حماقتوں اور

نزاکتوں پر محمول کر کے سب خوش ہوتے اور ہنستے ہیں اور انھیں لاڈ و پیار کی نظر سے دیکھتے ہیں جب کہ بوڑھے کی لغزش کو ناقابل معافی خیال کیا جاتا ہے کوئی اسے قابل رحم سمجھے تو الگ بات ہے اور نہ اس کی طفلانہ حرکتوں کو مزاح بنایا جاتا ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن نے دوسرے مقام پر بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ  
ضعفا و شیبۃ یخلق ما یشاء و هو العلیم القدیر (الروم: ۵۴)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور پیدا فرمایا پھر عطا کی (تمہیں) کمزوری کے بعد قوت پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھا پادے دیا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ومنکم من یرد الی ازل العمر لکیلا یعلم من بعد  
علم شیئا (النحل: ۷۰)

ترجمہ:- اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف تاکہ وہ کچھ نہ جانے  
جان لینے کے بعد۔

اس آیت میں اس حقیقت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ انسانی وجود اور انسانی مشینری جو  
عالم صغریٰ کے مشابہ ہے میں تغیرات و انقلابات اللہ جل مجدہ کے دست قدرت کا عظیم مظہر ہے۔  
اور تمام صلاحیتیں، قوتیں اور طاقتیں جب اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ ہیں تو انسانی ملکیت نہیں ہیں وہ  
جب چاہے انھیں واپس لے سکتا ہے اور اس طرح کہ کسی کو ان کا علم بھی نہ ہو۔ یعنی فی الفور اور بیک  
وقت وہ انسان کو ان قوتوں سے یکسر محروم کر سکتا ہے تو حیف صد حیف ہے اس شخص کے لئے جس کو  
یہ نعمتیں عطا کی گئیں اور وہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور غرور و تکبر میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر  
کرنے کی بجائے کفران نعمت کا مرتکب بنا۔

انبیاء و علماء ارزل العمر میں قدم نہیں رکھتے:

علامہ شیخ سلیمان الجمل اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ حالت (قوت و شباب کے بعد ضعف و هرم) غیر انبیاء علیہم السلام میں اکثر پایا جاتا ہے جہاں تک انبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے تو وہ طول عمر کی وجہ سے نہ تو هرم (انتہائی بڑھاپہ) میں قدم رکھتے ہیں اور نہ ہی ضعف میں پڑتے ہیں اور کسی بھی نبی کے بارے میں یہ حکایت نہیں کیا گیا کہ وہ ہزار سال تک زندہ رہا یا اس سے کم اور اس کے قوت میں کمی واقع ہوئی ہو۔ وهذا فی اغلب الناس و فی غیر الانبیاء علیہم السلام اماہم فلا یہرمون ولا یضعفون بطول العمر ولم یحک عن نبی من الانبیاء من عاش منهم الفا و من عاش منهم من دون ذالک انه نقص شیئی من قواہ۔

(۲۸: حاشیہ الجمل علی الجلالین ج ۶ ص ۳۰۶ زیر آیت سورۃ لیس ۶۸)

علامہ صاوی لکھتے ہیں وهذا فی غیر الانبیاء و اماہم فلا یعتریہم الضعف فی العقل والبدن وان طال عمرہم جدا و استعاذۃ النبۃ ﷺ من الرد لارذل العمر تعلیم لامتہ و یلحق بالانبیاء العلماء العاملون فلا یہرمون ولا یضعفون بطول العمر بل یكونون علی احسن ما كانوا علیہ۔

(۲۸: حاشیہ الصاوی علی الجلالین ص ۱۰۷ ج ۵ سورۃ لیس ۶۸)

یہ غیر انبیاء میں ہوتا ہے جہاں تک انبیاء کرام کا تعلق ہے تو ان کی عقل و جسم میں ضعف طاری نہیں ہوتا اگرچہ وہ طویل عمر کو ہی کیوں نہ پہنچ پائیں۔ حضور ﷺ کا ارزل العمر سے پناہ مانگنا امت کی تعلیم کے لئے تھا۔ انبیاء کے ساتھ علماء عاملین ملحق ہیں، وہ بھی طویل عمر کی بنا پر نہ تو انتہائی بوڑھے ہوتے ہیں اور نہ ہی ان پر ضعف طاری ہوتا ہے بلکہ وہ پہلے سے بھی اچھی حالت میں ہوتے ہیں۔

اس آیت میں اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ انسان کو جوانی کے ایام کو غنیمت سمجھ کر نیک اعمال کرنے چاہئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے اغتنب خمساً قبل خمس شبابک قبل ہرمک و صحتک قبل سقمک و غناک قبل فقرک و حیاتک قبل موتک



### و فراغک قبل شغلک

پانچ اشیاء کو پانچ چیزوں کے حصول سے قبل غنیمت شمار کرو۔ جوانی کو بڑھاپے سے قبل، صحت کو بیماری سے پہلے، غنی اور دولت مندی کو فقر سے پہلے اپنی زندگی کو موت سے قبل اور فراغت کو مصروفیت سے پہلے۔

جو شخص ان پانچ اشیاء کی قدر نہیں کرتا انھیں مؤخر کرتا ہے پانچ چیزوں کے حصول کے بعد سوائے پشیمانی اور رسوائی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ عقل مند شخص وہی ہے جو ان پانچ چیزوں کی قدر کرتا ہے اور ندامت اور شرمندگی سے بچ جاتا ہے۔

حاصل آیت یہ ہے وہ ذات جو احوال کے بدلنے، بچپن، جوانی، بڑھاپا اور ضعف کے بعد قوت و توانائی اور دوبارہ ضعف کمزوری و ناتوانی عطا کرنے اور نشست و برخاست کی مجبوریوں سے دوچار کرنے پر قادر ہے آنکھوں کی بصارت اور کانوں کی سماعت اور اعضاء کی قوت کو زائل کرنے، قوت حافظہ کو محو کرنے اور عقل کو ناکارہ کرنے پر قادر ہے۔ اور انسان کو اس مقام تک پہنچا سکتا ہے کہ وہ اپنے عزیز و اقارب کو پہنچانے اور ان کی باتیں سننے سے قاصر ہے تو وہ ذات اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ اس کی جوانی میں ہی اس کی قوت بصر کو زائل کر دے اس کی شکل و صورت ہی کو مسخ کر دے پھر دوبارہ قیامت کے دن انھیں زندہ کر کے ان کے نامہ اعمال کے مطابق سزا و جزاء دے اس کی قدرت اور طاقت سے بعید نہیں ہے اور اس قدر عظیم و قدیر ہستی کی ناشکری کرنا، اس کی مخالفت مول لینا اور اس کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کی پیٹنگیں اڑانا قطعاً کوئی دانشمندی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسری حماقت اور جہالت نہیں ہو سکتی۔

### شعر کا لغوی و اصطلاحی معنی:

لغت میں شعر کا معنی علم ہے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں فالشعر فی الاصل

اسم للعلم الدقیق فی قولہم لیت شعری

اصل میں شعر علم دقیق کو کہا جاتا ہے عربوں کے اس قول سے ہے لیت شعری  
(☆ المفردات لغریب القرآن ص ۲۶۲)

### اصطلاحی تعریف:

علامہ سید شریف جرجانی حنفی شعر کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں فسی

الاصطلاح کلام مقفی موزون علی سبیل القصد

اصطلاح میں ایسا کلام موزون و مقفی جو قصداً اور ارادۃً کیا جائے شعر کہلاتا ہے۔

(☆ کتاب التعلیقات ص ۹۱)

### کیا رسول اللہ ﷺ شاعر ہیں؟

آیت زیر بحث میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شعر گوئی کی تعلیم کی نفی فرمائی ہے۔ وما علمناہ الشعر ہم نے آپ کو شعر کی تعلیم نہیں دی۔ کفار مکہ اور سرداران قریش قرآن کو شاعرانہ تخیل کہہ کر لوگوں کو قرآن اور صاحب قرآن سے دور رکھنے کے لئے بھی ڈھنڈورا پیٹتے تھے۔ کبھی آپ کو شاعر کہتے کبھی کاہن اور کبھی جادوگر۔ حالانکہ آپ ﷺ کی چالیس سالہ زندگی اعلان نبوت سے پہلے کی ان کے سامنے کھلی ہوئی کتاب کی طرح تھی۔ اس عرصہ میں نہ تو آپ نے کبھی شعر کہے نہ کوئی ایسا خطبہ کبھی ارشاد فرمایا جو قرآن کے مشابہ ہوتا اور پھر مکہ میں اس وقت تعلیم و تعلم کا رواج بھی نہ تھا سوائے چند لوگوں کے کوئی بھی لکھنا پڑھنا جانتا نہ تھا۔ اور جو لوگ جانتے بھی تھے انھوں نے اپنی مدد آپ کے تحت بڑی محنت اور کوشش کے بعد لکھنا پڑھنا سیکھا ہوا تھا۔ اور پھر اگر رواج ہوتا بھی تو بھی آپ کے خاندانی حالات ایسے نہ تھے کہ آپ تعلیم و تعلم کی طرف توجہ دے پاتے۔ آپ نے جو کچھ پڑھا جو کچھ سیکھا جس کی تعلیم آگے لوگوں کو دی وہ صرف وہی تعلیم تھی جو آپ کو خالق کائنات اور مالک کائنات نے سکھائی۔ آپ کا خالق و مالک اور استاذ و مربی ہی جب اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نے آپ کو تعلیم دی علمنی ربی فاحسن تادیبی اور خوب خوب تعلیم دی جب وہی ذات یہ اعلان کر رہی ہے کہ میں نے اپنے شاگرد رشید کو شعر کی تعلیم

نہیں دی نہ شعر گوئی کا ملکہ عطا کیا نہ بذریعہ وحی شعر گوئی سکھائی تو پھر آپ کو شاعر کہنا کتنا عجیب اور عقل سے ماورا ہے۔

آپ کو شاعر کہنے کی وجہ:

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے چالیس سال تک کوئی شعر نہیں کہے اور اس کی تعلیم بھی حاصل نہیں کی۔ پھر کلام مجید بھی نثر و نظم کے قواعد و تصرفات سے میل نہیں کھاتا۔ اس کا اسلوب ہی الگ اور جدا ہے اور اگر کہیں کہیں قافیہ بندی اور موزوں و مقفی کلام موجود بھی ہے تو بھی اس میں قصد اور ارادہ نہیں پایا جاتا۔ جو شاعری کے لئے لازمی ہے اس کے باوجود کفار مکہ اور سرداران قریش قرآن کو شاعری اور حضور ﷺ کو شاعر کہتے حالانکہ وہ اصناف شاعری سے بخوبی آگاہ تھے اور ان کے بچے اور عورتیں تک اشعار بلا تکلف بیان کرتے تھے اب غور طلب امر یہ ہے کہ قرآن کو وہ شاعری کیوں کہتے تھے؟

کفار مکہ آپ ﷺ کو شاعر فقط اس لئے کہتے تھے تاکہ لوگوں کو حضور ﷺ اور آپ کی تعلیمات سے دور رکھا جائے اور کلام معجز نما فصاحت و بلاغت، زور بیان اور اثر پذیری کو شاعر کے کلام کی فصاحت و بلاغت اور اس کے کلام کی اثر پذیری ثابت کریں۔ اور اسی طرح سے وہ لوگوں کو آپ سے بدظن کر سکتے ہیں۔ ورنہ وہ اتنے بے وقوف اور احمق نہ تھے کہ کلام مجید اور شعر میں امتیاز نہ کر سکتے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں قال بعض المحصلين لم يقصدوا هذا المقصد فيما رموا به وذلك انه ظاهر من الكلام انه ليس على اساليب الشعر ولا يخفى ذلك على الاغنام من العجم فضلا عن بلغاء العرب و انما رموه بالكذب فان الشعر يعبر به عن الكذب والشاعر الكاذب حتى سمى قوم الادلة الكاذبة الشعرية

بعض محققین نے کہا کہ کفار جب حضور پر شاعری کی تہمت لگاتے تو اس سے ان کی



مراد شعر کا اصطلاحی معنی نہ ہوتا تھا بلکہ یہ بات تو عام عجمیوں پر بھی واضح و ظاہر ہے چہ جائیکہ بلغاء عرب پر منکشف نہ ہو۔ انھوں نے یہ جھوٹی تہمت آپ پر اس لئے لگائی کیوں کہ جھوٹ کو بھی شعر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جھوٹے کو شاعر کہا جاتا ہے یہاں تک کہ جھوٹی دلیلوں کو اولۃ شعر یہ کہا جاتا ہے۔ (۱۶ المفردات فی غریب القرآن ص ۲۶۲)

## قرآن شعر نہیں ہے:

علامہ ابوسعود خفیی لکھتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن شعر نہیں لیس القرآن بشعر لان الشعر کلام متکلف موضوع و مقال و مزحرف مصنوع منسوج علی منوال الوزن والقافیۃ مبنی علی خیالات و اوہام و اھیۃ فاین ذالک من التنزیل الجلیل المنزہ عن مماثلۃ کلام البشر المسحون بفنون الحکم والاحکام الباہرۃ الموصل الی سعادۃ الدارین (۱۷ تفسیر ابی سعود ج ۴ ص ۳۰۷)

معنی یہ ہے کہ قرآن شعر نہیں ہے کیوں کہ شعر کلام متکلف، موضوع، جھوٹ، مزین، تصنع آمیز، وزن و قافیہ سے آراستہ اور خیالات و اوہام و اھیہ پر مشتمل ہوتا ہے کہاں یہ اور کہاں منزل، اور معزز و محترم کلام جو کلام بشر سے مماثلت ہی نہیں رکھتا اور جو حکمت اور احکام باہرہ جو دنیا و آخرت کی سعادت کی طرف لے جانے والے ہیں سے بھرا ہوا ہے۔

## شاعری اور نبوت دو الگ اصناف ہیں:

علامہ سید قطب شہید لکھتے ہیں شاعری کا نہج نبوت سے مختلف ہے شعرا ایک انفعالی کیفیت کا نام ہے جو ایک حال سے دوسرے حال میں بدلتی رہتی ہے نبوت و رسالت کا تعلق وحی کے ساتھ ہے وحی کا نہج ثابت ہے صراط مستقیم پر ہے وحی اللہ تعالیٰ کے اس قانون کے عین مطابق ہے جس پر یہ سارا وجود کائنات قائم ہے یہ عارضی اور دم بدم بدلنے والے اہواء و جذبات نہیں بدلتے۔ شعرا حوال و جذبات اور محض تخیلات کے تابع ہوتے ہیں۔

نبوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ دائمی اتصال کا نام ہے اور نبی براہ راست اللہ تعالیٰ کی وحی

سے علم پاتا ہے نبوت و رسالت ہمیشہ زندگی کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرنے کی کوشش کرتی ہے جب کہ شعر خواہ وہ کس قدر بلند ہو انسانی شوق کا نام ہے جو جمال و کمال کی طلب میں انسانی قصور، محدود تصورات اور جذبات و خیالات میں ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے جب شاعر اپنے بلند مرتبے سے گرے تو وہ محض خواہشات و تاثرات کا نام ہوتا ہے جو بعض دفعہ اتنے گرے ہوئے ہوتے ہیں کہ محض جسمانی شور و غل، شدت اور خون کا جوش بن کر رہ جاتے ہیں۔

معلوم ہوا نبوت و شعر کی فطرت بنیادی طور پر مختلف ہے شعر کی اعلیٰ صورت زمین سے اٹھا ہوا شوق ہے اور وحی پوری کی پوری آسمان سے اتری ہوئی ہوتی ہے اور اسی آیت میں قرآن کو قرآن و ذکر فرمایا گیا ہے تو یہ دونوں ایک ہی چیز کی صفات ہیں یہ کلام اپنے وظیفے کے لحاظ سے ذکر ہے اور اپنی تلاوت کے لحاظ سے قرآن گویا یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جس میں دل مصروف ہوتا ہے اور قرآن ہے جس کی تلاوت ہوتی ہے۔ (☆ فی ظلال القرآن ج ۸ ص ۲۲۱ سورۃ یس: ۶۹)

### شاعر اور نبی کے کلام کا امتیازی فرق:

سورہ شعراء کے اندر اللہ تعالیٰ نے شعراء کے کلام کے تین اوصاف بیان فرمائے ہیں جو انہیں انبیاء سے ممتاز اور جدا کرتے ہیں اور ایک عام آدمی بھی بخوبی اس فرق کو سمجھ سکتا ہے۔

اولاً۔ ان کے باطل، کذب، آبروریزی، انساب میں قدح اور نااہلوں کی مدح کی اتباع صرف حق سے بھٹکے ہوئے، سفہاء، شیاطین اور مشرکین ہی کرتے ہیں۔ جب کہ انبیاء کرام کی تعلیمات، ارشادات اور اوامر و نواہی کی اتباع سلیم الفطرت اور معاشرے و سوسائٹی کے اختیار کرتے ہیں۔

ثانیاً۔ شعراء قیل و قال کی ہر وادی، وہم و خیال کی ہر گھاٹی اور گمراہی و ضلالت کے ہر راستے میں بھٹکتے پھرتے ہیں وہ کسی راہ معین کی طرف ہدایت نہیں پاتے۔ گمراہی و سفاہت میں حیران و پریشان ہوتے ہیں اور صلف و وقاحت کے میدان میں سرگرداں ہیں ان کا دین عزتوں کی پردہ دری، پاک و صاف نسبوں میں قدح اور مدح و ہجاء میں افراط و تفریط سے کام لینا ہوتا ہے۔

جب کہ ایک نبی کا کلام اپنے تمام اصول و فروع کے ساتھ باہم دگر مربوط و مستحکم ہوتا

ہے اور وہی بات کرتے ہیں جو انھیں وحی کی جاتی ہے۔ اپنی مرضی، خیالات و خواہشات سے کوئی بات نہیں کرتے۔ ان کا مقصد اللہ تعالیٰ اور بندے کا ٹوٹا ہوا تعلق دوبارہ استوار کرنا اور انسانیت کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہوتا ہے۔ اور ان کے دل میں قیامت کا خوف اور اپنے اعمال کے محاسبہ کا احساس پیدا کرنا ہوتا ہے وہ عزتوں کے محافظ بن کر آتے ہیں۔

مثلاً: شعراء گفتار کے غازی تو ہوتے ہیں مگر کردار کے غازی نہیں ہوتے۔ وہ اپنی زبانوں سے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں حالانکہ اوصاف عالیہ سے تہی دامن ہوتے ہیں۔ دوسروں کو صدق و صفا، جود و سخا، کرم، شجاعت اور اوصاف عالیہ پر ابھارتے ہیں۔ کذب، بہتان، ظلم، بخل، اور اوصاف رزیلہ سے لوگوں کو منع کرتے ہیں لیکن خود اجتناب نہیں کرتے۔ بعض اوقات اپنی مدح میں بڑے بڑے کاموں کے دعوے دار ہوتے ہیں لیکن ہوتے جھوٹے ہیں۔

اس کے برعکس نبی جب کسی چیز کا حکم دیتا ہے یا کسی چیز سے منع کرتا ہے تو سب سے پہلے اس پر خود عمل پیرا ہوتا ہے وہ پہلے خود اوصاف عالیہ کو اپناتے ہیں تب جا کر دوسروں کو حکم دیتے ہیں پہلے خود رذائل سے اجتناب کرتے ہیں تب دوسروں کو منع کرتے ہیں۔ یعنی نبی سب سے پہلے کردار کا غازی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا تو بجائے کسی معجزے کے اپنی ذات اور اپنے کردار کو اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔

معلوم ہوا کہ نبی کے کلام اور شاعر کے کلام میں بعد المشرقین ہے اور آپس میں بالکل مختلف و متضاد۔ اس فرق کو سمجھنے کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں عام آدمی بھی اس فرق کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

البتہ وہ شعراء جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں مذکورہ اوصاف والے شعراء کے کلام کی مذمت کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا لا ینمتلی جوف احدکم فیحاً حتی یویہ خیر لہ من ان ینمتلی شعراً یعنی تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے پر ہو۔



## شاعری رسول کے شایان شان نہیں:

شاعری حضور ﷺ کی رفعت شان اور علوم مرتبت سے مناسبت ہی نہیں رکھتی۔ کیوں کہ شاعری قافیہ و وزن کی رعایت کے لئے معنی کے تغیر کی دعوت دیتی ہے اور اس لئے بھی کیوں کہ شاعری کے اندر جاذبیت اور دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اوصاف میں مبالغہ آرائی بے جا مدح و ذم، اغراق اور مجازت سے کام لیا جاتا ہے یہ ساری چیزیں کذب بیانی اور اس کی حکایت کو مستلزم ہیں جب کہ شارع کی ذات اس سے منزہ و مبرا ہے۔

علامہ آلوسی بغدادی علامہ حاجب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عقلاً بھی شعر حضور ﷺ کے شایان شان نہیں ہیں۔ کیوں کہ اگر آپ شاعر ہوتے تو لوگوں کی اکثریت آپ پر یہ تہمت لگاتی کہ یہ آپ کا اپنا کلام ہے اور یہ اس قوت شعری ہی کا شاخسانہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا بحق القول علی الکفرین حیثک وشبہ منقہ ہو گیا تو پھر معاندت ہی باقی رہ گئی اور حق ثابت ہو گیا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اس پر تعقب کیا گیا ہے کہ اعجاز ہی تو تہمت مرتفع کرنے والا ہے ورنہ آپ ﷺ کلام نثر میں فصاحت و بلاغت کے اس مرتبہ علیا پر فائز ہیں جو کسی بھی طرح قول شعر سے مظن تہمت میں فروتر نہیں۔ بلکہ بسا اوقات تو یہ قول شعر سے بھی زیادہ عظیم خیال ہوتا ہے۔ اگر آپ ﷺ سے شعر گوئی کی نفی کی علت وہ ہوتی جو بیان کی گئی ہے تو پھر اس سے یہ بھی لازم آ جاتا کہ آپ کو فصیح و بلیغ کلام ہی سے منع کیا جاتا تا کہ شک و شبہ کے دروازہ ہی کو بند کیا جاتا اور جب اعجاز پر اکتفا کرتے ہوئے ایسا نہیں کیا گیا باوجود یہ کہ تہمت اور شک اس کے ساتھ ہے ان میں سے جن کا صدور عاقل سے مناسب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ریب کی نفی کی حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ شعر کی عدم مناسبت کی علت شیء آخر ہے۔ اسی قول کو ابن عطیہ نے اختیار کیا ہے اور اس نے شعر میں علت تخیل اور طمع سازی کو قرار دیا ہے اور یہی چیز یہاں مناسب ہے۔ (☆ روح المعانی ص ۷۰ ج ۱۲ سورۃ یس: ۶۹)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے رسول اللہ ﷺ کو علوم اولین و آخرین کی تعلیم دی۔ لیکن شعر کی تعلیم نہیں دی۔  
(۵۷ روح البیان ص ۴۳۰ ج ۷ سورۃ یس ۶۹)

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں ”وعلمک مالک تکتعلم“ (من خبر الاولین والآخرین وما کان وما ہو کائن فکل ذالک من فضل اللہ علیک یا محمد منذ خلقک) ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے، علوم اولین و آخرین میں سے جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا یہ سب آپ پر اللہ تعالیٰ کا آپ کی تخلیق سے آپ پر فضل ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۳۵۵ سورۃ النساء: ۱۱۳)

علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں اس آیت میں اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علوم اولین و آخرین تعلیم فرمائے گئے جن سے کشف حقائق ہوتا ہے اور آپ کی معلومات واقعی اور نفس الامری ہیں کذب شعری نہیں جو حقیقت میں جہل ہے وہ آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ کا دامن تقدس اس سے پاک ہے اس میں شعر بمعنی کلام موزوں کے جاننے اور اس کی صحیح و سقیم جدی و ردی پہچاننے کی نفی نہیں۔ علم نبی میں طعن کرنے والوں کے لئے یہ آیت کسی طرح سند نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علوم کائنات عطا فرمائے اس کے انکار میں اس آیت کو پیش کرنا محض غلط ہے۔ (۵۷ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۵۳۴)

**حضور ﷺ کے موزوں و مقفی کلام کی توجیہ:**

حضور ﷺ غزوہ حنین کے موقع پر اشکر اسلام میں اچانک افراتفری پھیلنے پر جب اپنے سفید خچر پر سوار میدان جنگ میں ثابت قدم رہے اور ابوسفیان بن حارث اس کی باگ پڑے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ چند جانثاروں کے سوا باقی کوئی بھی نہ بچا تو آپ نے فرمایا دریاں حالیدہ آپ دشمن کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔

انا النبی لا کذب..... انا ابن عبدالمطلب

جب کسی جنگ میں ایک پتھر لگنے پر آپ کی انگلی زخمی ہوئی

اور آپ نے فرمایا اھل انت الا اصبع دمیت ... و فی سبیل اللہ مالقت

اور یہ فرمان ان تغفر اللھم تغفر جما ... وای عبد لک ماالما

اور یہ فرمان جسے صحیحین میں روایت کیا گیا ہے

اللھم ان العیش عیش الاخرة ... فاکرم الانصار و المهاجرة

ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اشعار کہے ہیں۔

علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ اشعار ہیں کیوں کہ شعر کی

تعریف کرتے ہوئے علماء لغت نے کہا ہے کہ شعر ایسا کلام مقفی و موزوں ہے جو علی سبیل القصد ہو

اور یہ کلام آپ ﷺ سے بغیر قصد و ارادہ کے اتفاقیہ طور پر شعر کے وزن پر صادر ہوا ہے نثری کلام

میں اس قسم کا کلام بکثرت پایا جاتا ہے لیکن نہ تو ایسے کلام کو شعر کہا جاتا ہے اور نہ ہی متکلم کو شاعر اور

آپ ﷺ کا اپنے آپ کو دادا کی طرف منسوب کرنے سے قصد پر دلیل نہیں ہے کیوں کہ دادا کی

طرف نسبت کرنا عام ہے اور اس لئے بھی کیوں کہ آپ کی ولادت سے قبل ہی آپ کے والد ماجد

کا وصال ہو چکا تھا اور آپ کی تربیت آپ کے دادا ہی نے فرمائی تھی، اور اس وجہ سے بھی کیوں کہ

عربوں میں آپ کے دادا صدق، شرف اور عزت کے طور پر معروف و مشہور تھے۔ اس وجہ سے آپ

نے اپنے آپ کو دادا کی طرف منسوب کیا اور انھیں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا اور اس لئے بھی

کیوں کہ بہت سے لوگ آپ کو ابن مطلب کہہ کر پکارتے تھے۔ (☆ روح المعانی ج ۱۲ ص ۷۱ یس: ۶۹)

علامہ خازن لکھتے ہیں یہ کلام آپ نے بغیر صنعت شعری اور بغیر تکلف کے فرمایا اور یہ

کلام آپ سے اتفاقیہ بغیر قصد و ارادہ کے موزوں صادر ہوا جیسا کہ لوگوں کے خطبوں، خطوط، اور

محاورات کے دوران انشائیہ کلام میں اتفاقیہ طور پر کلام موزوں آ جاتا ہے جو بحروں کے وزن پر بھی

پورا اترتا ہے اور پھر خلیل نے رجز میں بحر مستطور کو شعر ہی قرار نہیں دیا۔

(☆ تفسیر خازن ص ۲۲۵ ج ۵ سورۃ یس: ۶۹)



علامہ قرطبی لکھتے ہیں "وما علمناه الشعر" کی تاویل میں ایک قول بین کیا گیا ہے اس کے قائل کا خیال ہے کہ اس پر اہل لغت کا اجماع ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص بھی قول موزوں کہے لیکن اس سے شعر کا قصد نہ کرے تو وہ شعر نہیں ہوگا۔ اگرچہ یہ شعر کے موافق ہو اور یہ قول بین ہے۔ اہل لغت نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے جس چیز کی نفی کی ہے وہ شعر کا علم، اس کی اصناف، اعارض، قوافی اور اس سے متصف ہونا ہے اور حضور ﷺ اس سے بالاتفاق متصف نہیں ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے کہ قریش نے باہم مشاورت کی کہ ہم محمد ﷺ کے بارے میں عربوں کو کیا کہیں گے جب وہ موسم حج میں آئیں گے تو بعض نے کہا کہ ہم کہیں کہ وہ شاعر ہیں۔ ان میں سے عقلمندوں نے کہا کہ قسم بخدا عرب تمہیں جھٹلائیں گے۔ وہ تو اصناف شعر کی معرفت رکھتے ہیں۔ بخدا اس کا کلام تو شعر سے مناسبت ہی نہیں رکھتا۔ یہ تو شعر ہیں ہی نہیں ابوذر کے بھائی انیس نے کہا کہ میں نے آپ کے قول کو عمدہ شعر پڑھنے والے کے سامنے رکھا تو وہ اس سے متفق نہ ہوا کہ یہ شعر ہے اسے مسلم نے روایت کیا ہے انیس خود بھی بہت بڑے عرب شاعر تھے۔ اسی طرح عقبہ بن ابی ربیعہ نے جب اس کے بارے میں کلام کیا کہ نہ تو یہ شعر ہیں نہ کہاوت اور نہ ہی سحر۔ اسی طرح بڑے بڑے فصحاء عرب اور بلیغ زبان دانوں نے کہا پھر ہر وہ کلام موزوں جو زبانوں پر بغیر قصد و ارادہ کے جاری ہوا سے شعر نہیں کہا جاتا شعرو ہی ہوتا ہے جو قصداً کہا جائے اور وزن شعر پر ہو۔ (☆ الجامع لاحام القرآن سورۃ یس: ۶۹ ص ۴۲ ج ۸)

**حضور ﷺ کا بطور تمثیل اشعار پڑھنا:**

ابن ابی حاتم، ابن کثیر، بھاص اور بغوی نے قتادہ سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ ﷺ اسی شعر کو بطور تمثیل پڑھا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کان ابغض الحدیث الیہ غیر انہ کان یتمثل بیت اخى بنی قیس يجعل اخره اوله و اوله اخره و يقول و یاتیک من لم تزود بالاخبار فقال له ابوبکر رضی اللہ عنہ! أليس هكذا فقال رسول اللہ ﷺ انی

والله ما انا بشاعر ولا ينبغي لي (☆ تفسیر ابن ابی حاتم سورۃ یس: ۶۹ تفسیر ابن کثیر ص ۵۹۷ ج ۳ سورۃ یس: ۶۹ احکام القرآن للجصاص ص ۶۷۳ ج ۳ سورۃ یس تفسیر بغوی الشعراء: ۲۲۷ ص ۲۲۳ ج ۵)

شعر آپ کو بہت ناپسند تھے مگر آپ انہی بنی قیس کے اس شعر کو بطور تمثیل پڑھا کرتے تھے اور اس کے اول کو آخر اور آخر کو اول میں پڑھتے تھے اور ویاتیک من لم تزود بالاجبار تو ابو بکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ شعر اس طرح نہیں ہے تو آپ نے فرمایا قسم بخدا میں نہ شاعر ہوں اور نہ یہ میرے شایان شان ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ ﷺ شعر کہا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کبھی کبھی عبد اللہ بن رواحہ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

ویاتیک بالاجبار من لم تزود (☆ جامع ترمذی کتاب ابواب الاستیذان والاداب باب ماجاء فی انشا و الشعر مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الادب نمبر ۶۵۶۵)

اسی طرح ایک دن آپ نے عباس بن مرداس سلمیٰ کو فرمایا کیا تو اس شعر کا قائل ہے؟

اتجعل نهبي و نهب العبد بين عينية والاقرع

آپ نے بین الاقرع وعینہ پڑھا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ شعر اس طرح ہے بین عینہ والاقرع تو آپ نے فرمایا الکل سواء (☆ تفسیر فتح القدیر ج ۴ ص ۵۰۰ سورۃ یس آیت: ۶۹ تفسیر ابن کثیر ص ۵۹۷ ج ۳)

ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے تو آپ نے فرمایا جس کا یہ شعر ہے۔

الم تریانی کلما جئت طارقا وجدت بها وان لم تطيب طيبا

(☆ روح المعانی ص ۷۲ ج ۲ سورۃ ۶۹)

کیا تم دونوں نہیں دیکھتے جب بھی میں رات کے وقت آتا ہوں اس کے پاس خوشبو پاتا ہوں اگرچہ اس نے خوشبو نہ بھی لگائی ہو۔

اور صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے خندق کھودتے وقت صحابہ کرام کے قول کی اتباع

کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر پڑھے جب وہ رجزیہ انداز میں ان اشعار کو پڑھ رہے تھے اور خندق کھود رہے تھے۔ وہ اشعار درج ذیل ہیں۔

اللهم لولا انت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا  
فان فانزلن سكينه علينا وثبت الاقدام ان لاقينا  
ان الاولى قد بغوا علينا اذا ارادوا فتنه ابينا

آپ ﷺ "ابینا" پر آواز بلند کرتے اور اسے کھینچتے (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۹۸ سورۃ یس: ۶۹ صحیح البخاری کتاب البر والصلة باب ما يجوز من الشعر والرجز والجداء وما نكیره منه)

ترجمہ:- اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے صدقہ و خیرات دیتے اور نہ ہی نمازیں پڑھتے۔

پس ہم پر سکینت نازل فرما اور اگر ہمارا ان کے ساتھ مقابلہ ہو جائے تو ہمارے قدموں کو ثابت قدم رکھ۔ قریبی رشتہ داروں نے ہم پر بغاوت کر دی جب وہ فتنہ کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم نے ان کا انکار کر دیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہاں مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں اور معنی یہ ہے کہ یا رسول اللہ آپ کی نصرت و حق میں کوتاہی کی بنا پر ہم سے مواخذہ نہ فرمائیں اور "اللهم" کے قول سے دعا مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کلام کا افتتاح مقصود ہے اور شاعر کے اس قول "لولا انت" سے مراد نبی ﷺ ہیں اس کے بعد بار بار "فانزلن سكينه علينا ثبت الاقدام ان لاقينا" دہراتے تھے۔ یہ یا تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ معنی ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر سکونت نازل فرمائے اور ہمیں ثابت قدم رکھے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۹ کتاب المغازی باب ۹)

میں کہتا ہوں ان اشعار میں طلب مدد حضور ﷺ سے ہے اور حضور ﷺ سے مدد طلب کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کرنا ہے۔ اسی استدلال کو مسلمان جائز اور یہی عام مسلمانوں کا ایمان و عمل ہے کوئی بھی مسلمان مؤحد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی مستعان حقیقی سمجھ کر طلب مدد نہیں کرتا۔ یہی صحابہ کرام، صلحاء امت اور سلف صالحین و جمیع مسلمین کا عقیدہ و نظریہ ہے۔



اسی کو وہ جائز سمجھتے ہیں۔ اور اسی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ استمداد بغیر اللہ مجازاً جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ معاندین و منکرین کے افتراء سے بچائے۔ آمین۔

حضور ﷺ کا اشعار سننا:

قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے عام شعراء کی مذمت فرمائی وہاں مومنین عالمین شعراء کو مستثنیٰ قرار دیا الا الذین امنوا و عملوا الصالحات و ذکرُوا اللہ کثیرا و انتصروا من بعد ما ظلموا (سورۃ الشعراء: ۲۲۷)

ترجمہ:- مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر کیا اور ظلم کے بعد مدد کی۔ اس آیت مقدسہ میں مومنین صالحین شعراء کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان کے اکثر اشعار اللہ تعالیٰ کی توحید، ثناء اور اطاعت، حکمت، موعظت، زہد اور اللہ تعالیٰ کے ان موجود نعمتوں کی ترغیب پر ابھارنے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محاسن و محامد، آپ کے معجزات کی نشر و اشاعت پر مشتمل ہوتے ہیں جو دلوں میں آپ کی محبت کے جذبات کو ابھارتے آپ کی اتباع کی رغبت میں اضافہ کرنے آپ کی اور آپ کی آل و اصحاب اور صلحاء امت کے مدائح میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان سے بعض اوقات دشمنان دین کی ہجو کر کے دین اسلام کی نصرت و تائید کی جاتی ہے۔

حضور ﷺ نے خود بھی اشعار کو سنا اور اس کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ امام احمد، امام بخاری نے تاریخ میں ابویعلیٰ اور ابن مردویہ نے کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ نے شعراء کے بارے میں آیت نازل فرمائی ہے آپ ان کے حق میں کیا رائے رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

ان المومن یجاہد بسیفہ و لسانہ و الذی نفسی بیدہ لکان ماتر مونیہم بہ نضح النبل ترجمہ:- بے شک مومن اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے گویا کہ تم اشعار کے ذریعے ان پر نیزوں کے زخم لگاتے ہو۔ (☆ روح المعانی ص

۲۲۱ ج ۱ ص ۲۷۷ اشعار: ۲۷۷ تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۷ ج ۳ سورۃ الشعراء: ۲۲۷)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت کے لئے مسجد میں ایک منبر بچھایا ہوا تھا جس پر بیٹھ کر وہ اشعار سنایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے فخر کرتے اور آپ کی جانب سے مدافعت کرتے اور رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے ان اللہ یؤید حسان بروح القدس مانافع او فایح عن رسول اللہ بے شک اللہ تعالیٰ جبرائیل امین (روح مقدس) کے ذریعے حسان کی تائید کرتا ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جھگڑا، مدافعت اور فخر کرتے ہیں۔

(☆ مستدرک للحاکم ص ۵۵۵ ج ۳ کتاب معرفۃ الصحابہ باب ذکر مناقب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ)  
غزوہ تبوک سے واپسی پر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے آپ کی مدح و نعت گوئی کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت مرحمت فرماتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کے دانتوں کو کبھی نہ گرائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ گویا ہوئے۔

من قبلها طبت فی الظلال و فی	مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبلت البلاد لا بشر	انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین و قد	الجم نسرا و اهلہ الغرق
تقتل من صالب الی رحم	اذا مضی عالم بدا طبق
حتى احتری بینک المہین من	خندق علیاء تحتها النطق
وانت لما ولدت اشرقت	الارض وضئت بنورک الافق
فنحن فی ذالک الضیاء و فی	النور و سیل الرشاد نخترق

ترجمہ: اس سے قبل آپ سایوں اور حفاظت میں خوشحال تھے جہاں اوراق سے بدن ڈھانپا گیا۔ پھر آپ شہروں میں اترے تو آپ بشر تھے اور نہ مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) و طلق (جما ہوا خون) بلکہ آپ وہ نطفہ تھے جو کشتیوں اور بہازوں میں سوار تھا اور اس نے گھوڑے کے سم کے اندرونی حصہ کو لگام دی وراں حالیکہ اس کا شہسوار غرق ہونے والا تھا۔ آپ صلہوں سے رجموں کی

طرف منتقل ہوتے رہے جب کوئی عالم گزرتا تو دوسرا پردہ اور مرتبہ حال کا ظہور ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کے گھر کو محافظ خدا نے خندق علیا جس کے نیچے نطق تھے سے گھیر لیا۔ جب آپ کی پیدائش ہوئی تو ساری زمین چمک اٹھی اور آپ کے نور سے افق روشن ہوئے پس ہم اس روشنی، نور اور ہدایت کے راستوں پر چل رہے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج ۵ ص ۵۱) (☆ المسند رک للحاکم ج ۳ ص ۳۷۰ کتاب معرفۃ الصحابہ باب مناقب عباس بن عبد المطلب، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۷۲ باب ۴ الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۱۰۷ الشعراء: ۲۲۷ دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۵۱ نشر المطیب ص ۸ فصل اول نور محمدی کا بیان، الاستیعاب ج ۱ ص ۲۶۸ باب خریم بن اوس بن حارثہ، مختصر سیرۃ ابن محمد بن عبد الوہاب نجدی ص ۷۱ باب عمود نسبہ تلخیص حاکم کتاب معرفۃ الصحابہ باب مناقب عباس بن عبد المطلب، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ترجمہ خریم بن اوس، زاد المعاد ج ۳ ص ۴۰۰ فصل فی رجوع النبی من نبوک)

اس حدیث سے میلاد سنانے کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے بلکہ میلاد مبارک کا منانا صحابہ کرام کی سنت اور سننا خود حضور ﷺ کی سنت ہے اب جو لوگ میلاد کو شرک و بدعت کہتے ہیں انھیں ذرا غور کرنا چاہئے کہ ان کے فتوؤں کی زد میں کون کون سی شخصیات آتی ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں نور بصیرت عطا فرمائے اور ضد، عناد اور ہٹ دھرمی وانا سے بالاتر ہو کر حق و باطل میں تمیز کرنے اور پھر حق کو حق سمجھ کر اسے اپنانے اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس میں حضور ﷺ کا نور ہونا اور اول الخلق ہونا بھی ثابت ہے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں ”اسی طرح حضور ﷺ کی ولادت کی تعظیم کا مسئلہ ہے مسلمان یہ چیز عیسائیوں کی تقلید میں کرتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے دن عید مناتے ہیں یا حضور ﷺ کی محبت میں کرتے ہیں۔ اس محبت و اجتہاد پر اللہ تعالیٰ انہیں اجر و ثواب عطا فرمائے گا یہ بدعت نہیں ہے۔

(اقتضاء الصراط باب بدعت عید مولد ص ۲۹۴)

میں کہتا ہوں کہ مسلمان عیسائیوں کی تقلید میں نہیں بلکہ محبت رسول میں میلاد مناتے ہیں عمرو بن الشرید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز وہ حضور ﷺ کے ردیف تھے تو آپ نے انھیں فرمایا کیا آپ کو امیہ بن ابی صلت کا کوئی شعر یاد ہے انھوں نے عرض



کی ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا سناؤ آپ مطالبہ کرتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے سو شعر سنایا۔ (صحیح مسلم کتاب الشعر باب اول)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اصدق بیت قاله الشاعر الا كل شئني ما خلا الله باطل و كاد ابن ابي صلت ان يسلم

ترجمہ: سب سے سچا شعر جو شاعر نے کہا ہے الا كل شئني ما خلا الله باطل یعنی خبردار اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے ہے۔ قریب تھا کہ کہ ابن ابی صلت اسلام لے آتا۔

(☆ صحیح المسلم کتاب الشعر باب اول ص ۲۳۹ ج ۲)

حضرت کعب بن زہیر نے حضور ﷺ کی تعریف میں درج ذیل اشعار آپ کو سنائے تھے۔

بانت سعاد فقلبي اليوم مبتول متيمم اثره لم يفد مكبول

وما سعاد غداة البين اذ رحلوا الا اغن غضيض الطرف مكحول

تجلو عوارض ذي ظلم اذا ابستمت كانه منهل بالراح معلول

ترجمہ: سعاد جدا ہو گئی پس آج میرا دل اڑے جا رہا ہے اور بہت بے چین ہے اس کے نشانات

پاگل کئے جا رہے ہیں اور قیدی کو فدیہ دے کر چھڑایا نہیں جاتا۔ سعاد جدائی والی صبح جب وہ سفر پر

روانہ ہوئے ایک ایسی گلوکارہ کی مانند تھی جس کے گوشہ ہائے چشم سرگیں سے آنسو خشک ہو گئے

ہوں جب وہ مسکراتی تو تاریکیوں والے بادلوں میں بجلیاں گراتی گویا کہ وہ ایسی گھاٹ ہے جو

شراب سے معلول ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی مدح میں یہ ارشاد سنائے تھے۔

واحسن منك ترقط عيني واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرا من كل عيب كانك قد خلقت كما تشاء

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ میں کاہن تھا اور ایک رات میرے ساتھی (جن وغیرہ) نے مجھے پاؤں کی ٹھوکر لگا کر جگایا اور کہا اے سواد! جو میں کہہ رہا ہوں اسے سنو اور یہ اشعار سنائے۔

عجبت للجن ونجاسها      ور حلها العيس باحلاسها  
فارحل الى صفوة من هاشم      واسم بعينيك الى راسها  
تهوى الى مكة تبغى الهدى      مامؤ منوها مثل ارجاسها  
(الاصابة في معرفة الصحابة باب سواد بن قارب، اسد الغابة ترجمہ سواد بن قارب ج ۲ ص ۵۶۲ الاستيعاب في اسماء  
الاصحاب ج ۱ ص ۴۰۶)

علامہ ابن عبدالبر اندلسی نے اس نعت کو مکمل نقل کیا ہے اس کے بقیہ اشعار درج ذیل ہیں۔

اتانى نجيبى بعد هدء ورقدة      ولم يكن فيما قد بلوت بكاذب  
ثلاث ليال قول كل ليلة      اتاك نجى من لوى بن غالب  
فرفعت اذبال الازاروشمرت      بى الفرس الوجناء حول السائب  
فاشهد ان الله لارب غيره      وانك مامون على كل غائب  
وانك ادنى المرسلين وسيلة      الى الله يا ابن الاكرمين الاطائب  
فمرنا بما ياتيك من وحى ربنا      وان كان فيما جنت شيب الذوائب  
وكن لى شفيعا يوم لا ذو شفاعة      بمغن فتىلا عن سواد بن قارب

ترجمہ: جنوں کی نجاستوں کے باوجود اپنے شہسواروں کے ساتھ سوار ہو کر ہدایت کی طلب میں مکہ کی طرف قصد کرنے پر میں بڑا متعجب ہوا جس کے مومن انکی نجاستوں کی طرح نہیں ہیں۔ تو بھی بنی ہاشم کے برگزیدہ و مختار شخص کی طرف کوچ کر اور اس کے سردار کی زیارت کر کے اپنے چہرے کو اور خوب دسنا۔

میرے پاس میرا ساتھی کچھ آرام کرنے کے بعد رات کو تاخیر سے آیا۔ اور جس چیز سے میں آزما یا گیا وہ جھوٹ نہ تھا۔ تین راتیں مسلسل وہ میرے پاس آکر مجھے کہتا رہا کہ تیرے پاس لوئی

بن غالب قبیلہ سے ایک ایک نجات دہندہ تشریف لایا ہے پس میں نے اپنے ازار کو سمیٹا اور میں ابھری ہوئی گالوں والا مضبوط گھوڑے پر سوار گھنے درختوں کے جھنڈ کے گرد سے گزر گیا۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں ہے اور تو ہر غائب پر بھی مامون ہے۔ اور تو از روئے وسیلہ کے تمام انبیاء سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے اے طیب و طاہر کریم والدین کے فرزند پس آپ کی طرف جو جی ہمارے رب کی جانب سے کی جاتی ہے اس کا ہمیں حکم دیں اگرچہ اسکی بجا آوری میں بڑھا پہ ہی کیوں نہ آتا ہو۔ اور قیامت کے روز جس دن کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا میرے لئے آپ شفیع بن جائیے اور سواد بن قارب جیسے کمزور شخص کو غنی کر دیجئے۔

میں کہتا ہوں ابن نعت میں حضرت سواد بن قارب نے حضور ﷺ کو مخاطب کر کے آپ سے طلب شفاعت اور طلب وسیلہ کیا ہے جسکی حضور ﷺ نے تصدیق و ثویب فرما رہے۔ اگر طلب شفاعت اور طلب وسیلہ ناجائز ہوتا تو حضور ﷺ اس سے منع فرمائے آپ کا منع نہ فرمانا اور صحابہ کا طلب وسیلہ کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ جائز اور اسلامی تعلیمات کے عین موافق ہے۔

کبار صحابہ کرام کے اشعار:

خلفائے راشدین، حسنین کریمین، حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اشعار کہے ہیں بلکہ روایت کیا گیا ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد میں مرد و زن میں سے کوئی بھی شخص سوائے حضور ﷺ کے ایسا نہیں پیدا ہوا جس نے اشعار نہ کہے ہوں۔ اسی طرح اجلات العین اور فقہاء و محدثین نے بھی اشعار کہے ہیں۔ بطور تمثیل چند ایک کے اشعار کو درج کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درج ذیل اشعار کہے۔

وودعنا من اللہ الکلام

فقدنا الوحی اذ ولیت عنا

توارثہ القراطیس انکرام

سوای ما قد ترک لنا رعینا

علیک بہ التحیۃ والسلام

فقد اورثنا میراث صدق



ترجمہ:- جب سے آپ نے ہم سے منہ موڑ لیا ہم نے وحی کو مفقود کیا اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو الوداع کہا۔ سوائے اس کے جو آپ نے ہمارے لئے بطور ودیعت چھوڑا ہے قراطیس کرام اس کی وارث ہیں آپ نے ہمیں صدق و سچائی کی وراثت کا وارث بنایا آپ پر تحیت اور سلام ہو۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۱ الشعراء: ۲۲۷)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار ہیں:

یوعدنی کعب ثلاثا بعدھا ولا شک ان القول ما قالہ کعب  
وما بی خوف الموت اننی لمیت ولكن خوف الذنب يتبعه الذنب  
کعب نے میرے ساتھ اس کے بعد تین چیزوں کا وعدہ کیا اس میں کوئی شک نہیں  
بات وہی ہے جو کعب نے کہی ہے اور مجھے موت کا کوئی خوف نہیں کیوں کہ مجھے مرنا ہی ہے لیکن  
خوف اس گناہ کا ہے جس کے بعد دوسرا گناہ سرزد ہوتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار ہیں:

غنی النفس يغنی النفس حتی یکفھا وان عضھا حتی یضربھا الفقر  
نفس کا غنی نفس کو غنی کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے روک لیتا ہے اگرچہ فقر اسے ضرر کی حد تک  
کاٹ ہی کیوں نہ لے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بہت ہی عمدہ شعر کہنے والے تھے۔ یہاں تک کہ  
خلفائے کرام میں سے سب سے زیادہ شاعر آپ کو کہا گیا ہے اور آپ کی طرف پورا ایک مجموعہ  
اشعار منسوب ہے۔ اسی طرح حسنین کریمین نے بھی اشعار کہے ہیں ہم صرف حضرت فاطمہ  
الزہری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو شعروں کے بیان پر اکتفا کریں گے جو انھوں نے حضور ﷺ کے  
وصال کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے۔

ان لایشم مدی الزمان غوالیا	ماذا علی من شم تربة احمد
صبت علی الايام صرن لیا لیا	صبت علی مصائب لو انھا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار:

رضینا قسمة الجبار فینا      لنا علم وللجهال مال  
المال یفنی عن قریب      والعلم یقی لایزال

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کی ہمارے درمیان تقسیم پر راضی ہیں ہمارے لئے علم ہے اور جاہلوں کے لئے مال۔ مال عنقریب فنا ہونے والا ہے جب کہ علم باقی ہے اور اسے زوال نہیں۔

اسی طرح اجلہ علماء کرام و مجتہدین عظام نے بھی اشعار کہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط میں لکھا کہ آپ لوگوں کو اشعار کی تعلیم کا حکم دیں کیوں کہ یہ بلند اخلاقی، درست رائے اور معرفت انساب پر رہنمائی کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ الشعر میزان العقول شعر میزان عقول (عقل کے ترازو) ہیں۔ ابن عباس فرمایا کرتے تھے جب تم قرآن حکیم پڑھو اور تم نہ سمجھ سکو تو اسے اشعار عرب میں تلاش کرو کیوں کہ شعر دیوان ہوتے ہیں۔

ابن ابی کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا ان من الشعر حکمة شعر میں حکمت ہوتی ہے۔ (بلاغ النسخ البخاری کتاب الدرر والصلۃ باب الجوز من الشعر والحدیث وما یکرہ منہ ابن ماجہ کتاب الادب باب الشعر)

اشعار کا حکم:

علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں شعر کلام عرب میں مستحب، مباح اور محذور تین اقسام پر مشتمل ہے۔

مستحب: جو دنیا سے رو کے آخرت کی ترغیب دلائے اور مکارم اخلاق پر ابھارے۔

مباح: وہ اشعار جو فحش گوئی اور کذب بیانی سے محفوظ ہو۔

محذور: اس کی دو اقسام ہیں، کذب اور فحش یہ دونوں قائل میں باعث جرح ہیں اگر اس

کے کہنے والا مضطر ہو تو وہ باعث جرح نہیں اگر اختیاراً حکایت کرنے والا ہو تو باعث جرح ہوگا علامہ رویانی نے مسلمان کی ہجو خواہ سچی ہو یا جھوٹی محذور میں شمار کی ہے اور ایک جماعت نے ان کی موافقت کی ہے مگر یہ کہ سچے کا گناہ جھوٹے کے گناہ سے کم تر ہوگا اور حاکی (حکایتاً شعر پڑھنے والا) کا گناہ شعر کہنے والے سے کم تر ہے۔

کثیر علماء نے کافر کی ہجو کے جواز کو مطلق چھوڑا ہے ان کی دلیل حضور ﷺ کا حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مشرکین کی ہجو کرنے کا حکم دینا ہے اور بعض علماء نے کہا ان کفار کا محل علی العموم ہے اور اسی طرح معین حربی چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ۔ جب اس کے کسی قریبی معصوم کو اس سے تکلیف پہنچتی ہو۔ ذمی، یا معاہد یا وہ حربی جس کا کوئی قریبی ذمی یا مسلمان ہو جس کو اس ہجو سے تکلیف پہنچی ہو تو اس کی ہجو جائز نہیں۔ جیسا کہ علامہ اذرعی اور ابن عماد وغیرہا نے کہا ہے انھوں نے کہا کہ اگرچہ حضرت حسان کی ہجو معین فرد کی ہوتی تھی لیکن وہ حربی تھا اور علی سبیل التزل آپ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے یہ تو باعث اجر ہے چہ جائیکہ مباح ہو امام غزالی نے مبتدعین کو حربیوں کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے ان کی ہجو کو جائز قرار دیا ہے لیکن مقصد شرعیہ کی بنا پر ابن عماد نے مرتد کی ہجو کو جائز قرار دیا ہے لیکن نہ کہ تارک صلوٰۃ اور زانی محسن۔ انھوں نے جو مرتد کے بارے میں کہا وہ واضح ہے کیوں کہ وہ حربی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ باتر اور اخیرین میں اس کا محل متجاہر نہ ہونا ہے متجاہر بفسق کی ہجو متجاہر پر جائز ہے کیوں کہ اس کی غیبت بھی جائز ہے۔

احیاء العلوم میں رخساروں اور لٹوں کی توصیف میں تشبیب اور تمام اوصاف نساء کی حرمت کا قول کیا گیا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس کا نظم کرنا اور نہ ہی آواز کے ساتھ یا بغیر آواز سے پڑھنا حرام ہے مستمع کا اسے کسی متعین عورت پر چسپاں کرنا اگر اپنی بیوی پر ہو تو جائز اور غیر پر تو گناہ ہے اور اس قسم کے اشعار کو سننے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ بعض فضلاء نے کہا ہے کہ جس کا انشاء حرام ہے اس کو روایت کرنا حرام نہیں ہے۔ کیوں کہ مغازی میں ان کفار کے قصائد شامل ہیں جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجو کی ہے اور کسی نے ان کا انکار نہیں کیا۔ روایت کیا گیا ہے کہ



حضور ﷺ نے یوم بدر واحد وغیرہا میں شعرا کے مکالمہ اشعار کی اجازت مرحمت فرمائی تھی سوائے  
اس ابی صلت کے قصیدہ جاشیہ کے۔

اذرعی نے کہا اس میں کوئی شک نہیں جب اس میں فحش گوئی نہ ہو اور نہ کسی زندہ یا مردہ  
مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہو۔ اور اس کی حاجت بھی نہ ہو۔ علماء نے جریر اور فرزدق کی ہجو گوئی کی  
مذمت کی ہے لیکن جو اعراب اور زبان دان موجود ہوتے ان کی مذمت نہیں کی۔ اور انمہ کرام کے  
کلام کو اس کے غیر پر محمول کرنا چاہئے جو اہل لعب و بطالت کی عادت ہے اور عصر حاضر کے شعراء  
کی شاعری کو حرام شعر گوئی پر محمول کرنا چاہئے کیوں کہ ان کے اشعار میں صرف ایذا رسانی اور  
زندوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں یا زندوں کو ان کے اموات کے بارے میں عار دلانا ہوتا ہے یا  
مردوں کی برائیاں گننا مقصود ہوتا ہے اس کی لغت وغیرہ کو بھی ضرورت نہیں ہے یہ صرف عزتوں  
کے ساتھ کھیلنے کا ایک سبب اور ذریعہ ہے۔ (۱۶ روح المعانی ج ۱۰ ص ۲۲۵/۲۲۶ اشعار: ۲۲۷)

انھیں اشعار محذورہ کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ  
راوی ہیں۔ آپ نے فرمایا لن یمتلی جوف احد کم قیحا حتی یرہ خیر له من ان  
یمتلی شعرا (صحیح مسلم کتاب الادب باب فی انشاء اشعر و بیان اشعر کلمۃ و ذم اشعر ابن ماجہ کتاب الادب  
باب ما کرہ من اشعر صحیح البخاری کتاب البر و الصلہ باب ما کرہ ان یکون الغالب علی الانسان اشعر)

اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے یہاں تک کہ وہ اسے دیکھے یہ اس  
کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ اسے شعر سے بھرے۔ (صحیح مسلم کتاب الادب باب فی انشاء اشعر و  
بیان اشعر کلمۃ و ذم اشعر ابن ماجہ باب الادب باب ما کرہ من اشعر صحیح البخاری کتاب البر و الصلہ باب ما کرہ ان یکون الغالب علی الانسان اشعر)

**قرآن مجید کتاب رشد و ہدایت:**

یہ کتاب مبین مبالغہ آرائی، خیال آفرینی، بے جا مدح و ذم اور شاعرانہ تخیلات و جھوٹ  
کا پلندہ نہیں ہے بلکہ یہ تو سراپا رشد و ہدایت کا صحیفہ ہے لوگوں کی اصلاح و رہنمائی کا کوئی لمحہ بھی اس

میں فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ مبالغہ آرائی ہے اور نہ ہی حق سے ذرہ برابر متجاوز۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بنی نوع انسان کو ان کی طبیعت اور فطرت میں ودیعت شدہ حقائق کی یاد دہانی کراتی ہے اور ان تاریخی حقائق کو بھی یاد دلاتی ہے جو تخلیق آدم سے لے کر بعثت محمد ﷺ تک پھیلے ہوئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ یہ ان حقائق کو بھی یاد دلاتی ہے جو دنیا و آخرت میں لازماً پیش آ کر رہیں گے۔

یہ ایسی کتاب مبین ہے جو منزل من اللہ ہے متعبدات (عبادت گاہوں) میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے اس کی تلاوت سے اجر و ثواب ملتا ہے حدود و احکام، حلال و حرام، ادا و نواہی اور ماضی و مستقبل کے غیوب کی خبروں پر مشتمل ہے جن پر آگاہی شعراء بلکہ بنی نوع انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اور زندگی کے ہر پہلو کے لئے ٹھوس اور مدلل، محکم اور واضح رہنمائی موجود ہے کہ کسی عقل مند اور انصاف پسند کے لئے کسی قسم کے شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ کہاں ایسی مبرہن، مدلل، واضح حکم و مواعظت پر مشتمل کتاب مبین اور کہاں شعر و شاعری۔

### نزول قرآن کا مقصد:

اس قرآن کے نازل کئے جانے کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کو بروقت آگاہ کیا جائے جن کے اندر حیات عقلی و روحانی کی رمت ابھی باقی ہے اور ان کے ضمیر ابھی مردہ نہیں ہو چکے جن میں حق پذیری کی صلاحیت باقی ہے۔ رہے وہ لوگ جن کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں حق و باطل کی تمیز کرنے اور حق کو اختیار کرنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے عقلیں ماؤف ہو چکی ہیں انھیں قرآن کچھ فائدہ نہیں دیتا وہ مردہ ہیں کیوں کہ وہ اس سے عبرت پکڑتے نہیں اور نہ ہی اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ البتہ ان پر حجت تمام ہوگی اور کل قیامت کے روز کوئی عذر نہ پیش کر سکیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ ورنہ ہم راہ راست کو اختیار کرتے اور کفر و شرک کی وادی میں نہ بھٹکتے۔ ان پر عذاب الیم اور جہنم میں دخول کے لئے حجت تمام ہوگی اللہ تعالیٰ نے شیطان لعین کو فرمایا تھا لا ملئن جہنم منك ومن اتبعك منهم اجمعین میں تجھے اور تیرے تمام پیروکاروں سے جہنم کو ضرور بضرور بھر دوں گا۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کافروں کو زندوں کے مقابلہ میں رکھا اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ وہ اپنے کفر، سقوط حجت اور عدم تامل کی بنا پر فی الحقیقت مردہ ہیں۔ وجعلہم فی مقابلة من كان حيا اشعارا بأنهم لكفرهم و سقوط حجتهم و عدم تأملهم اموات فی الحقیقة (۱۵ صفوة التفاسیر ج ۳ ص ۲۰ سورۃ یس ۷۰ بحوالہ تفسیر بیضاوی ص ۱۳۶ ج ۲)

آیت مقدسہ میں کفر کو موت اور ایمان کی استعداد قلبی کو حیات قرار دیا گیا۔ قرآن نے اپنے اسلوب خاص میں بتا دیا کہ اس کے مخاطب دو قسم کے لوگ ہیں ایک گروہ وہ ہے جو اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتا ہے اسے اللہ کا کلام سمجھ کر اس پر ایمان لاتا ہے اور جو ارجح کے ساتھ اس کے احکامات پر عمل کرتا ہے لہذا وہ گروہ زندہ ہے دوسرا گروہ جو اس کی باتوں کو نہیں مانتا اسے جھٹلاتا ہے غور و فکر اور عقل خدا داد سے کام نہیں لیتا وہ مردہ ہے لہذا اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہو کر رہے گا۔

### توحید باری تعالیٰ پر مشاہداتی دلائل:

توحید باری تعالیٰ کے بیان اور قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے ثبوت کے بعد مشاہداتی حقائق کو تو حید باری تعالیٰ پر بطور دلیل پیش کیا جا رہا ہے ایسے دلائل جو ہمہ وقت ان کے سامنے ہیں غائب و پوشیدہ نہیں۔ اور نہ ہی دقیق کہ فکر و تدبر کے بغیر سمجھ میں نہ آنے والے ہوں۔ یعنی یہ چار پائے جن کی تخلیق میں انسان کے لئے منفعت ہے ان کی تخلیق دست قدرت سے ہوئی ہے کسی انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے پھر تخلیق کے بعد انہیں انسانی ملکیت میں دے دیا کہ جس طرح چاہیں ان سے نفع حاصل کریں ان کے گوشت کو کھائیں دودھ پیئیں ان کی اوان سے لباس تیار کریں کھالوں سے لباس اور جوتے تیار کریں اور انہیں بیچ کر اپنی ضروریات کو پورا کریں۔ ان پر سواری کریں اور دیگر نقل و حمل اور کاشتکاری کے کاموں میں ان سے خدمات حاصل کریں، یہ ماکانہ تصرفات صرف اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اور اسی کی قدرت و تدبر نے انہیں انسان کا مطیع و فرمانبردار بنایا ہے ورنہ انسان تو بذات خود ایک مہمی کو بھی مطیع کرنے پر قادر نہیں ہے بلکہ وہ تو اسے اپنے آپ سے دور کرنے پر بھی قادر نہیں ہے۔



یہ مشاہداتی دلائل عقلمندوں اور اصحاب بصیرت کو غور و فکر اور تفکر و تدبر پر ابھارتے ہیں کہ وہ ذات جس نے ان قوی ہیکل جانوروں کو جو طاقت و قدرت میں انسان سے کئی گنا زیادہ ہیں انسان کے لئے مسخر کر دیئے ہیں اور ایک بچہ بھی قوی ہیکل گھوڑے کے منہ میں گام دے کر اس پر سوار ہو جاتا ہے اور جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اسی طرح اونٹ کو نکیل ڈال کر اس سے بار برداری یا سواری کا کام لے لیتا ہے لہذا وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت اور بندگی کی جائے۔ اسی کے سامنے جبین نیاز کو جھکایا جائے اگر وہ منعم حقیقی ان جانوروں کو انسان کے لئے مسخر نہ کرتا۔ انھیں انسان کی خدمت کے لئے مامور نہ کرتا اور ان کے اندر انسان کے لئے ودیعت شدہ منافع نہ رکھتا تو انسان نہ ان جانوروں کو قابو میں لاسکتا اور نہ ہی ان سے خدمت لے سکتا وہ ان پر سفر کر سکتا نہ ہی بار برداری کا کام۔

جب انسان ان سے ہر طرح کے فوائد حاصل کر رہا ہے تو ان نعمتوں کا اب حق یہ ہے کہ وہ منعم حقیقی اور محسن حقیقی کی نعمتوں پر سپاس شکر بجالائے اور ہر لمحہ اسی کی حمد و ثناء، عبادت و ریاضت اور اس کی فرمانبرداری و اطاعت میں بسر کرے۔ اور اس کے اوامر کو بجالائے نواہی سے اجتناب کرے اور اس کے دشمنوں شیطان اور نفس امارہ کی مخالفت کو اپنائے تاکہ اس کا لمحہ لمحہ عبادت و شکر الہی میں بسر ہو۔

**ملکیت میں اصل اللہ کی دین ہے:**

اس آیت میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ دولت و سرمایہ کی ملکیت میں اصل اللہ تعالیٰ کی دین ہے نہ کہ محنت یا ملکیت جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں اور کمیونزم اور اشتراکیت میں ملکیت کی اصل کو سرمایہ اور محنت قرار دیا جاتا ہے۔ اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ ملکیت میں اصل خالق کی ذات ہو۔ کیوں کہ جو ذات کسی شے کو عدم سے وجود بخشے وہی اس کی مالک ہوا کرتی ہے جب تمام اشیاء عالم کا خالق اللہ تبارک و تعالیٰ ہے تو تمام اشیاء پر اسی کی ملکیت بھی ہونی چاہئے اور پھر چونکہ بندوں کو اشیاء پر ملکیت اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے کی وجہ سے ہے لہذا اثبات و

انتقال ملکیت کا قانون بھی اسی کی جانب سے عطا کیا جانا چاہئے لہذا ملکیت کا قانون بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور انبیاء کے ذریعے بنی نوع انسان کی طرف نازل فرمایا اس قانون کے خلاف کوئی بھی شخص کسی چیز کا نہ تو مالک بن سکتا ہے اور نہ ہی اس قانون کے خلاف استعمال کرنا جائز ہے۔ جو بھی تصرف اس قانون کے خلاف ہوگا وہ ناجائز تصور کیا جائے گا۔

**کفران نعمت اور کفر و شرک:**

بنی نوع انسان پر لازم تھا کہ وہ خالق و مالک کے احسانات و انعامات کا شکر بجالاتا اور صرف اسی کی عبادت و بندگی کرتا اسی کے احکامات پر عمل پیرا ہوتا اور منہیات سے پرہیز کر کے اس کی رضا حاصل کرتا لیکن انسان اپنی کم عقلی، سوء فہم اور غفلت و لاپرواہی کی بنا پر کفر و شرک کی وادی میں جا پڑا۔ اس کے مد مقابل بتوں، مورتیوں، سورج، چاند، ستاروں، دریاؤں، پہاڑوں، مظاہر کائنات، شخصیات بلکہ نظریات کا پجاری بن گیا۔ اور عصر حاضر میں بھی بعض لوگ وطن، زبان، رنگ و نسل اور علاقہ پرستی اور شرک کی بے شمار اقسام جو علاقوں کی دوری اور مکان و زمان کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہیں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ہندو تو اس وقت بھی بت پرستی، گاؤں مانتا، اور آبی و سمندری جانوروں کی پوجا کرتے ہیں حالانکہ یہ تمام اشیاء بذات خود اللہ جل مجدہ کی بندگی بجالا رہے ہیں۔

ان جاہلوں اور مشرکین کا مقصد شرک یہ ہے کہ یہ بت، اور مظاہر کائنات جنہیں وہ اپنا معبود تصور کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے نجات دلائیں گے ان کی شفاعت کر کے ان کی بخشش کا ذریعہ بنیں گے۔ حالانکہ یہ بے جان مورتیاں اور ہاتھوں سے تراشیدہ بت تو بذات خود محتاج ہیں وہ ان کی کیا مدد کریں گے وہ تو بذات خود اپنے آپ کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی ضرر کو دور کر سکتے ہیں بلکہ وہ تو اپنے وجود کے لئے انسان کے محتاج ہیں لیکن یہ جاہل بت پرست، مشرکین ان کی مدد و نصرت اور ان کی حفاظت اور ان کی خدائی کا ڈھنڈورا پیٹنے اور ان کے مخالفین پیغمبروں و رسولوں اور مبلغین کے خلاف جمع شدہ لشکر کی طرح ہیں کہ کسی نے ان بتوں کی

مخالفت کی اور تو حید خالص کا پیغام سنایا تو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے یہی وجہ ہے کہ جب موحداً عظیم خلیل الرحمن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتوں کے ساتھ معاملہ کر کے ان کی خدائی کے غرور کو خاک میں ملا دیا ناک و کان کاٹ دیئے تو مشرکوں نے اپنے معبودوں کی نصرت و تائید کا اعلان کر دیا حرقوہ و انصروا الہتکم ان کنتم فاعلین اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی نصرت و تائید کرو اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔

آیت کا یہ مفہوم بھی کیا گیا ہے کہ آخرت میں بروز قیامت ہر بت کے پجاری یکجا کر دیئے جائیں گے اور انھیں ایک ایک کے ساتھ واصل جہنم کیا جائے گا اسی معنی کی تائید بخاری و مسلم اور ترمذی کی حدیث سے بھی ہوتی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یجمع اللہ الناس یوم القیامة فی صعید واحد ثم یطلع علیہم رب العلمین فیقول الا لیتبع کل انسان ما کان یعبد فیمثل لصاحب الصلیب صلیبہ ولصاحب التصاویر تصاویرہ ولصاحب النار نارہ فیتبعون ما کانوا یعبدون و یرجع المسلمون الخ ترجمہ:- اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا پھر اللہ رب العلمین جھانکے گا اور فرمائے گا ہر انسان اپنے اپنے معبود کی اتباع کرے۔ صاحب صلیب کے لئے صلیب کی مثل اور بت پرستوں کے لئے بت کی مثل اور آتش پرست کے لئے اس کی آگ کی مثل بنا دی جائے گی۔ پس وہ اپنے اپنے معبودوں کی اتباع کریں گے اور مسلمان باقی بچیں گے۔ (جامع ترمذی کتاب فی صفۃ الجنۃ باب ما جاء فی خلود اهل الجنة و اهل النار)

علامہ ابن کثیر نے پہلے ہی قول کو پسند کیا ہے اور اسے ہی ترجیح دی ہے کہ وہ دنیا میں اپنے معبودوں کی نصرت و تائید کرتے ہیں جب کہ ان کے بت اور معبود انھیں نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی ضرر کو دور کر سکتے ہیں وہ لکھتے ہیں وقال قتادة لا يستطيعون نصرهم سے مراد ان کے الہٰہ ہیں وہم لہم جند محضرون سے مراد مشرکین ہیں یعنی مشرکین دنیا میں اپنے الہوں کے بارے میں غضب ناک ہوتے ہیں حالانکہ وہ نہ تو انھیں کوئی نفع



پہنچاتے ہیں اور نہ ہی شر کو دور کرتے ہیں اور یہ بت ہیں یہی حسن بھری نے کہا ہے یہ قول حسن ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۶۲ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۹۹)

روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انصار کے صالح نوجوان ایمان لائے تھے مگر ان کے باپ اس وقت تک اپنی بت پرستی پر بضد تھے اور ہر روز اپنے بت کے سامنے سجدہ کرتے رہتے اس سے دعائیں مانگتے، حضرت معاذ اور ان کے ہم نام ایک دوسرے انصاری نوجوان اس بات پر متفق ہو گئے کہ ان بوڑھوں کو سبق سکھایا جائے اور انہیں نصیحت کی جائے کہ وہ حماقت سے اس جہالت پر مصر ہیں جب ان کے سمجھانے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور ان کی نصیحت کو سنی ان سنی کر دیا اور اسی شرک پر اڑے رہے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے رات کے وقت خفیہ طور پر اس بت کو گرا دیا اور جس چوکی پر اسے رکھا ہوا تھا وہ اس کے اوپر رکھ دی جب صبح ہوئی تو وہ بوڑھا اسے پوچھنے گیا تو تماشہ عجیب دیکھ کر شور و غل مچایا اور یہ اعلان کر دیا کہ اگر مجھے وہ شخص مل گیا جس نے میرے معبود کی ہتک عزت کی ہے اس کو قتل کر دوں گا اور ایک پوری جماعت جمع ہو گئی۔

بت کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا اور پھر اس کی پرستش میں مشغول ہو گیا حضرت معاذ اور ان کے ساتھی نے کچھ دنوں بعد دوبارہ اس بت کو گرا دیا اور نجاست کو اس کی گود میں اڑھ کر اوندھا کر دیا۔ صبح جب بوڑھوں نے یہ منظر دیکھا تو زیادہ شور و غل مچایا اور با آخرا سے نہلا دھلا کر صاف ستھرا کر کے دوبارہ اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا گیا اور اس کے حضور شکایت کی کہ کیوں ایسے گستاخ و بے ادب کو معاف کر رہا ہے اور تلواریں اس کے ہاتھ میں تھما کر اس سے عرض کی کہ اب جو کوئی بے ادبی و گستاخی کی جرات کرے اس کا سرا ہی تلواریں سے کاٹ کے رکھ دے۔ پھر اس کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔

حضرت معاذ اور ان کے ساتھی نے ایک رات مردہ اتا تھسیٹ کر لایا اور بت کو بھی اپنی جگہ سے گھسیٹ کر باہر لایا دونوں کی ٹانگوں کو باندھا اور تلواریں سے اس کی ٹانگ کاٹ کر دونوں کو کنویں کے اندر ڈکادیا۔ صبح جب بیچاروں نے بت کو نہ پایا مگر جب کنویں سے رسی کو لھینچا تو معلوم ہوا کہ وہ بیچارے تو کنویں میں اوندھے منہ لٹے ہوئے اب بے کال کیا تو ساتھ ہی مردہ اتا بھی نکل آیا یہ

حال دیکھ کر کہنے لگے ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ اب تم میں کوئی طاقت باقی نہیں رہ گئی یہ کہہ کر اسے پھینک دیا چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موقع پا کر انھیں نصیحت کی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت دیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ (☆ مواہب الرحمن ج ۵ ص ۵ سورۃ یس: ۷۵)

الغرض اللہ تعالیٰ نے انسان پر بے شمار نعمتیں و احسانات فرمائے ہیں۔ بزم کائنات کو انسان کے لئے سجایا زمین و آسمان کی ہر چیز انسان کے لئے مسخر کر دی اور اس کی خدمت پر لگادی اب عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس منعم حقیقی ہی کی عبادت کی جائے اس کو وحدہ لا شریک مانا جائے اسی کے احکامات پر عمل پیرا ہوا جائے اور ذات و صفات و افعال میں اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور ہر لمحہ اسی کی عبادت و بندگی اور اطاعت میں صرف کیا جائے۔

حدیث شریف میں آتا ہے ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا قال اللہ عزوجل انی والجن والانس فی نبا عظیم اخلق و یعبد غیری و ارزق و یشکر غیری

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا اور جن و انس کا عظیم معاملہ ہے میں پیدا کرتا ہوں اور وہ عبادت غیر کی کرتے ہیں رزق میں دیتا ہوں اور وہ شکر میرے غیر کا کرتے ہیں۔

(☆ تفسیر مظہری ج ۸ ص ۹۸ سورۃ یس: ۷۴)

علامہ سید قطب شہید کے بقول:

بت پرستی بہر حال بت پرستی ہے خواہ کسی بھی روپ میں جلوہ گر ہو جائے جب بھی توحید خالص کا عقیدہ کمزور ہوگا تو بت پرستی جلوہ گر ہوگی۔ شرک و جاہلیت انسانیت کی، شرافت کی، اخلاق کی اور ہر انسانی قدر و قیمت کی نفی ہے انسانیت توحید کے سوانح نہیں سکتی اور توحید کا معنی ہے الوہیت کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دینا صرف اسی کی عبادت کرنا، اپنی توجہ اور اعتماد کے لئے اسی کو خالص ٹھہرانا، تعظیم و اطاعت کو اسی کا حق جاننا اور بس۔

(☆ فی ظلال القرآن ج ۶ ص ۲۲۴ سورۃ یس: ۷۵)

بقول حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے  
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

من دونہ کا مصداق کون ہے؟:

اکثر مفسرین نے "من دون اللہ" سے مراد بت اور شیاطین مراد لئے ہیں۔ لیکن سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اسی کا مصداق انبیاء کرام، شہداء کرام، اولیاء کرام اور صالحین لیا ہے۔ وہ والذین یدعون من دون اللہ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں۔ (☆ تفہیم القرآن ج ۲ سورۃ النحل آیت ۲۰ ص ۵۳۲)

اور اموات غیر احياء وما يشعرون ايان يبعثون (النحل: ۲۱) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتوں یا جن یا شیاطین یا لکڑی اور پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں۔ اس لئے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احياء کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا سوال نہیں ہے اسی لئے وما يشعرون کے الفاظ انہیں خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ اب لامحالہ اس آیت میں والذین یدعون من دون اللہ سے وہ انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریادرس، غریب نواز گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجات روائی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ عرب میں اس نوعیت کے معبود نہیں پائے جاتے تھے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ جاہلیت عرب کی تاریخ سے ناواقفیت کا ثبوت ہے کون لکھا پڑھا نہیں جانتا ہے کہ عرب کے متعدد قبائل ربیعہ، کلب، تغلب، کنانہ، حرث، کعب، کندہ وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے تھے۔ اور یہ دونوں مذاہب پوری طرح اولیاء اور شہداء کی پرستش سے آلودہ تھے۔ پھر مشرکین عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود گزرے



ہوئے انسان ہی تھے جنہیں بعد کی نسلوں نے معبود بنا لیا تھا۔ بخاری میں ابن عباس کی روایت ہے کہ وہ، سواع، یغوث، یعوق، نسر یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ اساف اور ناکہ دونوں انسان تھے اسی طرح کی روایات لات، منات، اور عزی کے بارے میں بھی موجود ہیں اور مشرکین کا یہ عقیدہ بھی روایت میں آیا ہے کہ لات اور عزی اللہ کے ایسے پیارے تھے کہ اللہ میاں جاڑالات کے ہاں اور گرمی عزی کے ہاں بسر کرتے تھے۔ سبحانہ عما یصفون (☆ تفہیم القرآن ج ۲ سورۃ النحل آیت ۲۱ ص ۵۳۳)

### تدعون بمعنی تعبدون ہے:

تدعون کا ترجمہ سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے موافقین پکارتا کرتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ یہاں دعا بمعنی عبادت ہے اگر پکارتا معنی کیا جائے تو پھر غیر خدا کو مطلقاً پکارتا ہی شرک ہو جائے گا اور کوئی بھی اس سے بچ نہ سکے گا۔ لیکن ان حضرات نے یہ ترجمہ فقط اس لئے کیا ہے تاکہ اپنے مذموم مقصد کے مطابق اس کا اطلاق ہر اس مسلمان پر کریں جو انبیاء کرام و شہداء و صالحین سے حسن عقیدت رکھتا ہے اور انہیں پکارتا ہے چنانچہ علامہ ابن منظور افریقی دعا کی لغوی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا الدعاء هو العبادۃ دعا عبادت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ادعونی استجب لکم تم میری عبادت کرو میں اسے شرف قبولیت سے نوازوں گا۔ اور یہ فرمان ان الذین یستکبرون عن عبادتی بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان و اصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی سے مراد جو لوگ پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح سعید بن المسیب سے مروی ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لن ندعون من دونہ الہا سے مراد ہے کہ ہم اس کے سوا کسی کی عبادت ہرگز نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اتدعون بعلا کا معنی یہ ہے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے رب کی عبادت کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لاتمدع مع اللہ الہا اخرا کا معنی یہ ہے کہ آپ کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں۔ (☆ لسان العرب ج ۴ ص ۳۶۰)

‘ علامہ قرطبی لاتدع من دون الله کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای لاتعبد یعنی آپ عبادت نہ کریں۔ (☆ الجامع لاحکام القرآن جزء ۸ ص ۲۳۸ سورۃ یونس ۱۰۶)  
علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله ای یعبدون من دون الله وہی الاصنام یعنی وہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں اور وہ بت ہیں انہیں سب و شتم نہ کرو۔ (☆ زاد المسیر ج ۳ ص ۷۹ سورۃ انعام ص ۱۰۶)  
علامہ بغوی نے بھی لاتدع کا ترجمہ ہی کیا ہے۔

(☆ معالم التنزیل مع الخازن ج ۳ ص ۲۷۹ سورۃ یونس ۱۰۶)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں والالهة التي تدعونهم ايها الكفار اور ان معبودوں کو جن کی اے کفار تم عبادت کرتے ہیں۔ (☆ روح المعانی جزء ۱۴ ص ۷۶ سورۃ النحل ۱۰۶)  
لیکن ان مذکورۃ الصدر مفسرین و لغویوں کے برعکس ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کا ترجمہ پکارنا کیا ہے تاکہ عام مسلمانوں کو مشرک قرار دیں۔

**من دون الله کا مصداق اصحاب قبور نہیں بت اور شیاطین ہیں:**

ابوالاعلیٰ مودودی نے من دون الله کا مصداق اصحاب قبور انبیاء کرام اور صالحین و شہداء کو قرار دیا۔ اور لکھا "خاص طور پر جن باطل معبودوں کی تردید کی جارہی ہے وہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا لکڑی پتھر کی مورتیاں نہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں اس لئے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احیاء کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے حق میں بعث بعد الموت کا سوال نہیں ہے۔ اس لئے وما يشعرون کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں اب لامحالہ اس آیت میں والذین یدعون من دون الله سے وہ انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور غیر معمولی انسان ہی ہیں الخ (☆ تفہیم القرآن ج ۲ سورۃ النحل آیت ص ۵۳۳)

مودودی صاحب اگر اپنی عقل کو ہی فیصلہ کل نہ سمجھتے بلکہ سابقہ مفسرین کی آراء کو ملاحظہ فرماتے تو اس قدر نہ خود پھسلتے اور نہ دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بنتے۔ بتوں کے حق میں نازل

ہونے والی آیات کو اصحاب قبور پر منطبق کرتے اور نہ ہی کفار کے حق میں نازل شدہ آیات کا مصداق موحدين و مسلمين کو بناتے۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں جیسے لوگوں کو اشار خلق اللہ سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری کتاب الفتن باب الخوارج) جو کفار کے حق میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر منطبق کرتے تھے جیسا کہ بخاری وغیرہ میں موجود ہے۔ ”وکان ابن عمر ابراہم اشار خلق اللہ وقال انہم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین“ (بخاری کتاب استتابة المرتدين باب ۶ قتل الخوارج الخ) بہر کیف مفسرین کی آراء آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اس سے کیا مراد لیا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری جو امام، مفسر، محدث، مؤرخ اور نقاد اور اصولی ہیں جو سبھی موافقین اور مخالفین کے نزدیک مسلم امام ہیں لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور تمہارے وہ بت جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو اے لوگو یہ معبود کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے یہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں پس جو خود بنایا ہوا ہو اور اپنے لئے کسی بھی نفع و ضرر کا مالک نہ ہو وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے اور اموات غیر احیاء کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ قتادہ بیان کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے مردہ ہیں لن میں روحيں نہیں ہیں اور یہ اپنی پرستش کرنے والوں کے لئے کسی نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں۔ (جامع البیان المعروف بالطبری جزء ۱۴ ص ۱۲۷ سورۃ النحل آیت ۱۰۶) علامہ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ بت جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا وہ عبادت کرتے ہیں کسی بھی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں جیسا کہ خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جن کو تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے معبودوں کا خالق ہے۔ (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۲ سورۃ النحل ۱۰۶)

علامہ بغوی لکھتے ہیں والذین يدعون سے مراد بت ہیں اور اموات غیر احیاء سے



مراد بھی بت ہیں اور مایشعرون سے مراد بھی بت ہیں یعنی بت نہیں جانتے کہ انہیں کب زندہ کیا جائے گا۔ ایساں یبعثون وہ لکھتے ہیں کہ قرآن اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بتوں کو اٹھایا جائے گا ان میں زندگی ڈالی جائے گی اور اپنے عبادت کرنے والوں پر تبرا کریں گے۔

(ہذا معالم التنزیل مع الخازن ج ۴ ص ۱۱ سورۃ النحل ۱۰۶)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں کہ اموات غیر احياء سے مراد بت ہیں فراء نے کہا کہ اموات سے یہاں مراد یہ ہے کہ ان میں روحيں نہیں ہیں انھیں نے کہا کہ غیر احياء اموات کی تاکید ہے۔

وما يشعرون ايان يبعثون کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس سے مراد بھی بت ہیں ان کو آدمیوں کے

صیغے کے ساتھ تعبیر فرمایا کیوں کہ اللہ تعالیٰ حشر میں اصنام کو بھی اٹھائے گا ان کے ساتھ روحيں ہوں گی اور ان کے ساتھ ان کے شیاطین ہوں گے اور وہ کفار کی عبادت سے بیزاری کریں گے پھر شیاطین کو اور ان بتوں کے عبادت گزاروں کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔

(۲) مقاتل نے کہا وما يشعرون سے مراد کفار ہیں وہ نہیں جانتے کہ انہیں کب

اٹھایا جائے گا۔ (☆ زاد المسیر ج ۴ ص ۲۳۸/۲۳۹ سورۃ النحل ۱۰۶)

مذکورہ بالا مفسرین کی آراء میں جہاں یہ ثابت ہو گیا کہ من دون اللہ کا مصداق بت

اور شیاطین ہیں وہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بتوں کو بھی دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہ اپنے پجاریوں سے بیزاری کا اظہار بھی کریں گے اور ساتھ ہی ان پر تبرا (برا بھلا) بھی کریں گے۔

من دون اللہ سے اصحاب قبور مراد لینا صحیح نہیں ہے:

من دون اللہ سے اصحاب قبور مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد اوثان و اصنام

اور شیاطین ہی مراد ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ جل مجدہ کا فرمان ہے وان مسیّدعون من دونہ

الباطل یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی بھی عبادت کرتے ہو وہ باطل ہے (اتقان: ۳۰)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں من دونہ سے مراد شیطان ہے اور یہ مجاہد کا قول ہے یہ بھی کہا گیا

کہ اس سے مراد اصنام و اوثان ہیں جن کی اللہ کے سوا عبادت کی گئی۔ (☆ الجامع لاحکام القرآن جزء ۱۳ ص ۵۹ سورۃ لقمان ۱۳۰)

ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں ای من الاصنام والانداد والاثان و کل ما عبد من دونہ فهو الباطل اس سے مراد وہ اصنام، مد مقابل اور بت ہیں اور ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی گئی وہ باطل ہے اور وہ نہ نفع کی مالک ہے نہ ضرر کی۔ جبکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام، شہداء اور اولیاء عظام کی تعریف و توصیف ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔  
”ومن يطع الله والرسول فأولئك مع الذين انعم الله من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئك رفيقا“ (انساء: ۶۹)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتا ہے پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور یہ کتنی اچھی سنگت ہے۔  
لہذا من دون اللہ سے مراد اصنام و اوثان اور انداد ہی ہیں اصحاب قبور اور صالحین مراد نہیں ذیل میں ہم چند آیات پیش کریں گے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ من دون اللہ سے اصحاب قبور مراد لینا جائز نہیں ہے۔

۱۔ مومن بتوں کو سب و شتم کیا کرتے تھے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لا تسبوا الذين يدعون من دون الله (انعام ۱۰۸)

ترجمہ: آپ ان (بتوں) کو سب و شتم نہ کریں جن کی وہ (کفار) اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کفار مکہ نے حضور ﷺ سے کہا اے محمد آپ ہمارے معبودوں کو سب و شتم کرنے سے باز آ جائیں ورنہ ہم آپ کے رب کو سب و شتم کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے بتوں کو سب و شتم کرنے سے منع فرمایا نیز عبدالرزاق عن معمر

من قتاده روایت کرتے ہیں کہ مسلمان کفار کے بتوں کو سب و شتم کیا کرتے تھے تو کفار بھی اپنی علمی کے باعث اللہ تعالیٰ کو سب و شتم کیا کرتے تھے۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(۱۲: تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۷ سورۃ انعام ۱۰۸)

علامہ قرطبی ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ قریش مکہ نے ابوطالب کے پاس آ کر درخواست کی کہ یا تو محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کو آپ ہمارے معبودوں کے سب و شتم سے روکیں یا پھر ہم بھی ان کے الہ کو سب و شتم کریں گے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(۱۲: الجامع الاحکام القرآن جز ۷ ص ۷۷ سورۃ انعام ۱۰۸)

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام بتوں کو سب و شتم کیا کرتے تھے اور انہیں برا بھلا کہتے تھے جس کے بدلے میں کفار اپنی لاعلمی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو سب و شتم کیا کرتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا معلوم ہوا کہ وہ بت جن کی تنقیص اور تحقیر مسلمان کیا کرتے تھے وہ صالحین اور انبیاء و شہداء نہ تھے بلکہ بت اور شیاطین تھے ورنہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام سے یہ کیسے متوقع ہو سکتا ہے کہ وہ انبیاء کرام، شہداء کرام اور صالحین کو سب و شتم کریں گے اور انہیں برا بھلا کہیں گے۔

۲۔ بت اور پجاری قیامت کے روز ایک دوسرے کو لعنت کریں گے:

بت اپنے پیروکاروں اور پجاریوں سے قیامت کے دن بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اور ان پر تمہارا کریں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وقال انما اتخذتم من دون الله اوثانا مودة بينكم في الحياة الدنيا ثم يوم القيامة يكفر بعضكم ببعض ويلعن بعضكم بعضا وما ويحكم النار وما لكم من الناصرين (العنکبوت ۲۵)

ترجمہ:- اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں، پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھر کار بھیجیو گے ایک دوسرے پر، اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار۔

علامہ بغوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں تتبرا الاوثان من عابديها وتبرا



القادة من الاتباع وتلعن الاتباع القادة کہ بت اپنے عابدوں اور پجاریوں پر اور قائدین اپنے اتباع پر تبرا کریں گے اور اتباع اپنے قائدین ورؤساء کو لعنت کریں گے۔

(☆ معالم التنزيل ج ۵ ص ۴۷ سورة العنكبوت ۲۵)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں تتبرا الاوثان من عبادها والرؤساء من السفلة یعنی بت اپنے عابدوں اور رؤساء اپنے پیروکاروں پر تبرا کریں گے۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن جزء ۳ ص ۲۵۵ سورة العنكبوت ۲۵)

اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ بت اپنے پجاریوں پر لعنت کریں گے اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور پجاری ان بتوں سے بیزاری اور ان پر لعنت کریں گے۔ اگر من دون اللہ سے انبیاء کرام، شہداء صالحین اور اولیاء کرام مراد لئے جائیں تو پھر ان کا لعنت کرنا اور ان پر لعنت کا کیا جانا فرض کیا جائے گا جو یہاں پر صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت تو کفار بھی انبیاء کرام و صلحاء و شہداء کی اتباع نہ کرنے پر کف افسوس ملیں گے لیکن وہ وقت افسوس کا نہ ہوگا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بت اس وقت ساتھ چھوڑ دیں گے اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں ذکر ہے الاخلاء يومئذ بعضهم لبعض عدوا الا المتقين (زخرف: ۶۷) ترجمہ: گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان کے بومتقی (اور پرہیزگار) ہیں۔

کہ دوست دوست کے دشمن ہوں گے مگر متقی لوگ وہاں بھی آپس میں دوست ہی رہیں گے ان کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ یہی تو وہ وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے مقربین انبیاء کرام و شہداء صالحین اپنی اپنی دوستیوں کی لاج رکھیں گے۔ چہ جائے کہ وہ ساتھ چھوڑ دیں اور ان سے بیزاری کریں اور ان پر لعنت کریں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بتوں کو اٹھایا بھی جائے گا اور وہ گفتگو بھی کریں گے تبھی وہ بیزاری کا اظہار بھی کریں گے اور تبرا بھی کریں گے اگر ان کا زندہ ہونا ممکن نہ ہونا اور بعث بعد الموت ان کے لئے محال ہوتا تو پھر ان کا تبرا کرنا اور لاعلمی کا اظہار کرنا صحیح نہ ہوتا۔

حدیث شریف میں ہے ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا  
ثم ينادى مناد ليذهب كل قوم الى ما كانوا يعبدون فيذهب اصحاب الصليب  
مع صليهم واصحاب الاوثان مع اوثانهم و اصحاب كل الهة مع الهتهم .

(☆ صحیح البخاری کتاب التوحید باب وجوه يومئذ تخرق الى ربها ناظرہ)

قیامت کے روز ندا کرنے والا ندا کرے گا کہ ہر قوم اپنے اپنے معبود کی طرف چلی  
جائے پس اصحاب صلیب (عیسائی) اپنی صلیب سمیت جائیں گے اور اصحاب اوثان (بت  
پرست) اپنے بتوں کے پاس جائیں گے اور ہر معبود کا ساتھی اپنے معبود کے پاس جائے گا۔

۳۔ مکہ میں قبر پرستی کا رواج نہیں تھا:

مکہ مکرمہ میں قبر پرستی کا کوئی رواج بھی نہ تھا کیوں کہ قرآن کے اولین مخاطب اہل مکہ  
تھے اور یہ سورت بھی مکی ہے لہذا اگر مکہ سے باہر کہیں قبر پرستی کا رواج تسلیم بھی کیا جائے تو بھی اس  
آیت سے قبر پرستی مراد لینا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن کے اولین مخاطب ہی جب اس فتنہ رجم میں  
مبتلا نہ تھے تو پھر کیسے اس سے مراد قبر پرستی لی جاسکتی ہے اگرچہ ربیعہ، کلب اور دیگر قبائل جو عیسائی یا  
یہودیت سے وابستہ تھے لیکن وہ مدینہ اور اس کے مضافات میں آباد تھے۔ مکی سورتوں میں ان کے  
عقائد کے متعلق بحث نہیں کی گئی ان کے عقائد و ذیلہ کی بحث مدنی سورتوں میں ملتی ہے پس جس چیز  
سے قرآن کے اولین مخاطبین کا واسطہ ہی نہیں ہے وہ چیز کیسے اس سے مراد لی جاسکتی ہے جب کہ  
جس چیز سے ان کا روزمرہ کا واسطہ ہے یعنی بت پرستی اور اس معنی کو ترک کیا جائے۔

۴۔ کفار اور ان کے معبود جہنم کا ایندھن بنیں گے:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انکم وما تعبدون من دون الله حصب  
جهنم انتم لها واردون (الانبياء: ۹۸)

ترجمہ: تم اور تمہارے وہ معبود جنکی تم عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہو اور تمہیں اس میں  
داخل ہونا ہے۔

علامہ بغوی لکھتے ہیں یعنی اے مشرکیں تم بھی اور تمہارے بت بھی جہنم کا ایندھن ہو۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا صلب کا معنی کڑیاں ہیں ضحاک نے کہا کہ انہیں ان کے ساتھ اس طرح آگ میں پھینکا جائے گا جیسے کڑیاں لو کان ہولاء یعنی اگر یہ بت الہہ حقیقت میں معبود ہوتے مآوردوہا تو ہرگز ان کے عبادت گزار آگ میں داخل نہ ہوتے وکل فیہا خالدون یعنی عابد اور معبود سب ہی اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (☆ معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۰۳ سورۃ الانبیاء: ۹۸)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار اور ان کے معبود بت جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ اس آیت کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة (البقرہ: ۲۴) ترجمہ: تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اور انتم لہا واردون کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی تم اس میں داخل ہونے والے ہو اور خطاب بت پرست مشرکین سے ہو رہا ہے یعنی تم اپنے معبودوں سمیت آگ میں داخل ہو جاؤ گے اور یہ بھی جائز ہے کہ خطاب بتوں اور ان کے پیجاریوں سے ہو رہا ہے کیوں کہ بت اگرچہ جمادات ہیں انہیں آدمیوں کے کنایہ سے خطاب کیا جا رہا ہے علماء نے کہا ہے کہ اس میں عیسیٰ و عزیز اور ملائکہ علیہم السلام داخل نہیں ہیں کیوں کہ ماغیر آدمیوں کے لئے ہے اگر یہ بھی مراد ہوتے تو "ومن" کہا جاتا۔ زجاج نے کہا اس لئے بھی کیوں کہ اس کے مخاطب مشرکین ہیں نہ کہ دوسرے۔ (☆ الجامع لاحکام القرآن جزء ۱۱ ص ۲۰۳ سورۃ الانبیاء: ۹۸)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں یعنی اگر یہ بت انداد جہنمیں تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنایا ہوا ہے۔ صحیح ہوتا تو نہ جہنم پر وارد ہوتے اور نہ اس میں داخل ہوتے۔ کل فیہا خالدون کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ عابد اور معبود سبھی اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

(☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰۳ سورۃ الانبیاء: ۹۸)

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ من دون اللہ سے مراد بت اور شیاطین ہیں جو اپنے اپنے عابدین اور پیجاریوں کے ساتھ جہنم رسید کئے جائیں گے اگرچہ ان بتوں اور اصنام کو بطور سزا جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا لیکن ان کفار کو خاموش کرنے کے لئے اور انہیں لا جواب کرنے



کے لئے ایسا کیا جائے گا اور قرآن کا یہ واضح اعلان ہے کہ نیکو کار مسلمان تو اس سے بہت دور ہوں گے نہ وہ اس پر وارد ہوں گے اور نہ ہی داخل ہوں گے ان الذین سبقنا لہم منا الحسنی اولئک عنہا مبعدون۔ (انبیاء ۱۰۱) ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

اور جوابن زبیری نے انکم وما تعبدون پر اعتراض کیا تھا کہ اس میں تو عیسیٰ اور عزیز علیہما السلام اور فرشتے بھی داخل ہیں۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں یہ اعتراض بالکل غلط ہے اور خطا کبیرہ ہے کیوں کہ آیت اہل مکہ کو ان کے بتوں کی عبادت کے بارے میں خطاب کرتے ہوئے نازل ہوئی جو جامد ہیں اور عقل نہیں رکھتے ہیں تاکہ ان کے عابدین کے لئے زجر و تنبیخ ہو جائے۔ اسی وجہ سے فرمایا انکم وما تعبدون من دون اللہ حسب جہنم پس اسے عیسیٰ علیہ السلام اور عزیز علیہ السلام وغیرہ جن کے اعمال صالحہ ہوں اور وہ اپنی عبادت پر راضی نہ بھی ہوں پر کیسے وارد ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے علامہ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس کا جواب یہ دیا کہ ”ما“ عربوں کے نزدیک غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰۵ سورۃ الانبیاء، ۹۸)

کیاود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر قوم نوح کے صالحین تھے:

امام بخاری اپنی سند سے روایت کرتے ہیں حدثنا ابراہیم بن موسیٰ اخبرنا هشام عن ابن جریج و قال ابن جریج عن ابن عباس رضی اللہ عنہما صارت الاوثان التی كانت فی قوم نوح فی العرب بعد اماود فكانت لکلب بددمة الجندل واما السواع فكانت لہذیل واما یغوث فكانت لمراد ثم لبني عطیف بالجوف عند صبا اما یعوق فكانت لہمدان واما نسر فكانت لحمیر لال ذی الکلاع اسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما ہلکوا وحي الشیطن الی قومہم ان انصبوا الی مجالسہم التی کانوا یجلسون انصابا و سموها باسمائہم

فَعَقِلُوا فَلَمْ تَعْبُدْ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ أَوْلَاكُمْ وَنَسَخَ الْعِلْمَ عِبَادَتِ

قوم نوح کے بت بعد میں عرب میں منتقل ہو گئے پس ”وذ“ دوتہ الجندل میں نبی کلب کا تھا سواع بن ہذیل کا یغوث بنی مراد پھر بنی خطیف کا صباء کے پاس جوف میں واقع تھا یعوق بنی ہمدان کا اور نسرال ذی الکلاع میں سے بنی حمیر کا معبود تھا۔ یہ قوم نوح کے صالحین تھے جب یہ ہلاک ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ ان کی تصویروں کو اپنی ان مجالس میں نصب کر دیں جن میں وہ بیٹھتے تھے اور انہیں ان کے ناموں سے یاد کریں انہوں نے ایسا ہی کیا پس ان کی اس وقت تک عبادت نہ کی گئی جب وہ ہلاک ہوئے اور علم منسوخ ہو گیا تو ان کی عبادت کی جانے لگی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے کیوں کہ عطاء مذکور سے مراد عطاء خراسانی ہے ان کی ملاقات عبداللہ بن عباس سے ثابت نہیں ہے عبدالرزاق نے اس حدیث کو اپنی تفسیر میں ابن جریج سے روایت کیا اور کہا کہ مجھے عطاء خراسانی نے ابن عباس سے اس کی خبر دی۔ ابوسعود نے کہا کہ یہ حدیث تفسیر ابن جریج عن عطاء خراسانی عن ابن عباس ثابت ہے۔ ابن جریج نے اس حدیث کو عطاء خراسانی سے نہیں سنا۔ اس نے ان کے بیٹے عثمان بن عطاء سے ان کی کتاب کو لیا اور اسے دیکھا صالح بن احمد بن حنبل نے اپنی کتاب العلل میں علی بن مدینی سے روایت کیا کہ میں نے یحییٰ بن قطان سے ابن جریج عن عطاء خراسانی کی حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا یہ ضعیف ہے میں نے کہا وہ تو خبرنا کے الفاظ سے روایت کرتے ہیں تو انہوں نے کہا یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو انہوں نے اسے دی تھی۔ ابن جریج مناوہ اور مکاتبت دونوں میں خبرنا کے اطلاق کو جائز سمجھتے تھے اسماعیلی نے کہا مجھے علی بن مدینی سے خبر دی گئی کہ انہوں نے تفسیر ابن جریج سے ایسا کلام ذکر کیا جس کا معنی یہ ہے کہ وہ کہا کرتا تھا عطاء خراسانی عن ابن عباس تو وراق پر ہر حدیث میں الخراسانی لکھنا طویل ہوا تو اس نے اسے ترک کر دیا پس اسے جس نے بھی روایت کیا تو اسے عطاء بن ابی رباح سے روایت کیا۔ انتہی اس سے

انہوں نے اس قصہ کی طرف اشارہ کیا جسے صالح بن احمد نے علی بن مدینی سے روایت کیا اور اس پر ابوعلی جبائی نے تقید مکمل میں متنبہ فرمایا ہے۔ ابن المدینی نے کہا میں نے ہشام بن یوسف کو یہ کہتے ہوئے سنا مجھے ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی تفسیر پوچھی۔ پھر فرمایا مجھے اس سے معاف کیجئے۔ فرماتے ہیں ہشام نے کہا کہ یہ انہوں نے قال عطاء عن ابن عباس فرمانے کے بعد کہا۔ ہم نے لکھا اور پھر اسے مٹا دیا۔ یعنی ہم نے خراسانی لکھا۔ ابن مدینی فرماتے ہیں میں نے یہ اس لئے کیا کیوں کہ محمد بن ثور اپنی روایت میں عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس روایت کرتے ہیں تو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ عطاء بن ابی رباح ہے۔ فاکھی نے حدیث مذکور بطریق محمد بن ثور عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس روایت کیا ہے اور خراسانی نہیں کیا۔ اور عبدالرزاق نے اس کی تخریج کی اور الخراسانی کہا جیسا کہ گزر چکا۔ اور یہ بات امام بخاری سے عظیم سمجھی گئی کہ یہ چیز ان پر مخفی رہے۔ لیکن جو چیز میرے نزدیک قوی ہے کہ یہ حدیث بالخصوص ابن جریج نے عطاء خراسانی اور عطاء بن ابی رباح دونوں سے روایت کی ہو۔ اور عطاء بن ابی رباح کا تفسیری حدیث روایت کرنے سے باز آنا اس حدیث کو کسی دوسرے باب یا مذاکرہ میں روایت نہ کرنے کو مستلزم نہیں ہے ورنہ یہ کیسے امام بخاری پر مخفی رہ سکتا ہے حالانکہ وہ اتصال کی شرط میں بڑے تشدد ہیں اور علل کے باب میں ان کا اکثر اعتماد بھی اپنے استاد علی بن مدینی پر ہی ہے اور انہوں نے ہی اس قصہ پر آگاہ بھی کیا ہے اور اس سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے کہ امام بخاری نے اس نسخہ کی تخریج بکثرت نہیں کی۔ اور اس حدیث کو صرف دو جگہ ذکر کیا یہاں اور کتاب الزکاح کے آخر میں اگر یہ ان پر مخفی ہوتا تو وہ اس کو بکثرت روایت کرتے کیوں کہ اس کا ظاہر امام بخاری کی شرط پر ہے۔ (☆ فتح الباری ج ۸ ص ۸۶۳ کتاب التفسیر سورۃ ۱۷ باب ۱)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں خراسانی کی ابن عباس، ابن عمر، عبداللہ بن السعدی اور ان کے امثال سے احادیث مرسل ہیں یہ شخص کثیر الارسال تھا۔ احمد بن حنبل و غیرہ نے اسکی توثیق کی ہے یعقوب بن شیبہ نے کہا ثقہ ہے فتویٰ و جہاد میں معروف ہے ابو حاتم نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں



عقیلی نے اس کا شمار ضعفاء میں کیا اس حکایت کی وجہ سے جسے حماد بن زید نے ایوب سے روایت کیا کہ قاسم بن عاصم نے کہا میں نے کہا میں نے سعید بن المسیب کو کہا کہ عطا خراسانی نے مجھے آپ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جو رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھے فرمایا کہ تو کفارہ ظہار ادا کر۔ تو انہوں نے کہا اس نے میری طرف جھوٹ منسوب کیا ہے میں نے اسے یہ حدیث بیان نہیں کی بلکہ مجھ تک تو یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تم صدقہ کرو صدقہ کرو۔ امام بخاری کتاب الضعفاء کے اندر عطاء خراسانی کو ذکر کیا ہے سلیمان بن حرب عن حماد سے ان کے متعلق اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۵ ص ۹۳)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث روایت صحیح نہیں ہے اس میں انقطاع ہے اور یہ حدیث منقطع ہے اور درایت بھی اس سے استدلال صحیح نہیں ہے وہ اس طرح کہ اگر یہ لوگ قوم نوح کے صالحین ہوں اور ان کی فرط محبت میں آ کر لوگوں نے ان کے بتوں کو تراش کر ان کی عبادت شروع کر دی حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک شب و روز اعلانیہ اور سرا انہیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلایا انہیں تو حید کا پیغام سنایا اور اپنی تمام توانیاں صرف کر دیں مگر وہ لوگ آپ کی اتباع کرنے پر آمادہ نہ ہوئے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ نبی کی اتباع تو نہ کریں ان کے ساتھ محبت کے بجائے نفرت و حقارت رکھیں اور انہیں طرح طرح کی دھمکیاں دیں ان کا استہزاء کریں اور صالحین کی محبت اور اطاعت کریں پھر فرط محبت میں ان کی عبودیت بجالائیں۔

اور پھر بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلی بیٹے تھے بعض میں آتا ہے کہ آپ کی اولاد میں سے تھے جس کی بنا پر یہ حدیث ناقابل اعتبار بن جاتی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے تو لکھا ہے کہ یہ بت ہندوستان میں تھے۔ اور طوفان نوح میں غرقاب ہو گئے تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۸۶۷ کتاب التفسیر سورۃ ۱۷ باب ۱) اب غور طلب امر یہ ہے کہ یہ بت اور یہ نام صدیوں بعد کس طرح عرب میں منتقل ہوئے جب کہ وہ صدیوں پہلے

ہندوستان ہی میں طوفان نوح میں غرق ہو گئے تھے اور ان کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ بنا بریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مشرکین عرب، ود، سواع، یعوق، نسر اور یغوث کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ ہاں وہ جن بتوں کی پوجا کرتے تھے وہ لات، منات، اور عزی وغیرہ تھے۔ اور یہ صالحین نہیں تھے۔

عرب لات منات اور عزی کی عبادت کرتے تھے:

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ "یعوق، ود، یغوث، سواع اور نسر بضر تسلیم اگر صالحین بھی ہوں تو بھی عرب ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ جن بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ لات، منات اور عزی وغیرہ بت تھے جن کی پرستش مشرکین عرب کیا کرتے تھے۔ سورہ نجم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے افرایتم اللات والعزی ومنات الاخری (النجم ۲۰) ترجمہ: (اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات وعزی کے بارے میں، اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے۔

لات بنی ثقیف، عزی قریش و بنی کنانہ اور منات بنی ہلال کا معبود تھا۔ بقول بشام منات ہذیل و خزاعہ کا معبود تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جنہوں نے اسے منہدم کیا۔ لات یہ منات سے نیا اور بعد میں بنایا گیا تھا۔ یہ بنی ثقیف کا معبود تھا۔ اور طائف کے بائیں طرف واقع تھا جس پر عمارت بنائی گئی تھی پورے عرب والے اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ یہ اس وقت تک یونہی رہا جب کہ بنی ثقیف اسلام لائے پھر حضور ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا۔ جنہوں نے اسے منہدم کیا۔ اور عزی یہ لات کے بعد بنایا گیا تھا یہ وادی خلتہ الشامیہ میں ذات عرق کے اوپر واقع تھا اس پر ایک عمارت بنائی گئی تھی اور وہ اس سے آواز سنتے تھے۔ ابن بشام نے ابن ابی صالح از ابن عباس روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا عزی شیطان ہے۔ اور وطن خلتہ میں تین بول کے درخت تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو خالد بن ولید کو بھیجا اور فرمایا آپ وطن خلتہ جائیں اس میں تین بول کے درخت ہیں ان میں سے پہلے کو کاٹ دیں آپ آئے اور اسے کاٹ دیا جب واپس حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو فرمایا لیا آپ نے وہاں



کوئی چیز دیکھی، انہوں نے عرض کی نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا دوسرے کو جا کر کاٹ دو۔ وہ آئے اور دوسرے کو بھی کاٹ دیا پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا وہاں کوئی چیز دیکھی تو انہوں نے نفی میں جواب دیا حضور ﷺ نے فرمایا تیسرے کو بھی کاٹ دو آپ آئے تو اسے بھی کاٹ دیا اچانک آپ کے سامنے ایک جشن برہنہ بال بکھیرے ماتم کرتے اور چلاتے ہوئے ظاہر ہوئی اس کے پیچھے دیہ سلمی تھا جو اس کا دربان تھا تو اس نے کہا یا عزی کفرانک لا سبحانک انی رایت اللہ اهانک

پھر آپ نے اسے ایک ضرب لگائی اور اس کے سر کو پھاڑ دیا تو وہ ایک کونکہ کی طرح ہو گئی اور دیہ دربان کو بھی قتل کر دیا پھر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اس کی خبر دی حضور ﷺ نے فرمایا یہ عزی تھی اب اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن جزء ۷ ص ۷۵ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۲۳ سیرت ابن کثیر ج ۳ ص ۵۹۷)

مناۃ مشلل کے مقام پر ان کا ایک بہت بڑا بت تھا اوس دختر رج اور غسان کے قبائل اس کی پوجا کیا کرتے تھے سرکارِ دو عالم ﷺ نے سعد بن زید الاشہلی کو بیس سواروں کے ساتھ روانہ کیا تا کہ منات کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اس کے پاس بھی اس کا ایک خادم موجود تھا اس نے حضرت سعد سے پوچھا آپ کیسے آئے ہیں آپ نے فرمایا میں تمہارے اس جھوٹے خدا کو گرانے آیا ہوں اس نے کہا تم جانو اور وہ جانے میں مداخلت نہیں کروں گا چنانچہ وہ ایک طرف ہو گیا۔ حضرت سعد منات کی طرف چل پڑے وہاں سے ایک کالی عورت نکلی اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ واویلا کر رہی تھی اور سینہ کوبی کر رہی تھی اس کے نوکر نے کہا اے منات یہ ہیں تیرے نافرمان حضرت سعد نے اس عورت پر وار کیا اور اسے قتل کر دیا پھر اپنے مجاہدین کے ساتھ اس بت کے پاس آئے اور اسے گرا کر پیوند خاک کر دیا۔ (☆ مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی ج ۳ ص ۴۹۱ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسير ج ۲ ص ۸۴ اضاء النبی ج ۲ ص ۹۳۸)

معلوم ہوا کہ عرب صالحین کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ بفرمان خداوندی خود ساختہ ناموں کی عبادت کرتے تھے جن پر ان کے پاس من جانبِ رحمن کوئی دلیل و برہان موجود نہ تھی ان



ہی الا اسماء سمیتموھا نہیں ہیں یہ مگر نام جو تم نے رکھ دیئے ہیں۔ یعنی یہ بات لات، منات اور عزی جیسے مختلف ناموں سے جنہیں تم موسوم کرتے ہو ان کا کوئی بھی مسمی نہیں ہے۔

علامہ قرطبی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں ای من دون اللہ الا ذوات اسماء لامعانی لھا سمیتموھا من تلقاء انفسکم و قیل عنی بالاسماء المسمیات ای ماتعبدون الا اصناما لیس لھا من الالہیۃ شینی الا الاسم لانھا جمادات

یعنی من دون اللہ صرف اسماء ہیں جن کے کوئی معانی (مسمیات) نہیں ہیں یہ نام تم نے اپنی جانب سے رکھ لئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسماء سے مراد مسمیات ہیں یعنی تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو ان میں سوائے نام الوہیت کے باقی کوئی چیز نہیں ہے کیوں کہ یہ جمادات ہیں۔ (☆ الجامع لاحکام القرآن جزء ۹ ص ۱۳۴ سورۃ یوسف ۴۰)

علامہ شوکانی لکھتے ہیں ”اتجاد لونی فی اسماء“ یعنی ان بتوں کے نام وہ عبارت کرتے تھے۔ وہ اسماء ہیں کیونکہ انکے مسمیات کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ ان کو الوہیت سے مسمی کرنا باطل ہے گویا کہ وہ معدوم ہیں ان کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ صرف انکے نام ہیں اور ”سمیتموھا انتم و ابائوکم“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی تم نے یہ نام اپنے معبودوں کے اپنی جانب سے رکھے ہیں اور تمہارے آباؤ واجداد نے انکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲۰ سورۃ اعراف: ۷۱)

علامہ ابن جریر طبری اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں ”کیا تم ان ناموں کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو جو تم نے بتوں کے رکھے ہیں اور تمہارے آباؤ واجداد نے جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر۔“ و ما نزل اللہ بہا من سلطن“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں انکی عبادت میں تمہارے لئے کوئی دلیل نہیں رکھی جس سے تم حجت پکڑو اور نہ اس میں کوئی عذر ہے جس سے تم معذرت کرو۔ کیونکہ عبادت اسکی کی جاتی ہے جو نفع و ضرر پہنچا سکتا ہو اطاعت پر اجر اور معصیت پر عقوبت کا مالک ہو۔ رزق عطا کرتے اور روکنے والا ہو۔ پتھر، لوہے اور پیتل میں سے جمادات سے نفع و ضرر میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہیں سوائے اس کے کہ ان سے کوئی ہتھیار بنایا جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو

چھوڑ کر انکی عبادت کرتا ہے اس کیلئے اس عبادت میں کوئی حجت نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۲۸۰ سورۃ اعراف: ۷۱)

علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں ای الفاظ فارغة لا مطابق لها فی الخارج لان  
مالیس فیہ مصداق اطلاق الاسم علیہ لا وجود له اصلا فكانت عبادتهم لتلك  
الافاظ فقط

یعنی یہ صرف نام ہیں جو فارغ ہیں خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے کیوں کہ جس  
اسم کے اطلاق کا مصداق نہ ہو اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوا کرتا پس ان کی عبادت صرف ان  
الفاظ کی تھی۔ (☆ روح المعانی جزء ۱۲ ص ۳۶۸ سورۃ یوسف ۴۰)

سورۃ نجم کے تحت لکھا کہ تم نے ان کے اسماء (نام) رکھے ہیں پس تحقیق اسم اور مسمی  
کے درمیان نسبت ہوتی ہے جب اسم کی طرف قیاس کیا جائے تو اس کا معنی ہوگا کہ اسے مسمی کا اسم  
بنایا گیا ہے اور اگر مسمی کا اندازہ کیا جائے تو اس کا معنی ہوگا کہ اسے اسم کا مسمی بنا گیا ہے۔ یہاں  
پہلا معنی قطعی طور پر اختیار کیا گیا ہے کیوں کہ جن کا نام انھوں نے الہ رکھا ہے یہ صرف اسماء ہیں ان  
کے مسمیات قطعی طور پر نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ماتعبدون من دونه الہة الا اسماء  
(یوسف ۴۰) نہ یہ کہ ان کے مسمیات تو ہیں تسمیہ کے مستحق نہیں ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسماء  
ثلاثہ مذکورہ کے لئے ہے کہ ان کا اطلاق ان بتوں پر کیا کرتے تھے۔ کیوں کہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہ  
عبادت کے مستحق ہیں اور عزت کے حقدار ہیں اور قرب حاصل کرنے والوں کے قرب کے مستحق  
بھی۔ اس کا تعاقب کیا گیا ہے کیوں کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ان اسماء مذکورہ کی دلالت بتوں کے  
لئے ان مخصوص معانی کے ثبوت پر ہے تو پھر معانی کے ان سے سلب کرنے میں کوئی زیادہ فائدہ  
نہیں ہے۔ بلکہ یہ فائدہ تو ان سے الوہیت کے سلب کرنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ ان  
کا مشہور فاسد گمان تھا جو تمام بتوں کے حق میں علی وجہ البرہان تھا تو یہ وصف کا انتفاء بطریق اولیٰ  
ہوگا یعنی یہ کوئی بھی چیز نہیں ہیں سوائے ایسے ناموں کے جو مسمیات سے خالی ہیں۔

(☆ روح المعانی جزء ۱۲ ص ۲۷۸ سورۃ النجم آیت ۲۰)

سورة اعراف میں ہے حضرت ہود علیہ السلام نے مشرکین سے فرمایا تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو وہ صرف اسماء ہیں جیسے مذکور ہوا۔ اگر وہ اسماء نہ ہوتے انبیاء، صلحاء و شہداء ہوتے تو جواباً مشرکین خاموشی اختیار نہ کرتے اسی طرح سورة یوسف میں جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ساتھی قیدیوں کو تبلیغ کی تو آپ نے بھی فرمایا کہ یہ بت اسماء ہیں (یوسف: ۴۰)

اسی طرح سورة نجم میں جب یہ آیت نازل ہوئی ”ان ہی الا اسماء سمیتوہا انتم و ابائوکم“ (نجم: ۵۳)

اگر یہ بت صلحاء و شہداء اور اولیاء اللہ کے ہوتے تو وہ ضرور کہتے کہ یہ فلاں فلاں ہستی کا بت ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ صرف نام ہی تھے جو شیطان نے انکی طرف القاء کئے تھے جنکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس کے باوجود اگر معاندین و مخاصمین اپنی بات پر بضد ہیں تو ہم ان سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ آج کل ہندو کن بزرگوں، انبیاء و شہداء اور اولیاء اللہ کی عبادت کرتے ہیں؟ کیا وہ صرف دھاتوں کی ہاتھوں سے تراشیدہ موتیوں کی عبادت نہیں کرتے؟ جو صرف نام ہی نام ہیں جو شیطان نے القاء کئے ہیں۔ یا آپ لوگ انہیں بھی انبیاء، صلحاء و شہداء کا درجہ دینے کیلئے تیار ہیں؟ انہیں اور مسلمانوں کو ایک صف میں کھڑا کرنے کیلئے بے تاب ہیں؟ تعصب، ہٹ دھرمی اور انا کی تسکین بھی کتنی پُر فریب ہوتی ہے جو حق کو سمجھنے اور اسے اختیار کرنے اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے اجتناب کرنے نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے اور دین کی فہم و فراست عطا فرمائے۔  
بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

معلوم ہوا کہ عرب صرف اسماء یعنی ایسے ناموں کی عبادت کیا کرتے تھے جو خود ان کے ساختہ اور رکھے ہوئے تھے ان کے مسمیات ہی نہ تھے چہ جائیکہ وہ انبیاء کرام، صلحاء امت اور شہداء و اولیاء کرام ہوں۔



## عرب در حقیقت شیاطین کی عبادت کرتے تھے:

جیسا کہ مذکور ہوا عرب نہ تو اصحاب قبور کی عبادت کرتے تھے اور نہ ہی انبیاء، اولیاء شہداء اور صالحین کی عبادت کا کوئی تصور ان کے ہاں تھا۔ بلکہ وہ خود ساختہ ناموں اور شیاطین و بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے انہیں کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکاتے اور انہیں سے اپنی من مانگی مرادیں چاہتے۔

اسی حقیقت کو قرآن نے بایں الفاظ ذکر فرمایا

ان يدعون من دونه الا اناثا وان يدعون الا شيطان مريدا (سورة النساء: ۱۱۷)

ترجمہ: وہ عبادت نہیں کرتے اللہ کے سوا مگر بتوں کی اور وہ نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطن کی۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ آیت اہل مکہ کے مشرکین کے حق میں نازل ہوئی جو بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اناثا سے مراد بت ہیں یعنی لات، مناة اور عزی ہر قبیلے کا ایک بت ہوا کرتا تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے انٹی بنی فلان یہ حسن بصری اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے اور ہر بت کے ساتھ ایک شیطان ہوتا تھا جو کانہوں دربانوں اور خادموں کو دکھائی دیتا تھا اور ان کے ساتھ گفتگو کیا کرتے تھے۔ (☆ الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵ النساء: ۱۱۷)

علامہ ابن کثیر ابن ابی حاتم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ابی بن کعب نے ان يدعون من دونه الا اناثا کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر بت کے ساتھ ایک شیطان ہے جس کی وہ عبادت کیا کرتے ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ اناثا سے مراد بت ہیں اور یہی ابو سلمہ بن عبد الرحمن، عروہ بن زبیر، مجاہد، ابو مالک، سدی اور مقاتل سے بھی مروی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے ابن جریر عن ضحاک سے اس کی تفسیر میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ مشرکین نے ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا تھا کہ ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ ہمیں اس کا قرب بخشیں اور ملائکہ کو اللہ کی بیٹیوں کے ساتھ تشبیہ دی تھی۔ یہ قول بھی روایت کیا ہے کہ اس سے مراد مردہ ہیں جن میں روہیں نہیں ہیں۔ یا وہ خشک لکڑیاں یا پتھر ہیں اور اسے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر بہت غریب ہے۔ (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵۵/۵۵۶ سورة النساء: ۱۱۷)

یہی وہ شیاطین تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے کہ وہ عورتوں کی عبادت کرتے ہیں

اور سرکش شیاطین کی جو انہدام اصنام کے بعد ان سے اپنے بال بکھیرے ماتم کرتے ہوئے اور واویلا کرتے ہوئے کالی جشن کی طرح نکلی تھیں اور صحابہ کرام نے انہیں قتل کر دیا تھا۔

اگر یہ صالحین ہوتے جن کی عبادت کی گئی تھی تو پھر وہ کالی عورتوں کے روپ میں انہدام اصنام کے وقت ہرگز نہ نکلتیں اور امام بخاری کی روایت میں لات کا ایک ایسا شخص ہونا بیان ہوا ہے جو حاجیوں کے لئے گھی ملاستویا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ ۵۳ باب ۲ حدیث نمبر ۴۸۵۹)

اس کا صالح ہونا درایت باطل ہو جاتا ہے کہ اگر وہ صالح ہوتا اور پھر اس کی عبادت کی گئی ہوتی تو وہ کالی عورت کی شکل میں اس بت کے انہدام کے وقت کیوں کر ظاہر ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ صالحین کی عبادت نہیں کی گئی بلکہ درحقیقت شیاطین کی عبادت کی گئی اور اسی کے حکم سے یہ بت بنائے گئے ان کے من پسند نام تجویز کئے گئے اور پھر ان ناموں کی عبادت کی گئی۔

قاضی شوکانی نے لکھا ہے واحدی وغیرہ نے کہا عرب بتوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم سے نام مشتق کرتے تھے۔ پس انہوں نے اللہ سے لات اور عزیز سے عزی مشتق کیا اور منہ کو منی اللہ لشی جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مقدر کرے سے مشتق کیا۔

(فتح القدیر ج ۴ ص ۱۶ سورۃ نجم: ۲۰، الجامع الکام القرآن ج ۷ ص ۴۰ سورۃ نجم: ۲۰)

علامہ ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں لات، اللہ سے لیا گیا ہے اس کے آخر میں تاء کا اضافہ کیا گیا اور اسے مؤنث بنایا گیا جیسے عمر سے عمرۃ، عباس سے عباسہ۔ اسی طرح مشرکین نے اپنے بتوں کے نام اللہ تعالیٰ کے ناموں پر رکھے۔ حالانکہ اس کے اسماء اس سے پاک ہیں۔ پس انہوں نے اللہ سے لات، عزیز سے عزی کہا اور یہ گمان کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس (بیہودہ گوئی) سے پاک ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا اے یہ گمان کرنے والو کہ لات، منۃ اور عزی اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ”اَلْکَم الذَّکْرُ وَالْاُنْثٰی“ کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں جن کو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اور بیٹیوں کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹیاں بناتے ہو۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۷۳ جز ۲ سورۃ نجم: ۲۰)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک انسانثا سے مرابت ہیں انہیں انسانثا اس لئے کہا گیا کیوں کہ عربوں کا گمان یہ تھا کہ یہ مؤنث ہیں اور انہیں مؤنث کے



ناموں سے ہی موسوم کیا کرتے تھے جیسے لات، منات، عزی وغیرہ اور کہتے رہے بنی فلان وانشی بنی فلان جیسا کہ عبد اللہ بن احمد نے زوائد مسند میں اور ابن منذر و ابن ابی حاتم نے ابی ابن کعب سے روایت کیا ہے کہ آپ نے الا انشا کی تفسیر میں کہا کہ ہر بت کے ساتھ ایک شیطانہ ہوتی ہے یا اس لئے انہیں مؤنث کیا گیا کیوں کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف اسماء ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا پس انہیں مؤنث ان کے اسماء کے اعتبار سے کہا گیا۔ (☆ تفسیر مظہری ج ۲ ص ۲۳۷ سورۃ النساء: ۱۱۷)

اساف اور نائلہ صفا اور مردہ کے مقام پر نصب کئے ہوئے بت تھے، علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اساف اور نائلہ مرد اور عورت تھے جو کانہ کعبہ میں بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے اللہ تعالیٰ نے انہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا۔ حضرت عائشہ سے بھی یہی مروی ہے۔ واقدی سے روایت ہے کہ جب نائلہ کو یوم فتح کو حضور ﷺ نے توڑنے کا حکم دیا تو اس سے کالی جھشن چہرہ نوچتے ہوئے تباہی و بربادی کی دہائی دیتی ہوئی نکلی۔ (سیرۃ ابن کثیر ج ۱ ص ۷۰)

معلوم ہوا کہ عرب صلحاء، شہداء، اولیاء اور انبیاء کی عبادت نہیں کرتے اگر کسی شخص کی عبادت بھی کی گئی ہے تو وہ بھی بدکاروں اور فساق و فجار کی نہ کہ مقربین خدا کی۔ یا آپ اساف اور نائلہ جیسے بدکار اور مغبوض خدا کی بھی انبیاء و اولیاء اور شہداء کی صف میں کھڑا کریں گے جنہوں نے خانہ کعبہ میں بدکاری کا ارتکاب کیا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انکی صورتوں کو ہی مسخ کر دیا۔ تعصب و ہٹ دھرمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اور خوف خدا کو دلوں میں کم از کم جگہ ضرور دینی چاہیے۔ اور اس روز کا تھوڑا سا خیال کرنا چاہیے جس دن عدل کامل ہوگا اور کوئی سفارش کام نہیں آئے گی۔ اس دن اگر انہیں صلحاء و اولیاء و شہداء اور انبیاء کرام نے جنہیں آج آپ بتوں اور بدکاروں سے مشابہ قرار دے رہے ہیں۔ گریبان سے پکڑ لیا تو کون آپ کو بچانے والا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر گامزن فرمائے اور انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور انکی محبت اور انکے ساتھ حسن عقیدت کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔



کیا اولئک الذین یدعون یتغون الی ربهم الوسیلہ سے مراد عیسیٰ و عزیز علیہما السلام ہیں؟

علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ ابن عباس اور قتادہ نے فرمایا اس سے مراد عیسیٰ، مریم، عزیز اور ملائکہ علیہم السلام اور شمس و قمر اور ستارے ہیں جن کا وہ مشرکین اپنے رب کے ہاں وسیلہ طلب کرتے تھے۔ (۱۶: معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۱۱ سورۃ بنی اسرائیل: ۵۷)

امام مسلم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اولئک الذین یدعون یتغون الی ربهم الوسیلہ سے مراد یہ ہے کہ جنات کا ایک گروہ اسلام آیا حالانکہ ان کی عبادت کی جاتی تھی اور جو لوگ ان کی عبادت کرتے تھے وہ ان کی عبادت پر ہی قائم رہے جب کہ وہ جنات اسلام قبول کر چکے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ عربوں کا ایک گروہ جنات کے ایک گروہ کی عبادت کیا کرتا تھا جنات اسلام لائے اور وہ لوگ جو ان کی عبادت کرتے تھے انہیں اس کا شعور ہی نہ تھا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(۱۶: صحیح مسلم کتاب التفسیر باب اولئک الذین یدعون یتغون الی ربهم الوسیلہ)

امام بخاری عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ کچھ جنات کی عبادت کیا کرتے تھے تو وہ جن جن کی عبادت کی جاتی تھی اسلام لائے اور وہ لوگ اپنے دین پر قائم رہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(۱۶: صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ ۷۱ باب انی قول ان الذین یدعون الی)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں علامہ ابن جریر طبری نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قول کو ترجیح دی ہے اور اسے اختیار کیا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان یتغون الی ربهم الوسیلہ سے ماضی کو تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ پس اس میں عیسیٰ و عزیز اور ملائکہ داخل نہیں ہو سکتے۔

(۱۶: تفسیر ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۷)

اس معنی کی تائید سورہ جن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

انه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن فزادوهم رهقا

ترجمہ: بے شک انسان میں سے کچھ لوگ جنات میں سے کچھ لوگوں کی پناہ طلب کرتے تھے پس انہوں نے انکے تکبر میں اضافہ کیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے کہا کہ رہقا سے مراد کفر ہے اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جنات سے استفادہ کفر و شرک ہے۔

(☆ الجامع لاحکام القرآن جزء ۱۹ ص ۱۰ سورۃ جن: ۷)

معلوم ہوا کہ اس سے مراد جنات ہیں نہ کہ عیسیٰ و عزیز اور ملائکہ ہیں اور عرب جنات کی عبادت کرتے تھے اور انہیں ہی وسیلہ بناتے تھے۔ آیت کا اگلا حصہ ان عذاب ربک کان محذورا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ عیسیٰ و عزیز اور ملائکہ مراد نہیں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ان الذین تدعون من دون الله عباد امثالکم۔

(الاعراف: ۱۹۳)

ترجمہ: تحقیق تم جن کی عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا وہ تمہاری طرح بندے ہیں۔

سے تمام مفسرین نے بت اور جنات ہی مراد لئے ہیں کہ یہ بت جن کی تم پوجا کرتے ہو اور ان کی عبادت بجالاتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بے بس ہونے اور مجبور ہونے میں تمہاری طرح ہیں اور اسی کی ملک میں ہیں نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں۔ بلکہ ان بتوں کا عجز تو تم سے بھی زیادہ واضح اور ظاہر ہے پس کس طرح تم ان کی عبادت کرتے ہو اس سے صلحاء اور انبیاء و اولیاء کرام کو مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ عبد کا اطلاق جس طرح انسان پر ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق ان تمام اشیاء پر ہوتا ہے جو کسی کی ملکیت میں ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ملک میں ہر شے ہے خواہ وہ انسان ہو یا جن، بت ہوں یا کوئی اور چیز غرض دنیا و مافیہا سب اللہ تعالیٰ کی عبد ہے اور اسی کے حکم کے سامنے طوعاً و کرہاً مسخر ہے اور اس کے سامنے عاجز و بے بس جیسے اللہ رب العزت کا یہ فرمان ہے۔ وان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمن عبداً (مریم: ۹۳)

ترجمہ: اور زمین و آسمان کی ہر چیز رُحمن کے پاس غلام بن کر حاضر ہوگی۔

یعنی قیامت کے روز ہر ایک اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اظہار کرتے ہوئے عاجزی و انکساری کے ساتھ حاضر ہوگا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عبد ہے ای السخلاق کلہم عبیدہ (۱۶۱ الجامع لاحکام القرآن جزء ۱۱ ص ۳۲ مریم ۹۳)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں یعنی جن و انس اور ملائکہ میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کا بندہ اور مملوک ہے اور بروز قیامت اللہ عز و جل ہی کی پناہ مانگتا اور اس کی قضاء و قید پر سر تسلیم خم کرنے کے ساتھ لے گا۔ (۱۶۱ روح المعانی جزء ۱۶ ص ۲۰۷ مریم ۹۳)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ عزیز علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت نہیں کی گئی۔ بفرض تسلیم اگر انکی عبادت کی بھی گئی تو نیک اور پارسا، نبی اور رسول سمجھ کر نہیں کی گئی بلکہ اللہ کا بیٹا اور خود اللہ سمجھ کر کی گئی۔ جیسے ان یہ قول عزیز بن اللہ اور یہ قول ثالث بن ثالث اللہ۔ یعنی حضرت عزیز علیہ السلام کی اگر عبادت کی گئی تو اللہ تعالیٰ کا بیٹا سمجھ کر عبادت کی گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و میرا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت اس اعتبار سے کی گئی کہ ان کے نزدیک تین خداؤں میں سے ایک خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اور پھر اہل مکہ عزیز و عیسیٰ علیہما السلام دونوں کے منکر تھے۔ سورۃ زخرف میں ہے ”ولما ضرب ابن مریئ مثلاً اذا قومک منه یصدون“ (زخرف: ۵۷)

جب ابن مریم علیہ السلام کی مثال پیش کی جاتی ہے تو آپ کی قوم شور و غل مچاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اہل مکہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہی نہ تھے۔ پھر آپ کی عبادت کیسے کرتے تھے۔ انکی عبادت اگر کرتے تھے تو عیسائی اور مکہ میں عیسائیوں کا کوئی وجود نہ تھا اور حضرت عزیز علیہ السلام کی بفرض محال اگر عبادت یہودی کرتے بھی تھے تو بھی وہ مکہ میں موجود نہ تھے۔ یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ انکی عبادت کا اعتقاد رکھنے والے موجود ہی نہ ہوں اور مراد وہ لئے جائیں۔ جبکہ بت پرست اور پتھروں اور دھاتوں وغیرہ سے تراشیدہ بتوں کے پجاری جو وہاں موجود تھے ان کو



نظر انداز کیا جائے۔ لامحالہ طور پر آیات قرآنیہ میں بتوں کے پچاریوں سے ہی خطاب ہے۔

اس آیت مقدسہ میں عبد کا اطلاق انسان کے علاوہ جنات اور ملائکہ بلکہ تمام اشیاء پر کیا گیا ہے۔ معلوم کہ من دون اللہ سے مراد جنات، شیاطین اور بت ہیں جن کی عبادت کی جاتی تھی۔ اور اس کا اطلاق اہل اللہ انبیاء کرام و شہداء و صلحاء امت پر کرنا خوارج اور اشرار خلق اللہ کا کام ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق کی بصیرت عطا فرمائے۔ آمین۔

**حضور ﷺ کی دلجوئی اور عظمت رسول:**

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس قوم سے واسطہ پڑا تھا وہ مشرک اور بت پرست تھے خدائے وحدہ لا شریک کو اپنا خالق و مالک اور معبود حقیقی تسلیم کرنے اور اس کی عبادت و بندگی بجا لانے کے بجائے ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں اور مورتیوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ان کی بندگی بجا لاتے، نذریں چڑھاتے، خون بہاتے اور ان کی رضا جوئی میں لگے رہتے۔ حضور ﷺ انھیں معبود حقیقی اور توحید خالص کی دعوت دیتے تو وہ آپ کو کبھی ساحر و جادوگر کہتے، کبھی کاہن اور کبھی شاعر کہہ کر آپ کی تکذیب کرتے یہ چیز آپ کے لئے بڑی کرب انگیز اور باعث رنج و الم تھی۔

لہذا سبوح و قدوس پروردگار عالم نے اپنے بندہ خاص اور محبوب حقیقی کی اس پریشانی اور دکھ کو دور کرنے اور آپ کو تسلی و تشفی دینے کے لئے فرمایا اے میرے محبوب آپ کو ان نابکاروں کے بے ہودہ الزامات کی طرف توجہ دینے اور اللہ تعالیٰ پر ان کے بہتان باندھنے پر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا پروردگار انھیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے وہ ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے ان کے خفیہ اور پوشیدہ ارادے اور ان کے دلوں میں مخفی بغض و عناد بھی اس کی نگاہوں کے سامنے ہے اور ان کے ظاہری اعمال اور حسد و دشمنی بھی اس کے علم میں ہے۔ جب آپ کا پروردگار سب کچھ جانتا ہے تو لازمی امر ہے کہ وہ آپ کے اور اپنے دشمنوں کو ان کے اعمال و افعال پر جزاء بھی دے گا جب ایسا ہے تو پھر آپ کو فکر مند ہونے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ اپنے کام کو دلجمعی اور لگن سے ادا کریں اور ان معاندین کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ اللہ جل مجدہ اپنے محبوب ﷺ کو ذرا سی بھی پریشانی اور دکھ میں مبتلا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا فوراً انھیں تسلی و تشفی دیتا ہے اور اپنی معیت کا احساس دلاتا ہے۔

بدء خلق سے بعث پر استدلال:

منکرین قیام قیامت کے لئے اعادہ اور بعث پر ابتدائے خلق کو بطور دلیل پیش کیا جا رہا ہے کہ بعث کو محال سمجھنے اور جسم کے مٹی کے ساتھ مل کر مٹی بننے کے بعد دوبارہ اس میں زندگی ڈالے جانے کو خلاف عقل سمجھنے والے اگر اپنی تخلیق پر ہی غور و فکر کریں کہ ان کی تخلیق ایک بوند پانی (نطفہ) سے ہوئی ہے بلکہ نطفہ کے اندر ہزاروں خلیوں میں سے کسی ایک خلیہ سے جس میں تخلیق کی صلاحیت ہوتی ہے سے اس کی پیدائش ہوئی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسے تخلیق کر کے صحت، جوانی، عقل، مال و دولت، عز و جاہ عطا کیا۔ اسے قوت گویائی عطا کی ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے کے بجائے وہ اس کی قوت و طاقت اور قدرت ہی کا انکار کرنے لگا ہے اور عدم بعث پر مناظرانہ انداز اختیار کیا ہے مگر مٹی سے مل کر مٹی ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کو خلاف عقل سمجھنے لگا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قوت اور قدرت سے اسے بعید سمجھتا ہے اگر ذرا غور و فکر سے کام لیتا اپنی تخلیق پر ہی بصیرت افروز نگاہ ڈالتا تو اس قسم کی حماقت کبھی نہ کرتا بلکہ اسے یقین کامل ہو جاتا کہ وہ ذات جو ایک حقیر پانی کی بوند میں موجود ہزاروں خلیہ سے ایک تند و مند، کامل و مکمل انسان پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے جو عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے وہ ذرات کو جمع کر کے ان کے اندر دوبارہ حیات ڈالنے پر بھی قادر ہے۔ اسی مضمون کو قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے سورہٴ مرسلات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْم نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ

ترجمہ: کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا پھر ہم نے اسے ایسا ایسا محفوظ جگہ میں (شکمہ ماور) ایک معین مدت تک۔ (المرسلات ۲۰-۲۲)

دوسرے مقام پر فرمایا انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج بتليہ، فجعلناہ سمیعاً بصیراً (الدھر ۲)

ترجمہ: بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے تاکہ ہم اس کو آزمائیں پس اس غرض سے ہم نے بنادیا اسے سننے والا دیکھنے والا۔

ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے:

والله خلقكم من تراب ثم من نطفة ثم جعلكم ازواجاً (فاطر: ۱۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں بنایا جوڑے جوڑے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالی شان:

هو الذي خلقكم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم يخرجكم طفلاً الخ (مومن/ ۶۷)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے پھر نکالا تمہیں (شکم مادر سے) بچہ بنا کر۔

سبب نزول:

آیت زیر بحث میں انسان سے مراد ہر وہ انسان ہے جو منکر بعث ہے اگرچہ سبب نزول شخص معین ہے کیوں کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص واقعہ کا۔ اس آیت کا سبب نزول بقول مفسرین کرام عبد اللہ بن ابی بن ابی خلف اور عاص بن وائل میں سے کوئی ایک یا سب کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آیا ہو۔

ابن جریر ابن منذر، ابن ابی حاتم، اسماعیلی نے اپنی "معجم" میں، حاکم نے تصحیح کے ساتھ، ابن مردویہ سے، بیہقی نے "بعث" میں اور ضیاء نے "المختارہ" میں ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عاص بن وائل رسول اللہ ﷺ کے پاس بوسیدہ ہڈی لے کر حاضر ہوا اور اسے اپنے ہاتھ سے ریزہ ریزہ کیا اور کہا اے محمد (فداہ ابی دانی) کیا اللہ تعالیٰ اس کو زندہ فرمائے گا اس کے بعد جو میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرمائے گا پھر تجھے موت دے گا پھر تجھے زندہ کرے گا پھر تجھے جہنم میں داخل فرمائے گا تو سورہ یس کی آخری پانچ آیات نازل ہوئیں۔ (۱۵۴ الدر المنثور ج ۷ ص ۷۴ سورۃ یس: ۷۷: تفسیر ابن ابی حاتم سورۃ یس: ۷۷ ص ۳۲۰۲)



ابن مرویہ کی روایت میں عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنے والا شخص ابی ابن خلف تھا اسی کو حضور ﷺ نے نیزہ سے غزوہ احد میں قتل کیا تھا اور یہی ابن مالک، مجاہد قتادہ، سدی اور عکرمہ وغیرہ سے مروی ہے۔ (☆ الدر المنثور ج ۷ ص ۷۶/۷۳ سورۃ یس: ۷۷ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۰۰ سورۃ یس: ۷۷ ابن ابی حاتم ص ۳۲۰۲)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول ابوہنبلہ میں بارے میں بھی مروی ہے:

ابن حبان نے ابن ابی خلف والے قول کو صحیح قرار دیا ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے علامہ آلوسی فرماتے ہیں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ان تمام کفار کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا ہو۔

(☆ روح المعانی ص ۷۹ ج ۳ سورۃ یس: ۷۷)

علامہ آلوسی بغدادی حنفی لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں انسان سے مراد جنس انسان ہے اور نصیم سے ہر وہ انسان مراد ہے جو منکر بعثت ہے والمراد بالانسان جنس و الخصیم انما هو الکافر المنکر للبعث مطلقاً (☆ روح المعانی ج ۲ ص ۷۹ سورۃ یس: ۷۷)

علامہ شوکانی لکھتے ہیں والانسان المذكور فی الآية المراد به جنس الانسان كما فی قوله اولا يذكر الانسان انا خلقناه من قبل ولم يك شيئا (مریم: ۶۷) ولا وجه لتخصيصه بانسان معين (☆ تفسیر فتح القدیر جزء رابع سورہ یس: ۷۷)

ترجمہ: آیت میں مذکورہ انسان سے مراد جنس انسان ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں "کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پیدا کیا اس سے قبل وہ کچھ بھی نہ تھا" اور اسے کسی انسان سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

بشر بن حجاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہتھیلی پر پانی کا قطرہ ڈال کر اس پر انگلی مبارک رکھی پھر آپ ﷺ نے فرمایا قال اللہ تعالیٰ یا بنی ادم اتعجزونی وقد خلقتک من مثل هذا حتی اذا سویتک و عدلتک مشیت بین یردیک وللارض منک ونید فجمعت و منعت حتی اذا بلغت التراقي قلت اتصدق وانی او ان الصدقة؟ ورواہ ابن ماجہ عن جریر بن عثمان بہ (☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۰۰ سورہ یسین: ۷۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بنی آدم کیا تو مجھے عاجز کرے گا حالانکہ میں نے تجھے اس قطرہ کی مثل سے پیدا فرمایا ہے یہاں تک کہ میں نے تجھے پورا اور معتدل بنایا اور تو اپنے کپڑوں میں اتر اتر کر چلتا ہے زمین تجھ سے نالاں ہے تو نے مال جمع کیا اور اسے روکے رکھا یہاں تک کہ تیرا دم تیرے حلقوم تک آ گیا تو تو نے کہا کہ میں اب صدقہ کروں گا حالانکہ اب صدقہ کا وقت کہاں ہے اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

### تخلیق انسانی سے بعث پر استدلال:

منکرین بعث کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جا رہا ہے اور تخلیق انسانی کو بطور دلیل پیش کیا جا رہا ہے کہ جس خالق و مالک اور قادر کی حکمت و قدرت کے ساتھ نطفہ قدرہ میں موجود ایک جرثومہ سے انسان کی پیدائش ہوئی۔ نطفہ، علقہ، مضغہ اور جنین کے مختلف ادوار سے گزر کر جب ایک مکمل انسان کے روپ میں پیدا ہوا پھر پرورش پا کر عالم شباب میں قوت و طاقت، حسن و جوانی اور عقل و خرد اور نطق جیسے اوصاف سے مزین ہوا اگر یہ ناہنجار اپنی اس تخلیق پر ہی غور و فکر کرتا تو قیامت کا انکار نہ کرتا۔

### منکرین بعث کی دو اقسام:

منکرین قیام قیامت، بعث کا انکار اس کے مستبعد ہونے کی وجہ سے کرتے تھے۔ کچھ تو وہ افراد تھے جو صرف اسے بعید سمجھ کر ہی انکار کرتے کوئی دوسرا شبہ یا دلیل بیان نہ کرتے اور یہ اکثریت منکرین بعث تھے۔ جب کہ بعض وہ افراد تھے جو اس کو بعید سمجھنے کے ساتھ شبہات بھی بیان کرتے۔

### پہلا گروہ:

پہلے گروہ کی حکایت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔

قالوا انذا ضللنا فی الارض اننا لفی خلق جدید (السجدة: ۱۰)

ترجمہ:- اور کہنے لگے جب (مرنے کے بعد) ہم گم ہو جائیں گے زمین میں تو کیا ہم از سر نو پیدا کئے جائیں گے۔

انذا متنا و کنا ترابا و عظاما اننا لمبعوثون (الصفت: ۱۶)

ترجمہ:- کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

اسی طرح قال من یحیی العظام وہی رمیم (یس: ۷۸)

کہا کون ہے جو ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔

اس استبعاد کا رد پہلے "نسی خلقہ" سے کیا گیا یعنی انسان تو اپنی تخلیق کو ہی بھول گیا

تب ہی تو وہ خالق کائنات کے لئے دوبارہ زندہ کرنے کو بعید سمجھنے لگا ہے اگر وہ اپنی تخلیق کو نہ

بھولتا تو وہ اس قسم کا شبہ نہ کر سکتا۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه اللہ تعالیٰ کی معرفت اس

کی قوت و طاقت اور قدرت و حکمت اور اپنی تخلیق پر غور و فکر کرنے سے بخوبی سمجھ آ جاتی ہے کہ

انسان کو اس نے نطفہ سے پیدا کیا اور پیشانی سے لے کر پاؤں تک اس کے اعضاء مختلف صورت و

اقدام کے بنائے اور اسے عقل و نطق عطا کر کے صاحب کرامت و شرافت بنایا اگر وہ استبعاد کی

بنیاد پر معاد کے منکر ہیں تو پھر نطفہ سے عاقل و ناطق انسان کی تخلیق کو کیوں بعید نہیں سمجھتے۔ جب

اس کو بعید نہیں سمجھتے تو پھر معاد کو بھی بعید نہیں سمجھنا چاہئے نطق و عقل کو اپنے محل کی طرف دوبارہ

لوٹنا بھی بعید نہیں ہے۔

اور جو افراد اجزاء کے بکھر جانے اور گل سڑ جانے کی وجہ سے معاد کو بعید سمجھتے ہیں جیسے

ان کا یہ قول من یحیی العظام وہی رمیم (یس: ۷۷) اس آیت میں ہڈی کو بالخصوص اس وجہ

سے ذکر کیا کیوں کہ اس میں احساس نہیں ہوتا۔ اس شبہ کا ازالہ من حیث القدرت اور علم کیا اور

فرمایا و ضرب لنا مثلا یعنی وہ ہماری قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرنے لگا ہے اور اپنی ٹیب و

غریب تخلیق کو بھول گیا ہے۔



دوسرا گروہ:

بعض وہ افراد ہیں جنہوں نے استبعاد کے ساتھ شبہ کا بھی ذکر کیا ان کے اس شبہ کی دو صورتیں ہیں۔

اولا:۔ عدم کے بعد تو کوئی چیز باقی نہیں رہتی پھر معدوم چیز پر کس طرح حکم وجود لگایا گیا ہے؟ اس شبہ کا ازالہ قل یحییہا الذی انشاہا اول مرة سے فرمایا۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وقت پیدا کیا جب وہ شے مذکور بھی نہ تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ دوبارہ اسے پیدا فرما کر اس میں روح لوٹائے گا جب وہ شے مذکور نہ ہوگا۔

ثانیا:۔ وہ شخص جس کے اجزاء مشرق و مغرب میں بکھر جائیں یا جس کو درندے کھالیں اور اس کے اجزاء درندوں کے پیٹوں یا پرندوں کے پوٹوں میں چلے جائیں۔ اور اس سے بھی بعید صورت جب کسی انسان کو مثلاً کوئی دوسرا انسان کھا لے اور اس کے اجزاء اکل کے اجزاء بن جائیں تو اس صورت میں اگر اکل کے اجزاء کو جمع کیا جائے تو ماکول کے اجزاء اور اگر ماکول کے اجزاء کو جمع کیا جائے تو اکل کے اجزاء باقی نہیں بچیں گے۔ اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا دھو بکل خلق علیم۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے کچھ اجزاء اصلیہ ہوتے ہیں او کچھ فصلیہ اکل کے وہ اجزاء جو مثلاً اس انسان کے کھانے سے قبل تھے وہ اس کے اجزاء اصلیہ ہیں اور وہ انسان ماکول اس کے اجزاء فصلیہ بن جائیں گے۔ لہذا اللہ تعالیٰ جب اکل کے اجزاء کو جمع کر کے اس میں روح ڈالے گا تو اس کے اجزاء اصلیہ کو جمع فرمائے گا اسی طرح انسان ماکول کے اجزاء اصلیہ کو جمع کر کے اس میں روح پھونکے گا علیٰ ہذا القیاس وہ افراد جن کے اجزاء مشرق و مغرب میں بکھرے ہوں گے۔

(☆ تفسیر کبیر ج ۹ ص ۹ زیر آیت: ۷۸ تا ۷۶)

حاشیہ خفاجی میں ہے کہ فارابی کہا کرتا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ کاش ارسطو اللہ تعالیٰ کے اس قول قل یحییہا الخ میں قیاس جلی پرواقف ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے ہڈیوں کو پیدا فرمایا ان میں حیات پہلی مرتبہ ڈالی اور ہر وہ ذات جو پہلی بار کسی چیز کے انشاء پر قادر ہے وہ

دوسری بار بھی اس چیز کے انشاء و احیاء پر قادر ہے پس اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہڈیوں کو ان کے قویٰ کے ساتھ دوبارہ انشاء و احیاء پر قادر ہے۔ (۵۶ روح المعانی ج ۲ ص ۸۱ لیس ۷۹)

اس آیت میں صحت قیاس پر بھی دلیل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین بعث کے لئے انشاء اول کو بطور دلیل پیش کیا۔

اور انشاء ثانی کا حکم انشاء اولیٰ پر مرتب کیا یعنی جس ذات نے پہلی بار پیدا کیا وہی دوبارہ روح ڈال کر زندہ کرے گا۔ جو تخلیق اول پر قادر ہے وہ ثانی پر بدرجہ اولیٰ قادر ہوگا۔

صحیحین میں عبد الملک بن عمیر سے الفاظ کثیرہ سے یہ روایت مروی ہے ان میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان رجلا حضرہ الموت فلما یس من الحیاة اوصی اہلہ اذا انامت فاجمعوا الی حطبہ کثیرا جزلا ثم اوقدوا فیہ نارا حتی اذا اكلت لحمی و خلصت الی عظمی فامت حشمت فخذوها فذوقوها فیذروا نصفہ فی البر و نصفہ فی البحر فی یوم رائج ففعلوا ذالک فامر اللہ البحر فجمع ما فیہ و امر البر فجمع ما فیہ ثم قال له کن فاذا هو رجل قائم فقال له ما حملک علی ما صنعت؟ قال مخافتک و انت اعلم فما تلاقاہ ان غفر له۔

(بخاری کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)

ایک آدمی کی موت کا وقت جب قریب ہوا اور وہ زندگی سے مایوس ہوا تو اس نے اپنے اہل کو (دوسری روایت میں ہے اپنے بیٹوں کو) وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو تم میرے لئے بہت سی لکڑیاں جمع کر کے مجھے اس میں جلاتا جب میرا گوشت جل جائے اور ہڈیاں راکھ بن جائیں تو میرے جسم کو راکھ میں سے نصف راکھ کو سمندر میں اور نصف کو خشکی میں سخت ہوا کے دن بکھیر دینا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو اس نے اس تمام راکھ کو جمع کیا یونہی خشکی کو حکم دیا اس نے بھی سب کچھ جمع کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کن ہو جا تو اچانک وہ ایک کھڑا آدمی تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ تجھے اس بات پر کس نے ابھارا اس نے عرض کی تیرے خوف کی بنا پر میں نے ایسا کیا اور تو خوب جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

## بعث پر ضد سے ضد کے خروج سے استدلال:

منکرین بعث کو بتایا گیا کہ حشر کو مستبعد خیال نہ کرو۔ کہ راکھ اور مٹی سے کیوں کر زندگی نمودار ہوگی۔ کیوں کہ تم اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنی آنکھوں سے ایسی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہو جو خالق کائنات کی قدرت و حکمت اس کی صنعت گری اور وحدانیت کا منہ بولتی ثبوت ہیں۔ انھیں حقائق میں سے ایک حقیقت جس کو تم اپنی نگاہوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد اس میں غور و فکر کرنے اور اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا اندازہ کرنے سے قاصر رہتے ہو سرسبز و شاداب درخت سے آگ کا پیدا کرنا ہے۔ اس بات سے تم بخوبی آگاہ ہو کر سرسبز درخت کی تروتازگی اس میں موجود پانی کی وجہ سے ہے، پانی اور آگ باہم متضاد ہیں اگر پانی کا بس چلے تو آگ کو بجھا دے اور آگ کا بس چلے تو پانی کو بخارات میں تبدیل کر کے اسے خشک کر دے لیکن اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی بنا پر اس نے آگ و پانی کو درخت کے اندر کمال حکمت سے یکجا کر دیا ہے۔ جو ذات آگ و پانی دو متضاد اشیاء کو جمع کر سکتا ہے بلکہ ایک ضد کو دوسری ضد سے نکال سکتا ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی کو بھی لوٹا سکتا ہے۔

کفار یہ کہا کرتے تھے کہ نطفہ چونکہ گرم اور تر ہوتا ہے اس کی طبعی حالت زندگی کے موافق ہے لہذا نطفہ سے زندگی تو پیدا کی جاسکتی ہے جب کہ بوسیدہ ہڈیاں ٹھنڈی اور خشک ہوتی ہیں ان کی طبعی حالت موت سے ہی موافقت رکھتی ہے لہذا ان میں دوبارہ زندگی کا لوٹایا جانا مستبعد ہے۔ کفار کے ان شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پانی سے آگ نکالنے پر قادر ہے اور اس کا تم بخوبی مشاہدہ بھی کرتے ہو جب ضد سے ضد کو نکالنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے تو بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی ڈالنا اس کے لئے مشکل نہیں ہے۔

عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ اس سے مراد دو درخت ہیں ایک کو مرخ اور دوسرے کو عنار کہا جاتا ہے جب عربوں میں کوئی ان سے آگ جلانا چاہتا تو ان سے مسواک کے برابر دو شاخیں کاٹتا اور یہ دونوں سرسبز ہوتیں۔ ان میں سے ایک کا پانی دوسرے پر انڈیلتا۔ پھر مرخ



کو عنار پر گرگڑتا تو ان سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ نکلتی عرب کہتے کل شجر نار واستمجد المرخ والعفار یعنی ہر درخت میں آگ ہے مگر مرخ اور عنار میں زیادہ ہے حکماء نے کہا ہے کہ ہر درخت میں آگ ہے سوائے عناب کے۔ (تفسیر بغوی ص ۲۲۷ ج ۵ سورۃ یس ۸۲)

بعض علماء نے شجر سے مراد جنس شجر لی ہے یعنی تم اپنی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہو کہ سرسبز و شاداب درخت کو کاٹ کر جب اس کی گیلی لکڑی میں آگ لگا دی جائے تو اس میں آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں اور یہ صلاحیت اللہ تعالیٰ نے اس میں شمس توانائی کے باعث رکھی ہے باوجود یہ کہ اس میں پانی موجود ہوتا ہے اور پھر خشک ہونے پر بھی یہ صلاحیت اس میں کم نہیں ہوتی بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اسی معنی کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے افرایتم النار التي توعدون ء انتم انشأتم شجرتھا ام نحن المنشئون کیا تم نے اس آگ کو دیکھا ہے جس کو تم جلاتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو اگایا ہے یا ہم اس کو اگانے والے ہیں۔

لیکن پہلا معنی ہی میرے نزدیک رائج ہے۔ کیوں کہ اس کے ساتھ اخضر کی صفت بھی ذکر کی گئی ہے اور اسے اپنی قدرت کی دلیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ انسان حقائق کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کی گہرائی میں اتر کر نظر بصیرت سے ان حقائق کو جانچنے اور موجودہ خالق تک رسائی حاصل کرنے سے غافل ہے۔ اگر وہ تعصب و ہٹ دھرمی اور غفلت سے بالا اتر ہو کر کائنات میں موجود براہین کو دیکھتا اور حق تک رسائی کی تڑپ اس کے دل میں موجود ہوتی تو وہ خالق کائنات کی تدبیر کے اسرار میں کھو کر ہمہ وقت تسبیح و تحمید میں مگن رہتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن کر مقربین خدا میں سے ہو جاتا اور اپنے جسم کے تروتازہ درخت میں عشق الہی کی آگ کو بھڑکاتا۔

(۶۶) زمین و آسمان کی تخلیق سے بعث پر استدلال:

منکرین بعث کے استبعاد کو ایک اور انداز سے دور کیا گیا کہ وہ خدا جو ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے سرسبز و شاداب درخت سے آگ پیدا کر سکتا ہے زمین و آسمان اور ان میں موجود

ستارے و سیارے، شمس و قمر، میدان، پہاڑ، دریا و صحراء اور دیگر عظیم الجثہ و قوی الہیکل و بدیع و غریب اشیاء کی تخلیق پر قادر ہے اس قادر و حکیم کے لئے ان کے مقابلے میں انسان جیسی حقیر و ذلیل اشیاء کی تخلیق چنداں مشکل نہیں ہے عقل بدیہی کا تقاضا ہے کہ جو ذات ان عظیم الشان اشیاء کی تخلیق پر قادر ہے وہ بدرجہ اولیٰ انسان کی تخلیق خواہ ابتداء ہو یا دوبارہ پر بھی قادر ہو اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بایں الفاظ بیان فرمایا۔

لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس (مومن/ عاف: ۵۷)

ترجمہ:- بے شک آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے۔

اور یہ فرمان اولم یروا ان اللہ الذی خلق السموات و الارض ولم یعی

بخلقهن بقادر علی ان یحیی الموتی بلی انہ علی کل شیئی قدير (الاحقاف: ۳۳)

ترجمہ:- کیا انھوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

بلی وهو الخلق العظیم سے خود ہی اللہ رب العزت نے جواب عطا فرمایا کہ

ہاں وہ ذات خلاق بھی ہے اور علیم بھی ہے اس کے لئے نہ تو ابتداء پیدا کرنا مشکل تھا اور نہ دوبارہ

ذرات کو جمع کر کے ان میں روح پھونکنا مشکل ہے بلکہ ہر چیز، ہر ذرہ اس کے علم محیط میں ہے

خلاق و علیم دونوں مبالغہ کے صیغہ ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی رقمطراز ہیں کہ بعض مفسرین نے اس سے

مراد کثیر المخلوقات و معلومات لی ہیں یعنی وہ خلق کے بعد خلق کو پیدا کرتا ہے اور ان کا علم بھی رکھتا

ہے۔ علامہ برہان رشدی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات جو مبالغہ کے وزن پر آتی ہیں ساری مجاز پر

محمول ہیں۔ کیوں کہ یہ مبالغہ کے لئے وضع کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں مبالغہ نہیں پایا

جاتا۔ کیوں کہ مبالغہ کسی چیز میں زیادتی کو ثابت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات صفت کمال میں غیر

متناہی ہیں ان میں مبالغہ ممکن ہی نہیں۔ اور اس لئے بھی کیوں کہ مبالغہ صفات میں کمی و زیادتی کا

فائدہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات اس سے منزہ ہیں۔ شیخ تقی الدین نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ علامہ زرکشی نے برہان التحقیق میں لکھا ہے مبالغہ کا صیغہ دو اقسام پر ہے۔ (۱) جس میں مبالغہ فعل کی زیادتی کی بنا پر ہو (۲) جس میں مفعولیت کی بنا پر زیادتی پائی جائے بلاشبہ ان کا تعدد علل کی زیادتی کو واجب نہیں کرتا۔ کیوں کہ بسا اوقات ایک فعل متعدد دین کی جماعت پر بھی واقع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات بھی اسی قسم پر ہیں اس طرح اشکال بھی ساقط ہو گیا۔ (روح البیان ج ۷ ص ۴۴ لیس ۸۱)

مقصود آیت یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تخلیق سے عاجز آ گیا۔ ہے نہ تھک ہار کر بیٹھ گیا ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر ہے وہ ہمہ وقت تازہ دم مخلوق پر مخلوق کو پیدا کئے جا رہا ہے۔ اور ان کے اجزائے ترکیبی تک کو اپنے علم محیط میں سمائے ہوئے ہے۔ جب چاہے گا ذرات کو جمع کر کے انھیں باہم ترکیب دے کر دوبارہ انسان کو کھڑا کر دے گا اور اس سے حساب و کتاب لے گا۔ اسے اپنے آپ پر قیاس کر کے عاجز و بے بس تصور کرنا کمال حماقت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

کن فیکون:

منکرین بعث کو اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنی بے بسی پر قیاس نہ کرو کہ اگر ایک چھوٹا اور معمولی سا کام بھی کرنا پڑ جائے اس کے لئے وقت، محنت، سرمایہ، مزدور، میٹرل اور کاریگروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی ایک چیز بھی پوری میسر نہ آئی تو سارا کام اور منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت اور صنعت گری کو ملاحظہ کرو۔ اسے ایک ادنیٰ اور حقیر کام سے لے کر ایک عظیم کام کے لئے ایک چھڑکی کی تخلیق سے لے کر زمین و آسمان، سورج، چاند، ستاروں، پہاڑوں، دریاؤں اور صحراؤں اور کہکشاؤں کی تخلیق اور ان کے اعدام کے لئے نہ تو وقت کی چنداں ضرورت ہے نہ کاریگروں اور صنعت گروں کی، سرمایہ کی حاجت ہے نہ میٹرل کی۔ بس جب کسی چیز کے اعدام یا وجود سے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ متعلق ہوا تو وہ چیز عدم سے وجود میں آ جاتی ہے اور وجود سے معدوم ہو جاتی ہے۔

سبحن اللہ! جب وہ عظیم ذات اتنی قدرت اور طاقت والی ہے کہ اس کے فقط لفظ کن



سے اتنے عظیم الشان امور صادر ہو جاتے ہیں تو اس ذات کو اپنے پر قیاس کرنا اور معاد کا انکار کرنا حماقت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ ایسی عظیم و برتر ہستی کی ہی بندگی کی جائے اور اسی کے سامنے سر بسجود ہو کر نیاز مندی اور سرافگندگی کا پورا پورا مظاہرہ کیا جائے اس کی مخالفت و مخالفت نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا کلام اصوات و حروف کا محتاج نہیں ہے:

ان يقول له كن سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام انسانوں کے کلام کی طرح ہے اور وہ یہ دو لفظی کن بولتا ہے۔ کیوں کہ یہ لفظ و حروف خود حادث ہیں تلفظ اور صوت کے محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ ازل سے متکلم ہے اور اس کا کلام لفظ اور اصوات کا محتاج نہیں ہے۔ علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں امر اپنی حقیقت پر محمول ہے الامر محمول علی حقیقته کما ذهب الیه محققوا ساداتنا الحنفیة واللہ تعالیٰ قد اجری سنتہ فی تکوین الاشیاء ان یکونہا بھذہ الکلمۃ وان لم یمتنع تکوینہا بغيرہا والمراد الکلام الازلی لان یتحیل قیام اللفظ المرتب بذاتہ تعالیٰ ولانہ حادث فیحتاج الی خطاب اخر فی تسلسل و تاخرہ عن الارادۃ و تقدمہ علی وجود الکن باعتبار التعلق ولما لم یشمل خطاب التکوین علی الفہم و اشتمل علی اعظم الفوائد جاز تعلقہ بالمعدوم و ذهب المعتزلۃ و کثیر من اهل السنۃ الی انہ لیس المراد بہ حقیقۃ الامر والامثال وانما هو تمثیل لحصول ماتعلق بہ الارادۃ بلا مہلۃ بطاعۃ المامور المطیع بلا توقف۔

امر اپنی حقیقت پر محمول ہے جیسا کہ محققین احناف کا نظریہ ہے اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ اس کلمہ کے ساتھ اشیاء کی تکوین فرماتا ہے اگرچہ دوسرے کلمات کے ساتھ بھی تکوین اشیاء ممتنع نہیں ہے اور اس سے مراد تکلم ازل سے ہے کیوں کہ لفظ کا قیام اللہ تعالیٰ پر مرتب کرنا محال ہے۔ اس لئے کہ یہ خطاب ایک دوسرے خطاب کا محتاج ہوگا اور اس طرح تسلسل لازم آئے گا اور اس کا

ارادہ سے مؤخر ہونا اور تعلق کی بنا پر کون سے مقدم ہونا بھی لازم آئے گا۔ جب تکوین کا خطاب فہم کو شامل نہیں اور فوائد عظیمہ کو شامل ہے تو اس کا معدوم کے ساتھ تعلق بھی جائز ٹھہرا۔ معتزلہ اور کثیر اہل السنّت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ امر سے مراد حقیقۃ الامرا اور اعتثال نہیں ہے بلکہ یہ تمثیل ہے اس بات کی کہ جس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازل میں متعلق ہوا وہ بغیر کسی توقف اور مہلت کے حاصل ہو جاتا ہے مامور مطیع کی اطاعت کی بنا پر۔ (☆ تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۵۸۰ سورۃ یس: ۱۱۷)

وہ دوسری جگہ پر لکھتے ہیں وذهب غیر واحد الی انه لا قول اصلا وانما المراد تمثیل لتاثير قدرته تعالى في مراده بامر الامر المطاع للمامور المطيع في سرعة حصول المامور به من غير امتناع و توقف على شئنی۔

(☆ روح المعانی ج ۱ ص ۸۴ سورۃ یس: ۸۱۱)

کئی ایک مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اصلاً قول نہیں ہے۔ اس سے مراد مامور مطیع کے لئے مامور بہ کے سرعت حصول میں کسی چیز کے توقف کے بغیر امر مطاع کے حکم کے ساتھ اس کی قدرت کا اس کی مراد بہ میں موثر ہونے کی تمثیل کو بیان کرنا مقصود ہے۔

علامہ نسفی لکھتے ہیں هذا مجاز عن سرعة التكوين و التمثيل اذ لا قول ثم الله تعالى كما امر كن سرعت تكوين و تمثيل سے مجاز ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قول نہیں ہے وہ مزید لکھتے ہیں قلنا ان كن ليس بامر حقيقة اذ لا فرق بين ان يقال واذا قضى امره فانما يكونه فيكون و بين ان يقال فانما يقول له كن فيكون (☆ تفسیر المدارك ج ۱ ص ۷۸ سورۃ بقرہ: ۱۱۴) ہم کہتے ہیں کہ كن فی الحقیقت امر نہیں ہے کیوں کہ اگر یہ کہا جائے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے وجود بخشتا ہے تو وہ موجود ہوتی ہے اور اس قول کہ وہ اسے کہتا ہے کہ تو ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

علامہ رازی لکھتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا تکوین اشیاء میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تیزی سے نافذ ہونا ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر تفکر و تدبر، تجزیہ اور مثال کے اشیاء کو تخلیق فرماتا ہے۔

(☆ تفسیر المدارك ج ۱ ص ۲۶ سورۃ بقرہ: ۱۱۷)

علامہ زحشری لکھتے ہیں ”ہذا مجاز من الکلام وتمثیل ولا قول ثم“ یہ کلام سے مجاز ہے اور بطور تمثیل بیان ہوا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قول نہیں ہے۔

(تفسیر الکشاف ج ۱ ص ۱۸۰ سورۃ بقرہ: ۱۱۷)

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں سب سے درست قول یہ ہے کہ یہ عام ہے اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلوں سے کیونکہ ظاہر کو باطن کی طرف تاویل کر کے بغیر دلیل پھیرنا جائز نہیں جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب البیان عن اصول الاحکام میں بیان کیا ہے۔ جب معاملہ یہ ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کی تکوین و ایجاد کے ارادہ کے وقت امر ”کن“ اس کے ارادہ ساتھ ہی ہوتا ہے۔ نہ اس چیز جس کا ارادہ کیا ہوتا ہے کے وجود سے مقدم ہوتا ہے نہ متاخر اور نہ ہی وہ چیز اس سے مقدم یا مؤخر ہوتی ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۶۷۰ سورۃ بقرہ: ۱۱۷)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے یہ خبر ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اس چیز سے عام ہے جسکی وہ تکوین کرتا ہے اور جسے وہ پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی چیز کی تکوین کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ شے ہو جاتی ہے۔ بغیر اس کے کہ وہاں کوئی قول ہو جسے وہ کہے۔ بس یہ تو وہ فیصلہ ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔ پس اسے قول سے تعبیر فرمایا اگرچہ یہ قول نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۷۱ سورۃ بقرہ: ۱۱۷)

حضور ﷺ کا لفظ کن کا پر تصرف:

امام مسلم نے کتاب التوبہ کے اندر کعب بن مالک کی توبہ والی طویل حدیث نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضور ﷺ جب تبوک کے مقام پر پہنچے اور اپنے اصحاب کے ساتھ قیام کیا تو آپ نے فرمایا کعب بن مالک کو کیا ہو گیا، بنو مسلمہ کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اسے دو چادروں اور اپنے پہلوؤں کے دیکھنے نے روک لیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا تم نے بری بات کی ہے بخدایا رسول اللہ ہم اس کے متعلق خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے اسی اثنا میں ریگستان سے ایک سفید پوش آتا ہوا دکھائی دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کن ابا خثیمہ“ ابو خثیمہ ہو جا تو وہ ابو خثیمہ انصاری ہو گیا۔ الخ۔ (صحیح مسلم کتاب التوحید باب توبہ کعب بن مالک و اصحابہ)



قاضی عیاض اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ”کن ابا خثیمہ“ کا معنی یہ ہے کہ تو ابو خثیمہ ہے یا وہ ابو خثیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”کنتم خیر امة“ یعنی تم بہترین امت ہو ثعلب نے کہا عربوں کا قول ہے ”کن زیدا“ اور اس ابو خثیمہ کا نام عبد اللہ بن خثیمہ ہے۔ ایک قول مالک بن قیس ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں میرے نزدیک حق یہ ہے کہ ”کن“ تحقیق وجود کے معنی میں ہے۔ یعنی تو حقیقتاً ابو خثیمہ ہو جا۔

(اکمال العلم ج ۸ ص ۲۷۸ کتاب التوبہ باب توبہ کعب بن مالک واصحابہ)

علامہ نووی نے بھی قاضی عیاض کی مذکورہ عبارت نقل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ جو قاضی عیاض نے لکھا ہے یہی صحیح ہے اور یہی صاحب التحریر کے قول کا معنی ہے۔ (یعنی ”کن“ تحقیق وجود کے معنی میں ہے) (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۲ ص ۳۶۱ کتاب التوبہ باب توبہ کعب بن مالک واصحابہ)

### آصف برخیا کا کن پر تصرف:

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہد بد کی زبانی ملکہ بلقیس اور اس کی قوم کے کفر و شرک کی داستان معلوم ہوئی اور آپ نے خط لکھ کر اسے ایمان و اطاعت کے لئے بلایا تو اس کے آنے سے قبل ہی آپ نے اپنی محفل میں یہ اعلان فرمادیا کہ اس کے تحت کو اس کے مطیع و فرمانبردار بن کر بارگاہ میں حاضر ہونے سے قبل ہی کون لائے گا تو عفریت جن نے محفل کے برخاست ہونے سے قبل تحت کو حاضر کرنے کا دعویٰ کیا اور اپنی قوت اور امانت داری کی بھی گرنٹی دی۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے بھی کم عرصہ میں تحت کو حاضر کرنے کے لئے فرمایا تو آصف بن برخیا جس کے پاس بفرمان خداوندی کتاب کا علم تھا نے آنکھ جھپکنے سے پہلے تحت حاضر کرنے کی اجازت طلب کی اور ساتھ ہی حاضر بھی کر دیا وقال الذی عنده علم من الكتاب انا اتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك فلما راه مستقرا عنده قال هذا من فضل ربي الخ (النمل/ ۱۱)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا ہے۔ ان اصف تصرف فی عین

العرش فاعدمه في موضعه و اوجده عند سليمان من حيث لا يشعر احد بذاك  
الا من عرف الخلق الجديد الحاصل في ان و كان زمان وجوده عين زمان عدمه  
و كل منهما في ان و كان عين قول اصف على الفعل في الزمان فان القول من  
الكامل بمنزلة كن من الله تعالى

بے شک آصف بن برخیا نے عین عرش میں تصرف کیا اپنی جگہ سے اسے معدوم کیا  
سلیمان علیہ السلام کے پاس اسے ایجاد کیا۔ اس طرح کہ کسی کو اس کا شعور تک نہیں ہوا۔ مگر جس  
نے خلق جدید کو پہچانا جو ہر لمحہ حاصل ہوتی ہے اور عرش (تخت) کے ایجاد کرنے کا زمانہ بعینہ معدوم  
کرنے کا وقت تھا۔ اور یہ دونوں امور ایک ہی لمحے میں وقوع پذیر ہوئے اور آصف کا قول بیک  
وقت قول بھی تھا اور فعل بھی کیوں کہ کامل کا قول اللہ تعالیٰ کے کن کے قائم مقام ہوتا ہے۔

(☆ روح المعانی ج ۱۰ ص ۳۰۶ سورۃ نمل/۱۱۳)

### اولیاء اللہ کا کن پر تصرف:

علامہ انور شاہ کشمیری عبد الغنی نابلسی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عارف جامی کی ایک  
امیر شخص نے دعوت کی اور عہدِ امرہ مرغی پکائی عارف جامی نے اس مرغی سے فرمایا اللہ کے اذن  
سے زندہ ہو جاؤ تو وہ مرغی زندہ ہو گئی۔ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں اس طرح مخطوفی نے عبد القادر  
جیلانی حنبلی سے نقل کیا ہے جسکی محدثین نے توثیق کی ہے کہ آپ ایک دفعہ درس دے رہے تھے کہ  
ایک چیل نے آکر شور مچانا شروع کیا آپ نے فرمایا اللہ تیری گردن کاٹ دے وہ اسی وقت مر کر  
زمین پر گر پڑی وعظ کے بعد آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ جاؤ تو وہ زندہ ہو کر اڑ گئی۔

(فیض الباری کتاب الصلوٰۃ باب ۹ ج ۲ ص ۶۱)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس دنیا میں بھی ”کن“ پر تصرف کا حق دیا ہے  
جیسا کہ علامہ آلوسی کے کلام سے واضح ہوا کہ کامل کا قول اللہ عز و جل کے ”کن“ کے قائم مقام ہوا  
کرتا ہے۔ تاریخ اسلام میں بہت سے ایسے واقعات ثقہ راویوں اور معتمد کتب میں موجود ہیں

جہاں اولیاء اللہ نے کسی بات کا ادھر اظہار فرمایا ادھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ شے انکی مرضی کے مطابق ہوگئی اس کو ”کن“ پر تصرف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام اور ان کے توسط سے اولیاء عظام کو بھی ”کن“ پر تصرف عطا کیا ہے۔ لیکن وہ اللہ عزوجل کے ادب کے ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کلمہ سے تصرف نہیں کرتے۔ اور حضور ﷺ نے بھی چند بار ہی اس کلمہ سے بیان و ثبوت جواز کیلئے اس کلمہ سے تصرف کیا تا کہ سندر ہے۔ جیسے آپ نے فرمایا ”کن ابا خثیمہ، کن، کن ابا ذر، کن سیفا“ وغیرہ۔ ہم مفسرین کی آراء نقل کر چکے ہیں کہ ”کن فیکون“ سے مراد لفظ ”کن“ دو حرفی بولنا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لفظ ”کن“ اصوات و حروف کا محتاج ہے اور اس کا اسے شے سے مقدم یا مؤخر ہونا لازم آتا ہے۔ جو تحصیل حاصل یا معدوم کے خطاب کو مستلزم ہے۔ ”کن“ حادث ہے لہذا علماء نے کہا کہ اس سے مراد کلام ازلی ہے۔ اور ارادہ الہی کے کسی چیز سے متعلق ہونے اور فی الفور اس شے کے معرض و جو د میں آنے کا نام ”کن فیکون“ ہے اور اسی سرعت امثال کو ”کن فیکون“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس چیز پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کو بھی قدرت عطا کی ہے۔ جیسا کہ قصہ آصف بن برخیا کو خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

سبحن کا معنی:

علامہ زمخشری لکھتے ہیں سبحن تسبیح کا علم ہے جیسے عثمان آدمی کا اسکو فعل مضمر سے نصب دی گئی ہے جس کا اظہار متروک ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ”اسبح اللہ سبحان“ پھر سبحن کو ہی فعل کے قائم مقام رکھ دیا گیا اور یہ ان تمام قبائح سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بلوغ پر دلالت کرتا ہے۔

(الشاف ج ۲ ص ۶۲۱ سورۃ الاحقاف ۱۰۱)

علامہ قرطبی نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سبحن کے معنی دریافت کئے تو حضور ﷺ نے فرمایا ”تنزیہ اللہ من کل سوء“ اللہ تعالیٰ کا ہر برائی سے پاک ہونا ”سبحن“ ہے (الجامع الکام القرآن جزء ۱۰ ص ۱۳۹ سورۃ الاحقاف ۱۰۱)



## تسبیح کا معنی:

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں تسبیح کا معنی اللہ تعالیٰ کا منزہ و مبرا ہونا ہے۔ اسکی اصل اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جلدی سے گزرتا ہے۔ اسے افعال خیر کیلئے بنایا گیا۔ جبکہ ابعاد افعال شر کیلئے اور تسبیح تمام عبادات قولی و فعلی اور نیت سب کو عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ”قلو لا اناہ کان من المسبحین“ کا معنی مصلین کیا گیا ہے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ان تینوں پر اسے محمول کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ”تسبح له السموات السبع والارض ومن فیہن“ ترجمہ: اسی کی تسبیح ساتوں آسمان و زمین اور ان میں موجود اشیاء کرتی ہیں۔ ”وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولكن لا تفقہون تسبیحہم“ کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اسکی حمد کے ساتھ تسبیح بیان نہیں کرتی مگر تم انکی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اسی طرح یہ فرمان ”ولله یسجد من فی السموات والارض طوعا و کرہا“ ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی کو زمین و آسمان میں موجود اشیاء چارونا چار سجدہ کرتی ہیں۔ ”ولله یسجد ما فی السموات وما فی الارض“ ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی کو زمین و آسمان کی موجودات سجدہ کرتی ہیں۔

یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تسبیح حقیقت پر محمول ہو اور سجود ایسی صورت پر محمول ہوں جنکو ہم نہ سمجھ سکتے ہوں کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے۔ ”ولکن لا تفقہون تسبیحہم“ ترجمہ: لیکن تم انکی تسبیح کو سمجھنے سے قاصر ہو۔

تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں اور بعض اس کو تسخیر کے ساتھ سجدہ کرتی ہیں اور بعض اختیار کے ساتھ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سموات، زمین اور چوپائے تسخیر کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔ اس حیثیت کے ساتھ کہ انکے احوال اللہ تعالیٰ کی حکمت پر دلالت کرتے ہیں۔ اختلاف اکمیس ہے کہ کیا زمین و آسمان اختیار کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں؟ آیت مقدسہ اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اور اسی کا تقاضا کرتی ہے۔ (الفردات للراغب ص ۲۲۱ ملخصاً)

اللہ تعالیٰ سچن ہے:

اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نقص، عیب، کمی، کوتاہی اور ہر قسم کی برائی سے منزہ و مبرا ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی سائبھی۔ وہ تمام صفات کمال سے متصف ہے، وہ خالق و مالک ہے حتیٰ قیوم ہے، قادر، حکیم، مدبر، عادل، منعم، اور متفضل ہے زمین و آسمان کی چابیاں اسی کے دست قدرت میں ہیں کائنات و مافیہا کا مالک ہے اور اس میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے سب اس کے مخلوق و مملوک ہیں پھر کیوں کر کوئی مخلوق اپنے خالق کی اور مملوک اپنے مالک کا شریک بن سکتی ہے۔ سب نے اس کی طرف واپس لوٹ کر جانا ہے تو وہ سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا بھی دے گا۔ یہ مقربین کے لئے وعدہ اور منکرین کے لئے وعید ہے۔ اسی معنی کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

قل من بیدہ ملکوت کل شیئی

فرمادیجئے کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے۔

اسی طرح یہ فرمان:

تبارک الذی بیدہ الملک و هو علی کل شیئی قدیر (ملک/۱)

بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ ہر قسم کے نقص اور کمی سے پاک ہے اور شرک سے بری ہے تو وہ اس قابل ہے کہ اس کی تسبیح و تحمید بیان کی جائے۔ اس کی عظمت کے گن گائے جائیں۔ اس کی کبریائی کے چرچے کئے جائیں اور چار دانگ عالم میں اسی کے نام کو بلند کیا جائے۔ اپنی خلوتوں اور جلوتوں میں اسی کے نام سے اپنی زبانوں کو تر کیا جائے اور اس کی سبوحیت و قدوسیت کے ترانوں سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کیا جائے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قیام کیا۔ تو آپ نے سبع طوال (سورتوں) کو سات رکعتوں میں

پڑھا۔ جب بھی آپ اپنا سر انور کو رکوع سے اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے پھر فرماتے الحمد لله الذي الملكوت والجبروت والكبرياء والعظمة آپ کا رکوع قیام کی مثل تھا اور سجدہ مثل رکوع۔ میں واپس پلٹا تو میرے پاؤں ٹوٹ رہے تھے۔

(☆ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۰۱ سورۃ یس: ۸۳)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو رات کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر ذی الملكوت والجبروت والكبرياء والعظمة پڑھتے پھر استفتاح کے بعد سورۃ بقرہ پڑھی آپ کا رکوع قیام کی مثل تھا۔ رکوع میں آپ فرماتے تھے۔ سبحن ربی العظیم پھر آپ نے سر اٹھایا تو آپ کا قیام رکوع کی مثل تھا آپ اپنے قیام میں فرماتے لربی الحمد پھر سجدہ فرمایا آپ کا سجدہ قیام کی مثل تھا اور سجدہ میں آپ فرماتے سبحن ربی الاعلیٰ پھر سجدہ سے سر اٹھایا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا سجدہ کی مقدار تھا۔ اور آپ فرماتے رب اغفر لی رب اغفر لی پس آپ نے اس طرح چار رکعات ادا کیں اور ان میں سورہ بقرہ، آل عمران، نساء مائدہ یا انعام پڑھی۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں اسے نسائی اور ترمذی نے شامل میں بھی روایت کیا ہے۔ (☆ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۶۰۲ سورۃ یس: ۸۳)

### تسبیح و تحمید کی فضیلت:

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں شکت الی فاطمة مجل ידיہا من الطحین فقلت لو اتیت اباک فسالتیہ خادما فقال الا ادلکما علی ماہو خیر لکما من الخادم اذا اخذتما مضجعكما تقولاں ثلاثا و ثلاثین و ثلاث و ثلاثین و اربعا و ثلاثین من تمحید و تسبیح و تکبیر

(۲) حضرت علی فرماتے ہیں فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے ہاتھوں کے آبلوں کی شکایت کی جو چلکی پینے کی وجہ سے پڑ گئے تھے میں نے کہا اگر تم اپنے والد ماجد کے پاس جا کر غلام کا سوال کرو (تو اچھا ہو) (وہ حاضر ہوئیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو



تمہارے لئے غلام سے بہتر ہے تم سوتے وقت تینتیس مرتبہ سبحن اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔

(جامع ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی التسبیح والتکبیر والحمد عند اللنام)

(۳) کعب بن عمرو سے مروی ہے چند معقبات ہیں جن کا کہنے والا کبھی نامراد نہیں ہوگا ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحن اللہ والحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہو۔  
امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

(جامع ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی التسبیح والتکبیر والحمد عند اللنام)

(۴) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الکلماتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان، حبیبتان الی الرحمن سبحن اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم

دو کلمے جو زبان پر خفیف اور میزان میں ثقیل و بھاری ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں سبحن اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم ہیں۔ (صحیح البخاری کتاب الدعوات باب فضل التسبیح مسلم کتاب الدعوات باب فضل التھلیل والدعاء والتسبیح ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل التسبیح)  
(۵) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من قال سبحن اللہ وبحمدہ مائة مرة غفرت له ذنوبه ولو كانت مثل زبد البحر جس نے سبحن اللہ و بحمدہ سو بار کہا اس کے تمام گناہ معاف کئے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

(جامع ترمذی کتاب الدعوات ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل الدعوات)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی زبانوں کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، تسبیح و تحمید سے تر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ان آیات میں معاد جسمانی پر بھی دلیل موجود ہے۔ کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انسانوں کے اجزاء اصلیہ کو حشر کے لئے جمع کرے گا اور ان میں روح ڈالے گا یا روح کا بدن کے

ساتھ تعلق قائم کیا جائے گا جس طرح کہ دنیا میں تھا بلکہ قیامت میں روح کا بدن کے ساتھ قیام یا تعلق دنیا سے بھی زیادہ مکمل ہوگا کیوں وہاں تحقق کے بعد اصلاً انقطاع نہ ہوگا۔

فسبحن الذى بیده الملكوت و هو على كل شىء قدير  
اللهم لك الحمد ولك الشكر والصلوة والسلام على نبيك و صفيك و  
حبيبك قلب جسد الاعيان و على اله وصحبه مادامت سورة يس قلب القرآن  
قد تمت تفسير هذه السورة بحمد الله تعالى وعونه لاربع من شهر شعبان  
المعظم سنة ١٤٢٢ بمطابق : ١٠ اكتوبر ٢٠٠٣ يوم الاربعاء

شیخ محمد شفیق

فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف  
مدرس جامعہ اسلامیہ معارف القرآن کشمیر کالونی کراچی

## مآخذ و مراجع

- ۱۔ القرآن العظیم
- ۲۔ جمال القرآن
- ضیاء الامت: جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری
- کتب حدیث:
- ۱۔ صحیح البخاری
- ۲۔ صحیح المسلم
- ۳۔ جامع الترمذی
- ۴۔ سنن ابی داؤد
- ۵۔ سنن نسائی
- ۶۔ سنن ابن ماجہ
- ۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ
- ۸۔ مصنف عبد الرزاق
- ۹۔ صحیح ابن حبان
- ۱۰۔ مشکوٰۃ المصابیح
- ۱۱۔ المستدرک
- ۱۲۔ الترغیب والترہیب
- ۱۳۔ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمال والسير
- ۱۴۔ تلخیص مستدرک
- ۱۵۔ شعب الایمان
- ۱۶۔ مسند دارمی
- امام محمد بن اسماعیل بخاری
- امام مسلم بن حجاج قشیری
- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی
- امام ابو داؤد سلیمان بن الشعث سجستانی
- امام ابو عبد الرحمن بن شعیب نسائی
- امام ابو عبد اللہ بن یزید ابن ماجہ
- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ
- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی
- امیر علاؤ الدین علی بن بلبان الفارسی
- شیخ ولی الدین تبریزی
- امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری
- حافظ ذکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی منذری
- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی
- حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی



## کتاب تفسیر:

- |                         |  |
|-------------------------|--|
| ۱۔ جامع البیان          | علامہ ابن جریر طبری                                    |
| ۲۔ تفسیر ابن کثیر       | امام ابو الفداء حافظ ابن کثیر دمشقی                    |
| ۳۔ تفسیر کبیر           | امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر فخر الدین الرازی الشافعی |
| ۴۔ تفسیر فی ظلال القرآن | علامہ سید قطب شہید                                     |
| ۵۔ الجامع لاحکام القرآن | امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی            |
| ۶۔ احکام القرآن         | امام ابو بکر احمد بن علی رازی یصاص                     |
| ۷۔ روح المعانی          | علامہ سید محمود آلوسی بغدادی                           |
| ۸۔ تفسیر مظہری          | قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی                           |
| ۹۔ روح البیان           | علامہ اسماعیل حقی حنفی                                 |
| ۱۰۔ ضیاء القرآن         | ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری               |
| ۱۱۔ زاد المسیر          | علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی محمد جوزی حنبلی      |
| ۱۲۔ تفسیر مدارک التنزیل | علمہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی                     |
| ۱۳۔ خزائن العرفان       | صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مراد آبادی                |
| ۱۴۔ تفسیر بغوی          | امام ابو محمد حسین بن مسعود القراء البغوی الشافعی      |
| ۱۵۔ تفسیر خازن          | علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم الشہیر بالخازن       |
| ۱۶۔ فتح القدیر          | علامہ محمد بن علی شوکانی                               |
| ۱۷۔ تفسیر ابن ابی حاتم  | عبد الرحمن بن محمد بن ادريس بن ابی حاتم                |
| ۱۸۔ تفسیر بیضاوی        | قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی           |
| ۱۹۔ تفسیر الکشاف        | علامہ ابو القاسم جار اللہ محمد بن عمر بن محمد زحشری    |
| ۲۰۔ تبیان القرآن        | علامہ غلام رسول سعیدی                                  |

- |                               |  |
|-------------------------------|--|
| ۲۱۔ الدر المنثور              | حافظ ابو الفضل جلال الدین عبدالرحمن ابوبکر السیوطی |
| ۲۲۔ معارف القرآن              | مفتی محمد شفیع دیوبندی                             |
| ۲۳۔ حاشیہ الجمل علی الجلالین  | علامہ الشیخ سلیمان الجمل                           |
| ۲۴۔ حاشیہ الصاوی علی الجلالین | علامہ احمد بن محمد الخلوٹی الصاوی مصری مالکی       |
| ۲۵۔ مواہب الرحمن              | علامہ سید امیر علی ملیح آبادی                      |
| ۲۶۔ تفسیر ابی سعود            | علامہ ابوسعود محمد بن محمد عمادی سلیمی             |
| ۲۷۔ صفوة التفاسیر             | علامہ محمد علی صابونی                              |
| ۲۸۔ تفہیم القرآن              | سید ابوالاعلیٰ مودودی                              |

### شروح و حاتِ حدیث:

- |                               |  |
|-------------------------------|--|
| ۱۔ عمدۃ القاری                | علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی      |
| ۲۔ فتح الباری                 | علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی     |
| ۳۔ مرقات                      | ملا علی بن سلطان محمد القاری                     |
| ۴۔ اشعة اللمعات علامہ         | شیخ عبدالحق محدث دہلوی                           |
| ۵۔ اکمال اکمال المعلم         | علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ دشتانی ابی مالکی |
| ۶۔ شرح صحیح مسلم              | علامہ غلام رسول سعیدی                            |
| ۷۔ شرح صحیح مسلم              | علامہ تکی بن شرف النووی                          |
| ۸۔ اکمال المعلم               | قاضی عیاض مالکی القرطبی                          |
| ۹۔ فیض الباری                 | شیخ انور شاہ کشمیری                              |
| ۱۰۔ الزجاجة فی زوائد ابن ماجہ | امام بوصیری                                      |

### کتب سیرت و رجال:

- |  |                                    |
|--|------------------------------------|
| ۱۔ مختصر سیرت النبی ابن محمد بن عبد الوہاب | شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب |
|--|------------------------------------|

- ۲- ضیاء النبی ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری
- ۳- الدلائل النبویہ حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی
- ۴- نشر الطیب مولوی اشرف علی تھانوی
- ۵- حجة الله على العلمین فی معجزات الرسول امام محمد بن یوسف بن اسماعیل نبھانی
- ۶- طبقات ابن سعد محمد بن سعد بن منیع الزہری
- ۷- سیرت ابن کثیر علامہ علاؤ الدین حافظ ابن کثیر دمشقی
- ۸- مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد قسطلانی مصری
- ۹- اسد الغابہ علامہ عزالدین بن
- ۱۰- الاستیعاب حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر اندلسی
- ۱۱- الاصابہ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی
- ۱۲- وفاء الوفاء

### کتب اسماء الرجال:

- ۱- تذکرۃ الموضوعات علامہ ابن جوزی حنبلی
- ۲- الموضوعات الکبریٰ ملا علی بن سلطان محمد القاری
- ۳- میزان الاعتدال حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی
- ۴- تہذیب التہذیب علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی

### متفرقات:

- ۱- الاتقان فی علوم القرآن حافظ ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمن ابوبکر السیوطی
- ۲- کتاب التعریفات علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی
- ۳- المفردات فی غریب القرآن ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی



- |     |                        |   |
|-----|------------------------|---|
| ۴۔  | شرح المقاصد            | علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی           |
| ۵۔  | عین الہدایۃ            | علامہ سید امیر علی ملیح آبادی                   |
| ۶۔  | طب نبوی اور جدید سائنس | ڈاکٹر خالد محمود غزنوی                          |
| ۷۔  | زمین اور خلا کا کھوج   | مارگریٹ اور ہائیڈ                               |
| ۸۔  | شفاء السقام            | الشیخ الامام الفقیہ المحدث تقی الدین سبکی شافعی |
| ۹۔  | اقتضاء الصراط          | حافظ ابوالعباس تقی الدین احمد بن ایمیہ          |
| ۱۰۔ | مقدمہ ابن خلدون        | عبدالرحمن ابوزید ولی الدین ابن خلدون            |
| ۱۱۔ | فتاویٰ مہریہ           | پیر مہر علی شاہ گولڑوی                          |
| ۱۲۔ | زاد المعاد             | علامہ ابن قیم جوزی                              |
| ۱۳۔ | الکامل فی التاریخ      | علامہ ابن اثیر جزری                             |
| ۱۴۔ | ہدیۃ الحکمۃ            |   |
| ۱۵۔ | شرح چغمینی             |   |



## مصنف کی دیگر کتب

- ۱۔ مذاہب عالم میں عورت کا مقام (غیر مطبوعہ)
- ۲۔ فضل الودود فی شرح سنن أبی داؤد، ج: ۱ (غیر مطبوعہ)
- ۳۔ فضل الودود فی شرح سنن أبی داؤد، ج: ۲ (غیر مطبوعہ)
- ۴۔ فضل الودود فی شرح سنن أبی داؤد، ج: ۳ (غیر مطبوعہ)
- ۵۔ فضل الودود فی شرح سنن أبی داؤد، ج: ۴ (غیر مطبوعہ)
- ۶۔ میلاد النبی کی شرعی حیثیت (مطبوعہ)
- ۷۔ ترجمہ و تحشیہ تفسیر بغوی ج: ۱ (غیر مطبوعہ)

<https://ataunnabi.blogspot.com/>

Click For More Books  
<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>





مصنف کی دیگر کتب

مکتبہ جمال کرم  
داتا دربار مارکیٹ لاہور  
فون: 042-7324948  
موب: 0321-4300441

042-37071772

داتا دربار مارکیٹ لاہور  
فون: 042-7324948  
موب: 0321-4300441

مکتبہ جمال کرم

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>